ظفراللہ خان

مقامات تصوف

منزل ما کبریاست

مقامات تصوف
ظفراللہ خان

مقاماتِ تصوف

منزلِ ماکبریاست

ظفراللہ خان

الکریم مارکیٹ۔ اُردو بازار، لاہور

©2023ءمشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔ یہ کتاب یا اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی شکل الیکٹرانک، مکینیکل ،فوٹو کاپی، ریکارڈنگ یا کسی اور ذریعہ سے مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ، لاہور کی باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر استعمال یا شائع نہیں کیا جا سکتا۔ حوالہ یا تبصرہ کے لیے کتاب، مصنف کا نام اور صفحہ نمبر کا اندراج ضروری ہے۔

مصنف : **ظفراللہ خان**
ایڈیشن : 2023
اشاعت : جون، 2023ء
تعداد : ۱۰۰۰
آئی ایس بی این : 000-000-00-0.
قیمت : ....

مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور کی مطبوعات کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رابطہ:
ویب سائٹ :https://mushtaqbookcorner.blogspot.com/ **فون** : 042-37230350
ای میل :

297.4 خان، ظفراللہ
خ ا ن مقامات تصوف: منزلِ ماکبریاست/ظفراللہ خان۔
لاہور: مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، 2023
xviii، 618ص۔
کتابیات
آئی ایس بی این:.000-000-00-0

1۔اسلام، 2۔تصوف، 3۔سلوک، 4۔احسان، 5۔مقامات، 6۔عنوان، 7۔ مصنف

خود ز فلک برتریم و ز ملک افزوں تریم
زین دو چرا نگذریم، منزل ما کبریاست

(ہم آسمان سے بھی برتر ہیں اور فرشتوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں)
(کیوں نہ ان دونوں سے آگے نکل جائیں، ہماری منزل ذات کبریا ہے)

(مولانا جلال الدین رومیؒ)

انتساب

اس ذات اقدس کے حضور جو میرے وجود کی بنیاد ہے

گر قبول افتد زہے عزوشرف

فہرست مضامین

(اجمالی)

فہرست مضامین
(تفصیلی)

دیباچہ

صحت مند معاشرے کی بقا کا انحصار اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل افراد اور ان اقدار کی خاطر جدوجہد کرنے والوں پر ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان نفسانی خواہشات اور منفی میلانات سے بہت حد تک پاک ہو یعنی تزکیہ یافتہ۔

تزکیہ نفس سے انسانی سیرت و کردار پر مثبت اور خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تعمیری قوت میں اضافہ، نیکی کی استعداد اور روحانی بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ نفس امارہ، نفس لوامہ میں اور پھر نفس لوامہ نفس مطمئنہ میں بدل جاتا ہے۔

جب فرد تزکیہ کا محتاج ہے تو پھر اسلامی معاشرے کو کیسے تزکیہ اور احسان سے مبرا قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی فلاحی معاشرہ اپنی نہاد اور اجتماعیت میں تزکیہ و احسان کا مطالبہ کرتا ہے۔ تصوف، احسان یا سلوک، تزکیہ نفس ہی کا دوسرا نام ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلامی معاشرہ اپنی اعلیٰ اخلاقی اقدار، وجود و بقا اور ترقی کے لیے تزکیہ و احسان کا محتاج ہے۔ اسلامی معاشرے کے اس اہم مطالبے یا موضوع کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور سلف الصالحین کے اقوال و ارشادات کی روشنی میں زیر نظر کتاب مرتب کی گئی ہے۔

مقامات کا تصور تصوف کا بہت اہم موضوع ہے۔ اکثر لوگ (سالکین) یا راہروان تصوف درست طور پر نہیں سمجھ پاتے۔ ممکن ہے کہ دیگر وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہو کہ کتب تصوف میں مقامات کے حوالے سے بہت کم مباحث ملتے ہیں۔ پھر اس پر مستزاد افراط و تفریط۔ زیر مطالعہ کتاب (مقامات تصوف) میرے پینتیس سالہ مطالعے اور غور و فکر کا حاصل ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ

(i) قرآن مجید اور درست احادیث سے ہر مقام کی بنیاد تلاش کی جائے۔

(ii) ہر مقام کے مختلف علمی، فکری اور عملی پہلوؤں پر گفتگو کی جائے۔

(iii) صوفیائے کرامؒ کے اقوال دیے جائیں۔

(iv) امثال وواقعات تاکہ ایسے عملی نمونوں سے سبق یا بصیرت حاصل ہو۔

(v) جملہ مباحث میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔

کتاب ہذا مقدمہ (تصوف کا تعارف) اور بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔(1) مقام توبہ، (2) مقام تقویٰ، (3) مقام زہد، (4) مقام صبر، (5) مقام رضا، (6) مقام توکل، (7) مقام صدق، (8) مقام شکر، (9) مقام تواضع، (10) مقام سخاوت، (11) مقام ذکر، (12) مقام اخلاص

رب ذوالجلال، نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفٰے ﷺ اور کتاب میں شامل پاکیزہ ہستیوں کے بعد میں ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے اس پر مشقت اور دقیق کام میں میرا ساتھ دیا۔ احمد جاوید صاحب کا، جن کی مشاورت ہمیشہ شامل حال رہی۔ سیف اللہ بخاری نے تحقیق میں معاونت کی۔ میں خاص طور پر ممنون ہوں قاری محمد حنیف جالندھری صاحب، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس عربیہ ومہتمم جامعہ خیر المدارس (ملتان) کا، آپ نے عربی اور اردو متن کی اصلاح میں غیر معمولی تعاون کیا۔

اپنی والدہ محترمہ کی دعاؤں اور اپنے بچوں حسن اور فاطمہ کے خلوص وایثار کا بھی شکریہ واجب ہے جن کی محبتوں کے بغیر یہ مشکل کام تو ڑ نہ چڑھتا۔

میں شگرگزار ہوں مشتاق بک کارنر کا، جن کی وساطت سے میری یہ کاوش خوبصورت کتابی شکل میں ڈھل کر قارئین کے ہاتھوں تک پہنچی۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب تفہیم مقامات اور تزکیہ نفس میں معاون ثابت ہوگی اور رحمت حق بہانہ می جوید (اللہ پاک کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے) کے مصداق میرے لیے مغفرت کا ذریعہ۔

ظفر اللہ خان

جون 2023

تصوف کا تعارف

1 اسلام کا مفہوم

(1) لفظ اسلام لغوی اعتبار سے سلم سے ماخوذ ہے۔جس کے معنی اطاعت اور امن کے ہیں۔عربی زبان میں اعراب کے معمولی ردو بدل سے معنی میں نہایت فرق آ جاتا ہے۔اصل لفظ جس سے اسلام کا لفظ ماخوذ ہے،یعنی 'سلم'، اپنے 'س' پر زبر یا پھر زیر لگا کر دو انداز میں پڑھا جاتا ہے:

(i) سَلم (salm): جس کے معنی امن وسلامتی کے ہیں۔

(ii) سِلم (silm): جس کے معنی اطاعت، داخل ہو جانے اور بندگی کے ہیں۔

(2) اسلام امن وسلامتی کے معنوں میں قرآن مجید کی سورۃ الانفال کی آیت 61 میں ان الفاظ میں آیا ہے:

وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ.

(اور اگر جھکیں صلح (امن) کی طرف تو تم بھی جھک جاؤ اس کی طرف اور اللہ پر بھروسہ کرو)

(3) اسلام اطاعت وفرمانبرداری کے معنوں میں قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت 208 میں ان الفاظ میں آیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ.

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)

(4) اسلام کی بنیاد ایمانیات پر ہے۔ دراصل ایمانیات سے مراد وہ عقائد ہیں جن پر کامل اعتقاد (زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق) رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ ان عقائد کو مانے بغیر کوئی بھی شخص اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ایمانیات کو ایک حدیث پاک میں یوں بیان کیا گیا ہے:

عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ

إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ.

ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ؟ قَالَ: "أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا". قَالَ: صَدَقْتَ، فَعَجِبْنَا إِلَيْهِ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ.

ثُمَّ قَالَ: أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ؟ قَالَ: "أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ كُلِّهِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ". قَالَ: صَدَقْتَ.

قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ؟ قَالَ: "أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ".

قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: "مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ بِهَا مِنَ السَّائِلِ".

قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا؟ قَالَ: "أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ".

قَالَ: عُمَرُ فَلَبِثْتُ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا عُمَرُ، هَلْ تَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟"، قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامِ أَتَاكُمْ لِيُعَلِّمَكُمْ أَمْرَ دِينِكُمْ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:49)

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا، جس کا لباس نہایت صاف ستھرے اور سفید کپڑوں پر مشتمل تھا اور جس کے بال نہایت سیاہ تھے۔ اس آدمی پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا۔ وہ آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے قریب آ کر بیٹھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا لیے اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھ لیے۔

اس کے بعد اس نے عرض کیا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمایئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس حقیقت کا اعتراف کرو اور گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور پھر تم پابندی سے نماز پڑھو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور استطاعت (وسائل) میسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس آدمی نے یہ سن کر کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر ہمیں تعجب ہوا کہ یہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

پھر وہ آدمی بولا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب ایمان کی حقیقت بیان فرمایئے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو دل سے مانو اور اس بات پر یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے وہ تقدیر کے مطابق ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔

پھر وہ شخص بولا اچھا اب مجھے یہ بتایئے کہ احسان کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

پھر اس آدمی نے عرض کیا کہ مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس بارے میں جواب دینے والا، سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس کے بعد اس آدمی نے کہا: اچھا! اس کی کچھ نشانیاں ہی مجھے بتا دیجئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور ننگے پاؤں، ننگے جسم والے مفلس وفقیر اور بکریاں چرانے والوں کو تم عالی شان مکانات میں فخر وغرور کی زندگی بسر کرتے دیکھو گے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا) میں نے تین دن توقف کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی مجھ سے پوچھا: اے عمر (رضی اللہ عنہ)! جانتے ہو سوالات کرنے والا آدمی

کون تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے)

(5) اس حدیث مبارکہ میں سب سے پہلے ایمان اور اسلام کی حقیقت بیان ہوئی ہے۔جس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا تعلق باطن سے ہے اور اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے۔
اس حدیث پاک کی روشنی میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایمانیات حسب ذیل ہیں:

(i) **اللہ تعالیٰ پر ایمان:** اللہ تعالیٰ کو ماننے کا مطلب اس بات پر یقین رکھنا ہے کہ اس کی ذات اور اس کی صفات حق ہیں۔عبادت کے لائق صرف اسی کی ذات ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔کوئی اس کا ہمسر و شریک نہیں۔

(ii) **فرشتوں پر ایمان:** فرشتوں کو ماننے کا مطلب اس بات پر یقین رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق فرشتوں کے نام سے موجود ہے یہ فرشتے لطیف اور نورانی ہیں۔ان کا کام ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔

(iii) **الہامی کتابوں پر ایمان:** کتابوں کو ماننے کا مطلب اس بات پر یقین رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں اور وقتاً فوقتاً (مختلف وقتوں میں) اپنے پیغمبروں علیہم السلام پر جو کتابیں نازل فرمائی ہیں، وہ سب اللہ پاک کے کلام اور احکامات کا مجموعہ ہیں۔البتہ ان میں سے قرآن مجید کے سوا کوئی بھی کتاب اپنی اصل حالت میں موجود نہیں۔اس لیے عمل صرف اور صرف قرآن پاک ہی پر کیا جائے گا۔

(iv) **رسولوں علیہم السلام پر ایمان:** رسولوں علیہم السلام پر ایمان کا مطلب اس بات پر یقین رکھنا ہے کہ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام نبی علیہم السلام اور رسول علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے سب سے سچے، سب سے پیارے اور سب سے افضل بندے ہیں۔ جن کو اس نے اپنی تعلیمات دے کر مختلف زمانوں اور قوموں میں بھیجا۔انہوں نے ان خدائی

ہدایات کے تحت دنیا والوں کو نجات کا راستہ دکھانے اور بھلائی پھیلانے کا اپنا فریضہ مکمل طور پر ادا کیا۔ ان تمام انبیا و رسل علیہم السلام کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جو کسی خاص زمانہ، کسی خاص علاقہ اور کسی خاص قوم کی طرف نہیں بھیجے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ کا آخری دین اسلام لے کر تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے اور قیامت تک ان ہی کی نبوت اور انہی کی شریعت جاری رہے گی۔

(v) **یوم آخرت پر ایمان:** آخرت (قیامت) کے دن کو ماننے کا مطلب اس بات پر یقین رکھنا ہے کہ دین نے آخرت کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے یعنی موت کے بعد پیش آنے والے حالات (مثلاً قبر اور برزخ کے حالات، صور پھونکنا، قیامت، حشر ونشر، حساب و کتاب اور پھر جزاء وسزا کا فیصلہ اور جنت ودوزخ) سب صحیح حقائق ہیں اور جن کا ہونا اور پیش آنا لازمی ہے۔ اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔

(vi) **تقدیر پر ایمان:** تقدیر پر یقین رکھنے کا مطلب اس حقیقت کو دل سے تسلیم کرنا ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ آج جو بھی علم واضح ہوتا ہے خواہ وہ نیکی کا ہو یا بدی کا، خالق کائنات کے علم اور تقدیر میں وہ پہلے سے موجود ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ مجبور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختار بنایا ہے۔ یعنی اس کے سامنے نیکی و بدی کے دونوں راستے کھول کر اس کو اختیار دے دیا ہے کہ چاہے وہ نیکی کے راستہ پر چلے، چاہے بدی کے راستہ پر اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ نیکی کے راستہ پر چلو گے تو جزا و انعام سے نوازے جاؤ گے جو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوگا اور اگر بدی کے راستہ پر چلو گے تو سزا اور عذاب کے حقدار بنو گے اور دوزخ میں ڈالے جاؤ گے جو اللہ تعالیٰ کے عدل کے مطابق ہوگا۔

(6) **ارکان اسلام:** حدیث جبریل علیہ السلام میں جو دوسری چیز بیان فرمائی گئی ہے وہ اسلام کے ارکان ہیں۔ جب کوئی انسان ایمانیات کو سچے دل سے مان لیتا ہے اور زبان سے اس کا اقرار کرتا ہے

تو اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے ارکان کو پابندی سے ادا کرے۔ ارکان اسلام حسب ذیل ہیں:

(i) **شہادتین:** اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ پاک ہی ہمارا خالق، مالک، رازق اور معبود ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد ﷺ ہی اللہ پاک کے آخری نبی ﷺ ہیں۔

(ii) **نماز:** ہر عاقل و بالغ مرد و عورت پر مقررہ اوقات میں دن میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ جسے انسان اجتماعی یا انفرادی طور پر ادا کرسکتا ہے البتہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا اجر انفرادی طور پر ادا کی گئی نماز سے زیادہ ہے۔

(iii) **زکوٰۃ:** ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے کہ وہ صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں اڑھائی فیصد کے اعتبار سے اپنے مال کی سالانہ زکوٰۃ ادا کرے اور اسے اس کے صحیح مقام تک پہنچائے۔

(iv) **روزہ:** ہر عاقل و بالغ مسلمان پر یہ بھی فرض ہے کہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے رکھے۔

(v) **حج:** ہر عاقل و بالغ مسلمان پر صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں زندگی میں ایک دفعہ بیت اللہ شریف کا حج کرنا فرض ہے۔ حج کے لیے صاحب استطاعت ہونے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی تمام ضروریات زندگی سے فراغت کے بعد اتنا سرمایہ رکھتا ہو کہ وہ بغیر کسی تنگی و پریشانی کے سفر کے دوسرے تمام اخراجات برداشت کرسکتا ہو۔ علاوہ ازیں سفر حج کی پوری مدت کے لیے لواحقین کے تمام ضروری اخراجات کے بقدر رقم یا سامان ان کو دے کر جا سکتا ہو۔ زادِ راہ اور فرضیت حج کی اس طرح کی دوسری شرائط پوری ہو جائیں تو باقی دشواریاں جیسے سفر کا طویل اور مشکل ہونا، درمیان میں سمندر یا دریا کا حائل ہونا وغیرہ، حج کی فرضیت کو ختم نہیں کرتیں۔

(7) **احسان:** حدیث جبریل علیہ السلام میں تیسری چیز جس کی وضاحت کی گئی ہے وہ احسان ہے۔ احسان کو اخلاص، تزکیہ نفس اور تصوف و سلوک سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ دراصل احسان اس کیفیت کا نام ہے جو صحیح عقائد سے وابستگی اور شریعت کی فرمانبرداری کے بعد اللہ پاک کی توجہ سے پیدا

ہوتی ہے اور بندے کو اپنے معبود کی قربت عطا کرتی ہے۔ اس سے ایمان و اسلام کی ظاہری صورت (یعنی عبادت اور حقوق انسانی) کا صحیح معیار اور حسن قائم ہوتا ہے۔ عبادات کا یہی صحیح معیار اور حسن درحقیقت بندے کو معبود کی کامل قربت اور عبدیت کا حقیقی مقام عطا کرتا ہے۔ بندہ اپنی عبادتوں کو اس جوہر سے کس طرح آراستہ و مزین کر سکتا ہے؟ اس کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے جس طرح کوئی ملازم یا خادم اپنے آقا اور مالک کی خدمت اس کو اپنے سامنے دیکھ کر کرتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ اگر شفیق آقا نظر کے سامنے ہو اور خادم اس کو دیکھ رہا ہو تو اس کے فرض کو انجام دینے کی کیفیت ہی دوسری ہوتی ہے۔ اس وقت خادم نہ صرف یہ کہ پوری طرح چاق و چوبند اور مؤدب ہوتا ہے بلکہ کام کرنے کا اس کا انداز بھی پوری طرح والہانہ اور مخلصانہ ہوتا ہے۔

(8) اسی نکتہ کے پیش نظر اگر بندہ عبادت کے وقت ایسی کیفیت و حالات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے تو خشوع و خضوع اور تضرع کی تمام تر کیفیات خود بخود اس کی عبادت میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس طرح عبادت حقیقی عبادت کا درجہ پا جاتی ہے اور اس عبادت کا بنیادی مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ عبادت کے اس مرتبہ کو احسان کہا گیا ہے۔ اس کو صوفیا مشاہدہ اور استغراق سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عبادت کا یہ سب سے اونچا مرتبہ و مقام ہے جہاں تک رسائی اتنی آسان نہیں ہے۔ اس لیے نسبتاً آسان طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب انسان عبادت کرتے وقت یہ دھیان میں رکھے کہ اللہ پاک اسے دیکھ رہا ہے تو اس یقین سے بھی عبادت میں خشوع و خضوع اور تضرع بڑی حد تک پیدا ہوتا ہے اور عبادت میں درجہ احسان حاصل ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں عبادت کی اس کیفیت کو بھی احسان سے تعبیر کیا گیا ہے جو حقیقی احسان یعنی مشاہدہ و استغراق کا ثانوی درجہ ہے۔

(9) درحقیقت یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ

کے جاری کیے ہوئے احکام پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے اور اعمال اللہ پاک اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اس وقت تک قبولیت کا درجہ نہیں پا سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ نہ ہو اور پورے داخلی و خارجی وجود پر محبت الٰہی، خشیت الٰہی اور حضور قلب کی کیفیت طاری نہ ہو۔ ان دونوں کا اس وقت تک کوئی اعتبار نہیں ہوگا جب تک عقیدہ صحیح نہ ہو اور دل و دماغ ایمان و یقین سے روشن نہ ہوں۔ کامل مومن یا کامل مسلمان وہی آدمی مانا جاتا ہے جس کے دل و دماغ میں صحیح اسلامی عقائد کا نور موجود ہو۔ پھر وہ ان فرائض کو پوری طرح ادا کرے اور ان احکام کی کامل اطاعت کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ نافذ کیے اور پھر ریاضت کے ذریعہ اخلاص، توجہ الی اللہ اور رضائے مولیٰ کے حصول کی جدوجہد کرے جس سے ایمان و اسلام میں حسن و کمال اور بلند قدری ملتی ہے۔

2 تصوف کا تعارف

(1) لفظ صوفی یا تصوف کے بارے میں علما و محققین کی مختلف آرا ہیں: حضرت سراج الدین طوسیؒ نے اللمع فی التصوف میں، حضرت ابوبکر محمد کلاباذیؒ نے التعرف میں، حضرت امام قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں، حضرت سید علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں اور حضرت علامہ ابن جوزیؒ نے تلبیسِ ابلیس میں یوں بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ صوفی صوف (اون) کے کپڑے پہنتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز کی صف اول میں ہونے کی وجہ سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اصحاب صفہ سے نسبت کی وجہ سے صوفی کہا جاتا ہے اور بعض کی رائے میں لفظ صوفی صفا (پاک پاز) سے ہے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ صفا سب کے لیے قابل قبول ہے۔ اس کی ضد میل ہے چونکہ اہل تصوف اپنے اخلاق اور معاملات کو صاف رکھتے ہیں اور دل کی بیماریوں سے پاک ہوتے ہیں اس لیے صوفی کہلاتے ہیں۔

(2) صفا کی دو صورتیں ہیں:

(i) پہلی صورت یہ ہے کہ دل غیر اللہ (اللہ پاک کے علاوہ) سے خالی ہو۔

(ii) دوسری صورت یہ ہے کہ دل دنیاداری سے دور ہو۔

(3) حضرت اردشیر عبادیؒ کا خیال ہے کہ صوفی کی اصل صفوت ہے اور تصوف کی اصل صوف ہے۔ صفوت کے معنی کدورت سے پاک ہونا ہے۔ وہ پگھلا ہوا سونا جس سے کھوٹ علیحدہ کر دیا جائے اسے صافی کہتے ہیں۔ اسی طرح جو دل نفسانی خواہشات سے پاک ہو اسے بھی صافی کہتے ہیں۔ اس پاک صاف دل کے مالک کو صوفی کہا جاتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ انسان پہلے اپنے باطن کو پاک وصاف کرے پھر سادہ لباس پہنے۔

(4) حضرت ابوالفتح بستیؒ کا خیال ہے کہ صوفی اسے کہتے ہیں کہ جس نے صفا (پاکبازی) اختیار کی اور خواہشاتِ نفسانی سے پاک وصاف ہو گیا یہاں تک کہ اس کا لقب صوفی ہو گیا۔

(5) بعض کا خیال ہے کہ لفظ صوفی صوفہ سے لیا گیا ہے، صوفہ ایک قبیلہ تھا جو خانہ کعبہ کے خادم تھے۔

(6) اسلام میں صوف کا لباس، زہد وفقر اور قناعت کی علامت رہا ہے۔ اسی نسبت سے صوفی کا لفظ اسلام میں مشہور ہو گیا اور کچھ لوگوں نے اس لباس میں دھوکہ بازی بھی کی۔ ویسے بھی صوفیائے کرامؒ کو اون کا لباس پہننے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

(i) حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

حرف درویشاں بدزدد مرد دوں
تا بخواند بر سلیمے زان فسوں
کار مرداں روشنی و گرمی ست
کار دوناں حیله و بے شرمی ست
شیر پشمین از برای کد کنند
بو مسیلم را لقب احمد کنند
(کمینہ انسان درویشوں کی بات کو چرا لیتا ہے)

(تاکہ کسی سادہ انسان کو پھانس لے)
(مردوں کا کام روشنی اور حرارت پہنچانا ہے)
(اور کمینوں کا کام دھوکا دینا اور بے شرمی ہے)
(یہ بہروپیے اون کے کپڑے دھوکے بازی اور
حصول دنیا کے لیے پہنتے ہیں)
(اور ابو مسیلم کذاب کو احمد کا لقب دے دیتے ہیں)

(ii) حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست
کمر بہ خدمتِ سلطان بېند و صوفی باش
(صوفی ظاہری لباس سے یا ترک دنیا سے نہیں بنتا)
(بیشک بادشاہ کی ملازمت کرو لیکن دل میں صوفی رہو)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست
(تصوف صرف خدمت خلق کا نام ہے)
(یہ نہ تسبیح ہے، نہ جائے نماز ہے اور نہ ہی گدڑی ہے)

3 تصوف کے بارے میں اقوال

(1) حضرت ابوالحسین محمد بن احمد فارسیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کے درج ذیل ارکان ہیں:

(i) تجرید توحید: توحید میں شک یا کمی کا خیال تک نہ پایا جائے۔

(ii) سماع کا سمجھنا: سماع کو صرف علم کی طاقت سے نہ سنے بلکہ اپنے حال کے ذریعے سنے۔

(iii) ایثار الایثار: ایثار کرنے میں دوسروں کو خود پر ترجیح دے تاکہ ایثار کرنے کی فضیلت دوسرے کو ملے۔

(iv) سرعت وجد: باطن ایسے امور سے خالی نہ ہو جو وجد کو بھڑکاتے ہیں اور نہ ہی باطن ان امور سے بھرا ہوا ہو جو اسے حق سے باز رکھیں۔

(v) دلوں کی باتوں کا ظاہر کرنا: اس سے مراد یہ ہے کہ سالک (اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے والا) ہر اس خیال کی تفتیش کرے جو اس کے دل میں پیدا ہو۔ پھر اس خیال کی تابعداری کرے جو حق تعالیٰ کی طرف سے ہو اور غیر حق (اللہ پاک کے علاوہ) کی طرف سے پیدا ہونے والے خیال کو چھوڑ دے۔

(vi) کثرت سے سفر کرنا: کثرت سے سفر کرنے کا حکم اس لیے ہے تاکہ صوفی دنیا میں عبرت کے مقامات کا مشاہدہ کر سکے۔

(2) حضرت محمد بن علی قصابؒ نے فرمایا: نیک لوگوں میں، نیک وقت میں، نیک عادات کے ظاہر ہو جانے کو تصوف کہتے ہیں۔

(3) حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ حق اور حلال لینا اور لوگوں کے مال سے امید نہ رکھنا، تصوف کہلاتا ہے۔

(4) حضرت رویم بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ تصوف میں تین خصلتیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

(i) محتاجی اختیار کیے رکھنا اور صرف اللہ تعالیٰ سے غرض رکھنا۔

(ii) خرچ کرنا اور دوسروں سے ترجیحی سلوک کرنا۔

(iii) کسی چیز کے پیچھے پڑنا نہ ہی کسی دنیاوی چیز کے لیے شدید خواہش کرنا۔

(5) حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ صوفی کی پہچان یہ ہے کہ خالی ہاتھ ہو تو سکون سے ہوتا ہے اور کچھ پاس ہو تو پہلے دوسروں پر خرچ کرتا ہے۔

(6) حضرت ابوبکر کتانیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف اچھی عادات کو کہتے ہیں چنانچہ جس کی اچھی خصلتیں تم سے بڑھ کر ہوں گی وہ تم سے آگے نکل جائے گا۔

(7) حضرت ابوعلی احمد رودباریؒ فرماتے ہیں، تصوف یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے محبوب کے در پر دھرنا

دے کر بیٹھ جائے خواہ اسے دھکے ہی کیوں نہ پڑیں۔ پھر فرمایا کہ دوری کے کھوٹ سے نکل کر قرب جیسے صاف مقام پر آنے کو تصوف کہتے ہیں۔

(8) حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں دل میں کسی بھی چیز کا غم رکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے لو لگانا (محبت کرنا) تصوف کہلاتا ہے۔

(9) حضرت ابومحمد جریریؒ فرماتے ہیں کہ ادب و آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے حال پر نظر رکھنا تصوف کہلاتا ہے۔

(10) حضرت مزینؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جانا تصوف کہلاتا ہے۔

(11) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ صوفیا کرامؒ ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جس نے ہر شے سے توجہ ہٹا کر صرف اللہ پاک کو پسند کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنی ہر مخلوق سے زیادہ پسند کرتا ہے۔

(12) حضرت ابن جلاؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص فقیر کے مرتبہ پر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سبب پر نظر نہیں رکھتا۔ چنانچہ ایسے کو صوفی کہتے ہیں۔

(13) حضرت ابوسہل صعلوکیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف شکوہ شکایت کرنے سے ہٹ جانے کو کہتے ہیں۔

(14) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف اوقات کی حفاظت کرنے کا نام ہے اور وقت کی حفاظت یہ ہے کہ بندہ اپنی حدود کے سوا کسی اور چیز کی طرف نگاہ نہ رکھے۔ اپنے رب کے سوا کسی اور کے ساتھ موافقت نہ کرے۔ اپنے وقت کے سوا کسی اور کا ساتھ نہ دے۔

(15) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ باطن کا اللہ تعالیٰ سے جڑ جانا تصوف ہے۔ یہ کیفیت صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب حق کے ساتھ قائم رہنے کی وجہ سے اسباب سے بے تعلق ہو چکا ہو۔

(16) حضرت ابوالعباس ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے۔

(17) حضرت ابویعقوب سوسیؒ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو کسی چیز کے چھن جانے سے بے قرار نہ ہو اور نہ کسی چیز کی تلاش میں خود کو تھکائے۔

4 تصوف کی حقیقت

(1) اصطلاحات نے بعض اوقات حقائق کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ دنیا کے ہر علم میں اس نوع کی زیادتیوں کی ایک لمبی کہانی ہے۔ ان اصطلاحات کے بارے میں نئے نئے سوالات اور اعتراضات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ ان کی وجہ سے مختلف مکتب ہائے فکر وجود میں آجاتے ہیں اور لوگ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اگر ان اصطلاحات کو چھوڑ دیا جائے اور ماضی میں ان حقائق کے بارے میں استعمال ہونے والے سادہ الفاظ کو اپنا لیا جائے تو بڑی آسانی کے ساتھ اصل کیفیات کی ترجمانی کی جاسکتی ہے۔ انہی اصطلاحات میں سے ایک تصوف کی اصطلاح ہے جو لوگوں میں بہت رائج ہے۔ اس سلسلہ میں طرح طرح کے سوال کھڑے ہوئے اور بحث کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم ہو گیا۔

(2) اگر ہم تصوف کے لفظ کو چھوڑ کر جو دوسری صدی میں استعمال ہونا شروع ہوا، براہِ راست قرآن وحدیث اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف رجوع کریں اور کتاب وسنت کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید دین کے ایک شعبہ اور نبوت کے ایک اہم رکن کی طرف خاص طور پر توجہ دلاتا ہے اور اس کو تزکیہ نفس سے تعبیر کرتا ہے اور ان چار ارکان میں اس کو شامل کرتا ہے، جن کی تکمیل (پورا کرنا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت میں شامل تھی۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. (سورۃ الجمعہ، آیت: 2)

(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا، جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے)

(3) پاک کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسانی نفس کو اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کیا جائے اور برے اخلاق

(رذائل) سے پاک کیا جائے۔ جس کے شاندار نمونے اور مثالیں ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں نظر آتی ہیں اور جس کے نتیجے کے طور پر ایسا صالح، پاکیزہ اور مثالی معاشرہ وجود میں آیا، دنیا جس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، اس پاک کرنے کو مرتبہ احسان بھی کہتے ہیں۔

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور (آخرت میں) اللہ تعالیٰ کے ملنے پر اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں علیہم السلام پر ایمان لاؤ اور قیامت کا یقین کرو۔ پھر اس شخص نے کہا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور نماز پڑھو اور زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اس شخص نے کہا کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس خشوع اور خلوص سے کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ حالت نہ حاصل ہو کہ تم اس کو دیکھتے ہو تو خیال رہے کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے۔ (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:49)

(5) ہم جب دین پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو حصوں میں منقسم ہے:

(i) ایک کا تعلق افعال سے ہے، مثلاً قیام وقعود، رکوع وسجود، تلاوت وتسبیح، اذکار ودعائیں، احکام ومناسک وغیرہ۔

(ii) دوسرے حصہ کا تعلق ان باطنی کیفیات سے ہے جو ان افعال وحرکات کے ساتھ لازم وملزوم ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں افعال کے ساتھ نمایاں نظر آتی ہیں۔ ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص واحتساب، صبر وتوکل، زہد واستغنا، ایثار وسخاوت، ادب وحیا، خشوع وخضوع، انابت وتضرع (اللہ تعالیٰ کی طرف جھکاؤ)، دعا کے وقت دل شکستگی، دنیا پر آخرت کو ترجیح،

رضائے الٰہی اور دیدار الٰہی کا شوق اور اس طرح کی اور دوسری باطنی کیفیات اور ایمانی اخلاق سے کر سکتے ہیں۔

(6) احسان کے مسلمہ اصول ہیں، جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔ اگر اہل تصوف اس مقصد کے حصول کے لیے کسی خاص اور متعین راستے یا شکل پر اصرار نہ کرتے تو شاید اس مسئلہ میں آج سب یک زبان ہوتے اور اختلاف ہی باقی نہ رہتا۔

(7) ہر زمانہ میں ایسی طاقت ور شخصیتوں اور جامع کمالات دعوت دینے والے کی ضرورت رہی ہے جو مسلمانوں میں قرآن پاک کی تلاوت، کتاب وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کا کام کریں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے نمائندہ ہونے کا فرض انجام دیں اور امت مسلمہ کا رشتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جوڑ سکیں اور اس میثاق وعہد کی تجدید کریں جو کلمہ اور ایمان کے ذریعے ہر مسلمان نے کیا ہے اور اطاعت وفرمانبرداری، نفس اور شیطان کی مخالفت، اپنے معاملات میں اللہ پاک اور رسول ﷺ کی عدالت سے فیصلہ کرانے، طاغوت کے انکار اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ اور اس عہد کی تجدید کو اپنا شعار بنائیں جو انہوں نے رسول ﷺ سے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر ملک میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جو دین کو افراط وتفریط سے پاک کرتے رہے۔

(8) تزکیہ کی کوئی خاص لگی بندی اور متعین شکل نہیں، جس کا رواج عام ہے اور جس کا نام آخری دور میں تصوف پڑ گیا ہے۔ اہل تصوف ہر طرح کی غلط روی وغلط فہمی سے بری اور معصوم نہیں ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ اس خلا کو جو ہماری زندگی اور ہمارے معاشرے میں واقع ہو گیا ہے جلد از جلد پر کیا جائے اور تزکیہ واحسان کو پھر سے تازہ کیا جائے۔ جس طرح ہمارے اسلاف نے اس کو اپنے اپنے زمانہ میں تازہ کیا تھا اور یہ سب منہاج النبوت اور کتاب وسنت کی روشنی میں ہونا چاہیے۔ بہر حال ہر دور اور ہر جگہ جہاں بھی مسلمان بستے ہیں یہ کام انتہائی ضروری ہے۔ دراصل یہ خلا ایک بڑا خلا ہے اور ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے اثرات اور نتائج

بہت دوررس ہیں۔

(9) حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں علم قرآن، علم حدیث وفقہ وغیرہ جدا جدا نہ تھے بلکہ بعد کے زمانے میں قرآن مجید اور حدیث سے اخذ کر کے بہت سے علوم نکالے گئے اور ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ نام سے پکارا جانے لگا۔ ان علوم کے بنانے والوں کو سب نے امام مانا۔ بالکل اسی طرح تزکیہ نفس کی تعلیم دینے والے ایسے بزرگانِ دین گزرے ہیں کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے، جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، شیخ ابوبکر شبلیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ وغیرہ۔

(10) جس طرح دیگر علوم کا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک خاص نام ہو گیا جیسا کہ علم فقہ اور علم حدیث، اسی طرح مشائخ کرامؒ کے تزکیہ نفس کے طریقہ کا نام تصوف ہو گیا۔ اسی طرح جب کوئی مشائخ کرامؒ کے بتلائے طریقہ پر چلتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تصوف سیکھتا ہے یا صوفی ہے۔ صرف نماز روزہ ادا کرنے والے کو صوفی نہیں کہتے حالانکہ تزکیہ نفس میں یہ سب شامل ہیں۔ لہٰذا جیسا کہ علم تفسیر، علم حدیث اور فقہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح تزکیہ نفس یعنی تصوف کی بنیادی کتابیں بھی پڑھنی چاہییں۔ آج کل تصوف کو اسلام کے خلاف کہنا ایک فیشن سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ تصوف کی اصل اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھائے بغیر کامیابی نہیں مل سکتی۔

5 تصوف اکابرین امت کی نظر میں

(1) تصوف کے انکار اور اس کی تنقید کے سلسلے میں بعض حلقوں کی طرف سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ بے شک ان کی کتابوں میں تصوف کے بعض مسائل پر سخت تنقید ملتی ہے۔ اسی طرح وہ صوفیا کا سخت محاسبہ بھی کرتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تنقید کن صوفیا اور کس تصوف پر کی گئی ہے؟ کیا اس تصوف پر جو کتاب وسنت کا خلاصہ ہے؟ جس کی منزل رضائے الٰہی ہے؟ جس میں قدم قدم پر کتاب وسنت پر عمل کرنے کی

تاکید ہے؟ جس کی تعلیم حضرت حسن بصریؒ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت بشر حافیؒ، حضرت شقیق بلخیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سہل تستریؒ، حضرت ابوطالب مکیؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے دی ہے؟ جبکہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ ان صوفیائے کرامؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ اسلام کے مشائخ ہیں۔ ہدایت کے امام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی شکل میں امت کے اندر لسان صدق رکھ دیا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت ابوسلیمان دارانیؒ، حضرت احمد بن الحواریؒ اور حضرت سری سقطیؒ کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اکابر شیوخ الصالحین (وہ بہت نیک اور بڑے بزرگ تھے)۔

(2) حقیقت میں ناقدین کی غلط فہمی ہے کہ شیخ ابنِ تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ تصوف کے خلاف تھے بلکہ ان کو فلسفیانہ تصوف سے اختلاف تھا۔ فلسفیانہ تصوف کے بارے میں سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ فلسفیانہ تصوف کا مقصد الٰہیات کے متعلق حکیمانہ خیالات رکھنا اور فلاسفہ کی طرح خشک زندگی اختیار کر کے ان کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ اس فلسفیانہ تصوف کا ماخذ یونان کا اشراقی اور اسکندریہ کا افلاطونی سکول ہونا بعض قدیم مسلمان حکما کے نزدیک بھی مسلم تھا۔

(3) ان حوالوں سے واضح ہوتا ہے کہ فلسفیانہ تصوف، فلسفہ اشراق، جدید افلاطونی الٰہیات وغیرہ ایک ہی سرچشمہ کی دھاریں ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کو اسی فلسفیانہ تصوف سے اختلاف تھا اور اسی تصوف سے پیدا شدہ مسائل پر وہ تنقید کرتے تھے۔ خود ابنِ تیمیہؒ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے تصوف میں مسلمانوں کے طریقے کے مطابق گفتگو نہیں کی۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اہل طریقت میں سے گمراہ صرف وہ ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ کی پیروی کو طریقت میں ضروری نہیں سمجھتے۔ تمام علمائے حق نے اسی بدعتی طبقہ کی مخالفت کی ہے ورنہ جہاں تک صحیح تصوف اور اہل حق صوفیا کا معاملہ ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ ان کا اعتراف اور پورا پورا احترام کرتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ صوفیا میں بعض اہل فلسفہ

کے طریق پر ہیں اور ایک جماعت وہ ہے جو اہل حق کے مسلک اور سنت پر ہے۔ جیسے حضرت فضیل بن عیاضؒ اور تمام وہ لوگ جن کا ذکر امام ابوالقاسم قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں کیا ہے۔

(4) رسالہ قشیریہ میں ان صوفیائے کرامؒ کی تفصیل بڑی آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے۔ ابن تیمیہؒ ان کو مسلک اہل سنت پر مانتے ہیں اور یہی وہ حضرات ہیں کہ تحقیق کرنے والے صوفیائے کرامؒ آج بھی انہی کی راہ پر چلتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے مدارج السالکین میں صوفیائے کرامؒ کی ان کے احوال کے اعتبار سے چار قسمیں بیان فرمائی ہیں اور صوفیائے کرامؒ کی تعریف فرمائی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور امت کے دوسرے بڑے بڑے علما علم اور حال دونوں کے جامع تھے۔ جب اہل علم اور اہل حال میں تفریق ہوگئی اسی وقت سے تصوف میں نقص اور خلل پیدا ہوگیا۔ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر احسان فرمائے اور اس کے علم کو اس کا حال بنادے اور اس وصف کا متصف بنادے۔

(5) مدارج السالکین کے باب الذوق میں حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے ایمان کا دعویٰ کیا لیکن وہ صاحب ذوق نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اپنے کو مومن نہ کہو، مسلم کہو! پس یہ لوگ مسلمان ہیں، مومن نہیں۔ اس لیے کہ ایمان ان کے دل کے اندر رچا نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ صاحب ذوق نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں یا ان کے اعمال کے اجر میں کمی ہوگئی۔ البتہ صاحب ذوق کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔ ذوق ایک باطنی امر ہے اور عمل اس کا نشان ہے۔ پس اعمال علوم وعقائد کے ثمرات ہیں اور یقین سے جہاد اور احسان (تصوف) کے مقامات پیدا ہوتے ہیں۔

(6) حافظ ابن قیمؒ امام شافعیؒ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے صوفیائے کرامؒ کی صحبت اختیار کی اور ان کی دو باتوں سے بڑا نفع اٹھایا:

(i) وقت ایک تلوار ہے اگر اس کو نہ کاٹو گے تو وہ تمہیں کاٹ دے گا۔

(ii) اگر تم اپنے نفس کو حق میں مشغول نہ کرو گے تو وہ تمہیں باطل میں مشغول کردے گا۔

حافظ ابن قیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کتنے قیمتی فقرے ہیں اور اپنے کہنے والے کی عالی ہمتی کی دلیل ہے اور امام شافعیؒ کی یہ تعریف اس طبقہ صوفیا کی شان کے لیے کافی ہے۔

(7) حقیقت حال یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کا حوالہ دے کر صحیح تصوف کی مخالفت کرنا ہرگز انصاف نہیں ہے۔ ان بزرگان دین کی کتابوں کو پڑھنا اور دیکھنا چاہیے کہ وہ مسائل تصوف پر کیسی عالمانہ بحث فرماتے اور مشائخ کرامؒ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ درست اور غلط میں امتیاز کرتے ہیں۔ اگر فلسفیانہ تصوف کے سوا صحیح تصوف میں بھی کسی موقع پر انہوں نے اختلاف رائے ظاہر کیا ہے تو اس پر غور کرنا چاہیے کہ یہ اختلافات تصوف کے اصول و مقاصد سے ہیں یا فروع (فرع) میں۔ اس لیے تصوف کے نام پر آج بہت سی خانقاہوں اور مزاروں پر جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی بنا پر تصوف کو کلیتاً رد نہیں بلکہ صحیح اور غلط کے فرق کو پیش نظر رکھنا اور سمجھنا چاہیے۔

6 تصوف کے بارے میں بعض شبہات

(1) تصوف اور اس کے اعمال کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان کی دو بڑی اقسام ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(i) پہلی قسم ان شکوک و شبہات کی ہے جو رسمی خانقاہوں اور رسمی سجادہ نشینوں کو دیکھ کر پیدا ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو کتاب و سنت کی ادنیٰ سی بھی واقفیت ہے وہ معمولی غور و فکر کے بعد سمجھ لیتا ہے کہ یہ سب فریب اور حق سے بہت دور ہے۔

(ii) دوسری قسم ان شکوک و شبہات کی ہے جو علمی طور پر پیش آتے ہیں۔ اس قسم کے شبہات زیادہ تر ان لوگوں کے اذہان میں پیدا ہوتے ہیں جن کو نہ تو صوفیائے کرامؒ کی کتابیں پڑھنے کا کبھی موقع ملا ہے نہ اپنے زمانہ کے صحیح علما سے سابقہ۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف فلسفہ اشراق، جدید افلاطونی الٰہیات اور ہندو جوگ سے اخذ کیا گیا ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

(2) فلسفہ اشراق اور ہندو جوگ میں چند ریاضتوں اور مجاہدوں کے علاوہ کیا ہے؟ وہ انہی مجاہدوں

اور محنتوں کو اصل مقصد جانتے ہیں اور اس کے برعکس ہمارے صوفیائے کرامؒ ان ریاضتوں اور مجاہدوں کو جن کے ساتھ اتباعِ شریعت نہ ہو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ (شیخ احمد سرہندی) فرماتے ہیں: وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی پیروی سے الگ ہو کر اختیار لیے جائیں، معتبر نہیں ہیں۔ اس لیے کہ جوگی، ہندوستان کے برہم چاری اور یونان کے فلسفی بھی ایسی ریاضتیں کرتے ہیں اور یہ ان کی گمراہی میں اضافہ کے سوا اور کچھ نہیں کرتیں۔

(3) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اپنی کم فہمی کی بنا پر خیال کرتے ہیں کہ شریعت اور طریقت مختلف ہیں۔ جبکہ طریقت حقیقت میں شریعت پر پابندی کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ جہاں تک دل کی صفائی کا سوال ہے تو وہ کفار کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ قلب کی مثال آئینہ کی سی ہے۔ گدلے آئینہ کو عرقِ گلاب سے بھی صاف کیا جا سکتا ہے اور ناپاک پانی سے بھی۔ لیکن فرق صرف نجاست اور طہارت کا ہے۔ ولی اللہ کو پہچاننے کے لیے اتباعِ سنت کسوٹی ہے۔ سنت کی پیروی کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے اور سنت کے خلاف کرنے والا فضول و بیہودہ ہے۔ جہاں تک خرق عادات (خلافِ عقل واقعات) کا تعلق ہے، وہ تو دجال سے بھی ظاہر ہوں گے۔

(4) تصوف کی اولین اور مشہور کتابوں پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابوں میں توحید اور اس کے احوال، اتباعِ سنت، عبادات کی خشوع و خضوع کے ساتھ ادائی، معاملات کی صفائی اور تصفیہ اخلاق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ بے شک تصوف کی بعض کتابوں میں کچھ ایسے مضامین بھی آ گئے ہیں جن سے طبیعت کو وحشت ہوتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ مضامین تصوف کے اصول و مقاصد سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اگر کسی کو کوئی خلافِ شریعت بات نظر آئے تو ان کی وہی حیثیت سمجھنی چاہیے جو کتب تفسیر میں اسرائیلیات [۱] یا کتب احادیث میں موضوعات (جھوٹی) کی ہے۔

۱۔ تورات، زبور اور انجیل مقدس سے حاصل شدہ قصص

(5) تصوف اور اس کے اعمال واشغال کے متعلق جوشکوک وشبہات ہیں ان کا سب سے آسان حل یہ ہے کہ خود صوفیائے کرامؒ کی تعلیمات اور عمل ہی سے انہیں حل کر لیا جائے اور سوچا جائے کہ تصوف شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل کے سوا اور کیا چاہتا ہے؟

(6) حضرت مجددالف ثانیؒ، ملا محمد لاہوریؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ شریعت کے تین حصے ہیں: علم، عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تینوں اجزا درست نہ ہوں، شریعت درست نہیں ہو سکتی۔ جب شریعت درست ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے جو کہ دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے بالاتر ہے۔ طریقت وحقیقت جس سے صوفیا کرامؒ سرفراز ہوئے ہیں، دونوں اخلاص کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں۔ پس طریقت وحقیقت کی تحصیل صرف شریعت کی تکمیل کے لیے کی جاتی ہے۔ طریقت وحقیقت کی منزلوں کے طے کرنے کا مقصد تحصیل اخلاص کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اخلاص ہی سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے۔

(7) مندرجہ بالا ارشادات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تصوف اخلاص ویقین کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ اخلاص ویقین کے مطالبہ سے قرآن مجید اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھرے پڑے ہیں۔ تصوف کے اعمال واشغال اس اخلاص ویقین کی تحصیل کے ذرائع ووسائل کے متعلق ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت کی وجہ سے ان وسائل وذرائع کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی جو بعد کے لوگوں کو پیش آئی۔ وہاں نبوت کا آفتابِ عالم تاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھا۔ وہ شمع کی فکر میں کیوں پڑتے؟

(8) اب تصوف کے ان اعمال واشغال کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے جن کی ضرورت عہدِ نبوت سے دوری اور ماحول کی ناسازگاری کے باعث متاخرین کو پیش آئی۔ اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ ان اعمال واشغال میں دو چیزیں ذکر وفکر بنیادی ہیں اور یہ دونوں چیزیں شرعی ہیں۔ بحث جو کچھ ہے وہ ذکر وفکر کے طریقوں اور قیود میں ہے؛ تو سمجھ لینا چاہیے کہ ذکر وفکر کے یہ طریقے صرف تدبیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرامؒ

کے نفع بخش اشغال کی حیثیت دوا اور معالجہ کی سی ہے کہ ضرورت کے وقت سالک ان سے کام لے اور بعد میں پھر اپنے کام میں مشغول ہو جائے۔

(9) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تصوف کی اگر واقعتاً اتنی اہمیت ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق اور اس کے اعمال و اشغال کے متعلق صاف صاف احکام کیوں نہیں دیے؟ یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی چیز دین میں اس قدر ضروری ہو کہ ایمان و اسلام کی تکمیل اس پر موقوف ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو اس کی تعلیم نہ دی ہو؟ بات دراصل یہ ہے کہ تصوف کا جو مقصد ہے اور جو اس کی غایت اور غرض ہے (اللہ تعالیٰ کی محبت وخشیت) اور یقین و استحضار اور اخلاص و احسان جیسی کیفیات کا حاصل کرنا) سو اس کی تو دین میں اہمیت ہے اور یقیناً ایمان و اسلام کی تکمیل اس پر موقوف ہے اور بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ اپنی امت کو اس کی تعلیم اور ترغیب بھی دی ہے۔ جہاں تک تصوف کے خاص اعمال و اشغال کا تعلق ہے تو یہ اس کے صرف وسائل اور ذرائع ہیں اور اس قسم کے ذرائع اور وسائل کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ تعلیم اور شریعت کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی وضاحت اور تعین نہ کیا جائے تاکہ ہر زمانہ کے حالات کے مطابق جو جائز ذرائع اور وسائل مناسب سمجھے جائیں انہیں اختیار کیا جا سکے اور اس میں تصوف کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ دین کے دوسرے شعبوں کا بھی یہی حال ہے۔

(10) جب ہم تصوف کی بات کرتے ہیں تو عام طور پر ذہن میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت وخشیت اور اخلاص و احسان وغیرہ ایمانی کیفیات پیدا کرنے کے لیے تصوف میں جن اعمال و اشغال (مثلاً صحبت شیخ اور اذکار و مراقبات وغیرہ) پر زور دیا جاتا ہے، کیا کتاب و سنت میں کہیں اس کا اشارہ ملتا ہے کہ ان چیزوں سے یہ کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں؟ صحبت شیخ اور ذکر و فکر کا قلوب پر اثر انداز ہونا قرآن وسنت سے صراحتاً ثابت ہے:

عَنْ حَنْظَلَةَ الْأُسَيِّدِيِّ، قَالَ: لَقِيَنِي أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ: كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قَالَ:

قُلْتُ: نَافَقَ حَنْظَلَةُ. قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُولُ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَكُونُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ حَتّٰى كَأَنَّا رَأْيُ عَيْنٍ. فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ، فَنَسِينَا كَثِيرًا. قَالَ أَبُو بَكْرٍ: فَوَاللّٰهِ إِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا.
فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ: نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَمَا ذَاكَ"؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكُونُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ حَتّٰى كَأَنَّا رَأْيُ عَيْنٍ، فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِينَا كَثِيرًا. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنْ لَوْ تَدُومُونَ عَلٰى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي، وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ، وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2465)

(حضرت حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اے حنظلہ رضی اللہ عنہ تم کیسے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا ہے۔ انہوں نے کہا سُبْحَانَ اللّٰهِ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں گویا کہ ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ہم بیویوں اور اولاد اور زمینوں وغیرہ کے معاملات میں مشغول ہوجاتے ہیں اور ہم بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہمارے ساتھ بھی اسی طرح معاملہ پیش آتا ہے۔ حضرت حنظلہ اسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چلے یہاں تک کہ ہم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حنظلہ رضی اللہ عنہ تو منافق ہوگیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: کیا وجہ ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپ ﷺ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں گویا کہ ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں اور اولاد اور زمین کے معاملات وغیرہ میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ رہو جس حالت میں میرے پاس ہوتے ہو، ذکر میں مشغول ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کریں اور راستوں میں بھی۔ لیکن اے حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک ساعت یاد کی ہوتی ہے اور دوسری غفلت کی اور آپ ﷺ نے تین بار یہی فرمایا)

(11) ایک عام خیال یہ ہے کہ تصوف دراصل رہبانیت اور گوشہ نشینی کا نام ہے اور اس کی تائید کرنا دراصل رہبانیت کو اسلام میں داخل کرنا ہے۔ یہ بھی ان ہی باتوں میں سے ایک ہے جو اس سلسلہ میں بے سوچے سمجھے کہی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں دراصل خود ان کے دل میں تصوف کے ایک غلط معنی بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ اپنی اسی غلط فہمی کی بنا پر صوفی صرف ان ہی لوگوں کو سمجھتے ہیں جو رہبانیت پسند اور گوشہ نشینی اختیار کیے ہوتے ہیں۔ پھر اپنے اسی تصور کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ تصوف رہبانیت کا نام ہے اور ہر صوفی راہب ہی ہوتا ہے۔ اگر ہم خود اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں اور تصوف کے لیے رہبانیت اور گوشہ نشینی کو ضروری نہ سمجھیں تو اس دور میں بھی ایسے بہت سے بندگانِ خدا دیکھے جا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سچے صوفی بھی ہیں اور مردِ میدان بھی۔ مگر بات وہی ہے کہ جو گوشہ نشین نہ ہو، ہم انہیں صوفی مان ہی نہیں سکتے۔ اس کا علاج تو خود اپنے علم اور تصوف کے مفہوم کی اصلاح سے ہی ہو سکتا ہے۔

7 اہل تصوف اور دینی جدوجہد

(1) حضرت شیخ ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں: یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سرفروشی وجاں بازی، جہاد وقربانی اور تجدید و انقلاب و فتح وتسخیر کے لیے جس روحانی وقلبی قوت، جس وجاہت و شخصیت، جس اخلاق وللّٰہیت، جس جذب وکشش اور جس حوصلہ وہمت کی ضرورت ہے، وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائی باطن، تہذیب نفس، ریاضت وعبادت کے بغیر نہیں پیدا ہوتی۔ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ جنھوں نے اسلام میں مجددانہ یا مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیئے ہیں، ان میں سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے۔ ان آخری صدیوں پر نظر ڈالیے، امیر عبدالقادر الجزائریؒ، سید احمد شریف السنوسیؒ (امام سنوسیؒ) اور امام شاملؒ کو آپ اس میدان کا مرد پائیں گے۔

(2) اس لیے اگر غیر جانبداری سے اسلام کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو ہر مجاہدانہ تحریک کے سرے پر ایک ایسی شخصیت نظر آتی ہے، جس نے اپنے حلقہ مجاہدین میں یقین ومحبت کی روح پھونک دی تھی۔ اپنے یقین ومحبت کو ہزاروں انسانوں تک منتقل کر کے ان کے لیے آسانی اور راحت طلبی کی زندگی دشوار اور پامردی وشہادت کی موت آسان اور خوشگوار بنا دی تھی۔ اس لیے انہوں نے اتنی جدوجہد کی جتنی کوئی مرنے والا زندہ رہنے کے لیے کرتا ہے۔ یہی وہ امام وقت ہے، جس کے متعلق علامہ محمد اقبالؒ نے کہا ہے:

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئنے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے

(3) خوشگوار حالات میں قوموں کی قیادت کرنے والے، فتح وکامیابی کی حالت میں لشکروں کو لڑانے والے ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔ اس کے لیے کسی غیر معمولی یقین والی شخصیت کی

ضرورت نہیں۔لیکن مایوس کن اور انتہائی مشکل حالات میں صرف وہی مردِ میدان حالات سے کشمکش کی طاقت رکھتے ہیں۔ جو اپنے خصوصی تعلق باللہ اور قوت ایمانی کی وجہ سے خاص یقین وعشق کے مالک ہوں۔ چنانچہ جب بھی مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے تاریک دن آئے کہ ظاہری علم وقوت مقابلہ نے جواب دے دیا اور حالات کی تبدیلی ناممکن معلوم ہونے لگی تو کوئی صاحبِ یقین و صاحب عشق میدان میں آیا۔ اس نے اپنی جرات رندانہ اور کیفیت عاشقانہ سے زمانے کا بہتا ہوا دھارا بدل دیا۔

(4) تاتاریوں کا ایک سال کے عرصہ میں وسیع اسلامی دنیا پر چھا جانا اور عالم اسلام کو بزور طاقت فتح کر لینا کوئی عجیب واقعہ نہیں۔ اس لیے کہ ساتویں صدی میں عالم اسلام ان بیماریوں اور کمزوریوں کا شکار تھا جو عام طور پر تہذیب اور سلطنت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ اس کے مقابلہ پر تاتاری تازہ دم، جفاکش، دیہاتی زندگی اور قتل و غارت گری کے عادی تھے۔ لیکن عجیب واقعہ اور تاریخ کا معمہ یہ ہے کہ اپنے انتہائی عروج کے زمانے میں یہ وحشی قوم اپنے مفتوح اور بے دست و پا مسلمان کے دین کی حلقہ بگوش بن گئی۔ جو ہر قسم کی مادی وسیاسی طاقت کھو چکا تھا۔ جن کو تاتاری سخت ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پروفیسر سرٹامس آرنلڈ تعجب کا اظہار کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اسلام اپنی گذشتہ شان وشوکت کے خاکستر سے دوبارہ اٹھا اور واعظین اسلام نے انہی وحشی مغلوں کو، جنہوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھایا تھا کو مسلمان کر لیا۔ یہ ایسا کام تھا جس میں مسلمانوں کو سخت مشکلیں پیش آئیں کیونکہ دو بڑے مذہب اس کوشش میں تھے کہ تاتاری ان کے حلقہ بگوش بن جائیں۔ وہ حالت بھی عجیب و غریب اور دنیا کا بے مثل واقعہ ہوگی جس وقت بدھ مذہب اور عیسائی مذہب اور اسلام اس جدوجہد میں ہوں گے کہ ان وحشی اور ظالم مغلوں کو اپنا حلقہ بگوش بنائیں۔

(5) تاتاریوں نے جب کم وبیش تمام عالم اسلام کو پامال کر کے رکھ دیا۔ جلال الدین خوارزم شاہ کی واحد اسلامی سلطنت اور عباسی خلافت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوگیا۔ تمام عالم اسلام پر مایوسی

چھا گئی۔تا تاریوں کی شکست ناممکن چیز سمجھی جانے لگی۔ یہ مثال زبان وادب کا جز بن گئی کہ اگر کوئی کہے کہ تا تاریوں نے شکست کھائی تو کبھی یقین نہ کرنا۔اس وقت کچھ صاحب یقین مردان خدا تھے جو مایوس نہیں ہوئے اور اپنے کام میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ تا تاری سلاطین کو مسلمان کر کے صنم خانہ سے کعبہ کے لیے پاسباں مہیا کر دیے۔علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

(6) خوارزم میں تا تاریوں کے خلاف جدوجہد کرنے والوں میں صوفی بزرگ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے نام کو ہمیشہ یادرکھا جائے گا جو حضرت عمار یاسر بدلیسیؒ کے شاگرد تھے اور خوارزم میں رہتے تھے۔آپؒ سلسلہ کبرویہ کے بانی تھے۔آپؒ نے تا تاریوں کے خلاف ایک لمبے عرصے تک جدوجہد جاری رکھی اور بالآخر ایک جنگ میں شہید ہو گئے۔حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے خلیفہ حضرت سیف الدین بھارزیؒ نے چنگیز خان کے پوتے برکے خان کو مسلمان کیا۔

(7) ہندوستان میں اکبر کے دور میں ساری سلطنت کا رخ الحاد و لادینیت کی طرف ہو گیا۔ ہندوستان کا عظیم ترین بادشاہ ایک وسیع وطاقتور سلطنت کے پورے وسائل کے ساتھ اسلام کا امتیازی رنگ مٹانا چاہتا تھا۔اس کو اپنے وقت کے لائق ترین افراد اس مقصد کی تکمیل کے لیے حاصل تھے۔سلطنت میں ضعف و بڑھاپے کے کوئی آثار نہ تھے کہ کسی فوجی انقلاب کی امید کی جا سکے،علم وظاہری قیاسات کسی خوشگوار تبدیلی کے امکان کی تائید نہیں کرتے تھے۔اس وقت ایک درویش بےنوا نے تن تنہا اس انقلاب کا بیڑا اٹھایا اور اپنے یقین وایمان،عزم وتوکل اور روحانیت وللٰہیت سے سلطنت کے اندر ایک ایسا اندرونی انقلاب شروع کیا کہ سلطنت مغلیہ کا ہر جانشین اپنے سے پہلے کی نسبت بہتر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اکبر کے تخت سلطنت پر محی الدین اورنگ زیبؒ نظر آیا۔اس انقلاب کے بانی امام طریقت حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ تھے۔

(8) 1813ء میں جب داغستان پر روسیوں کا قبضہ ہوا تو ان کا مقابلہ کرنے والے نقشبندی شیوخ تھے۔ جنہوں نے علم جہاد بلند کیا اور اس کا مطالبہ اور جدوجہد کی کہ معاملات شریعت کے مطابق ہوں اور قوم کی جاہلانہ عادات کی اصلاح کی جائے۔ امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں کہ اس جہاد کے علمبردار داغستان کے علما اور سلسلہ نقشبندیہ کے شیوخ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حقیقت کو عام مسلمانوں سے پہلے سمجھ لیا تھا کہ بہت بڑا نقصان ان حکام سے پہنچتا ہے، جو عہدہ واقتدار، عیش ولذت کے لالچ میں قوم فروشی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ سمجھ کر انہوں نے ملکی حکام اور ان کے حامی روسیوں کے خلاف علم آزادی بلند کیا۔ اس تحریک کے قائد غازی محمدؒ تھے جن کو روسی غازی ملّا کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ 1832ء میں غازی محمدؒ شہید ہوئے تو ان کے جانشین حمزہ بےؒ ہوئے۔ اس کے بعد امام شاملؒ نے مجاہدین کی قیادت سنبھالی، جو بقول امیر شکیب امیر عبدالقادر الجزائریؒ کے طرز پر تھے۔ امام شاملؒ نے 25 برس تک روس سے مقابلہ جاری رکھا اور مختلف معرکوں میں ان پر زبردست فتح حاصل کی۔ روسی ان کی شوکت اور شجاعت سے مرعوب تھے۔ بعد میں وہ گرفتار ہوئے اور ملک بدر کر دیے گئے۔

(9) انیسویں صدی عیسوی میں جب عالم اسلام پر انگریزوں نے یورش کی تو ان کے مقابلہ میں عالم اسلام کے ہر علاقہ سے جو مجاہد سر پر کفن باندھ کر میدان میں آئے وہ اکثر و بیشتر شیوخِ طریقت اور اصحاب سلسلہ بزرگ تھے۔ جن کے تزکیہ نفس اور سلوک نے ان میں دین کی حمیت، کفر کی نفرت، دنیا کی حقارت اور شہادت کی موت کی قیمت دوسروں سے زیادہ پیدا کر دی تھی۔ الجزائر میں امیر عبدالقادرؒ نے فرانسیسیوں کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا اور 1832ء سے لے کر 1847ء تک نہ خود چین سے بیٹھے اور نہ فرانسیسیوں کو بیٹھنے دیا۔ مغربی مؤرخین نے ان کی بہادری، عدل وانصاف، نرمی ومہربانی اور علمی قابلیت کی تعریف کی ہے۔ یہ مجاہد عملاً صوفی تھا۔ امیر شکیب ارسلان نے انہیں ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے: امیر عبدالقادرؒ مستند عالم وادیب عالی دماغ اور بلند پایہ صوفی تھے۔ صرف نظری طور پر نہیں بلکہ عملاً اور ذوقاً بھی

صوفی تھے۔تصوف میں ان کی ایک کتاب المواقف ہے۔ وہ اس سلسلہ کے یکتائے روزگار لوگوں میں سے تھے اور ممکن ہے کہ متاخرین میں ان کا متبادل دستیاب نہ ہو سکے۔ وہ اپنے قیام دمشق کے دوران روزانہ فجر کو اٹھتے ۔صبح کی نماز اپنے گھر کے قریب کی مسجد میں پڑھتے ،سوائے بیماری کی حالت کے کبھی اس میں ناغہ نہ ہوتا۔تہجد کے پابند تھے۔ رمضان میں حضرات صوفیہ کے طریقہ پر ریاضت کرتے۔

(10) تصوف و جہاد کی جامعیت کی درخشاں مثال سید احمد الشریف السنوسیؒ کی ہے۔ اطالیوں نے طرابلس کی فتح کے لیے پندرہ دن کا اندازہ لگایا تھا۔نوآبادیاتی جنگ کا تجربہ رکھنے والے انگریز قائدین نے اس پر تنقید کی اور کہا کہ یہ اطالویوں کی ناتجربہ کاری ہے۔ممکن ہے کہ اس مہم میں تین مہینے لگ جائیں۔لیکن نہ پندرہ دن نہ تین مہینے،اس جنگ میں پورے تیرہ سال لگ گئے اور اطالوی پھر بھی اس علاقہ کو مکمل طور پر سر نہ کر سکے۔ یہ سنوسی درویشوں اور ان کے شیخ طریقت سید احمد الشریف السنوسیؒ کی مجاہدانہ جدوجہد تھی،جس نے اطالیہ (Italy) کو پندرہ سال تک اس علاقے میں قدم نہیں جمانے دیا۔امیر شکیب ارسلان نے لکھا ہے کہ سنوسیوں کے کارنامہ نے ثابت کر دیا کہ طریقہ سنوسیہ ایک پوری حکومت کا نام ہے بلکہ بہت سی حکومتیں بھی ان خصوصیات کی مالک نہیں ہیں جو سنوسی رکھتے ہیں۔خود سید احمد الشریف السنوسیؒ کے متعلق ان کے الفاظ ہیں: مجھے سید سنوسیؒ میں غیر معمولی صبر و ثابت قدمی دکھائی دی جو کم لوگوں میں دیکھی۔ایک طرف اپنے تقویٰ اور عبادت کے لحاظ سے اگر وہ اپنے زمانے کے ابدالوں میں شمار ہونے کے قابل ہیں تو دوسری طرف شجاعت کے لحاظ سے دلیرانِ زمانہ کی صف میں شامل ہونے کے مستحق ہیں۔امیر شکیب ارسلان نے صحرائے اعظم افریقہ کی سنوسی خانقاہ کی جو تصویر کھینچی ہے وہ بڑی دل آویز اور سبق آموز ہے، یہ خانقاہ سید احمد شریفؒ کے چچا اور شیخ المہدی کے زیر انتظام واحۃ الکفرہ میں واقع تھی۔افریقہ کا یہ سب سے بڑا روحانی مرکز جہادی تربیت گاہ بھی تھا۔امیر شکیب لکھتے ہیں: سید مہدی صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقشِ قدم پر

تھے۔ وہ عبادت کے ساتھ بڑے عملی آدمی بھی تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ قرآنی احکام حکومت و اقتدار کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتے اس لیے وہ اپنے برادران طریقت اور مریدین کو ہمیشہ شہسواری، نشانہ بازی کی مشق کی تاکید کرتے رہتے۔ جمعرات کا دن دستکاری اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے کے لیے مقرر تھا۔ اس دن اسباق بند ہو جاتے، مختلف پیشوں اور صنعتوں میں لوگ مشغول ہوتے، کہیں تعمیراتی کام ہو رہا ہوتا، کہیں نجاری، کہیں لوہاری، کہیں پارچہ بافی، کہیں وراقی کا مشغلہ نظر آتا۔ اس دن جو شخص نظر آتا وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتا دکھائی دیتا۔ خود سید مہدیؒ بھی پورے مشغول رہتے تاکہ لوگوں کو عمل کا شوق ہو۔ سید مہدیؒ اور ان سے پہلے ان کے والد ماجد کو زراعت اور درخت لگانے کا بڑا اہتمام تھا۔ اس کا ثبوت ان کی خانقاہوں میں موجود باغات ہیں۔ وہ طلباء اور مریدین کو پیشوں اور صنعتوں کا شوق دلاتے اور ایسے جملے فرماتے جن سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی اور وہ اپنے پیشوں اور صنعتوں کو حقیر نہ سمجھتے اور نہ ان میں علما کے مقابلہ میں احساس کمتری پیدا ہوتا۔ فرماتے! کیا یہ کاغذوں والے (یعنی علما) اور تسبیحوں والے (یعنی ذاکرین صوفیا) سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں سبقت لے جائیں گے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ ہم سے کبھی سبقت نہیں لے جا سکتے۔

(11) عالم اسلام پر سید جمال الدین افغانیؒ کی شخصیت و دعوت نے جو اثر ڈالا ہے وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نئی دنیائے اسلام کے معماروں میں ہیں۔ سید جمال الدین افغانیؒ سرتاپا دعوت و عمل اور ایک شعلہ جوالہ تھے۔ انہوں نے افغانستان سے لے کر ترکی تک تمام عالم اسلام میں حمیت اسلامی کی روح اور اتحاد اسلامی کا صور پھونکا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے سوز دروں اور گرمی نفس میں اور ان کی بے چین طبیعت اور مسلسل جد و جہد میں ان کے ذکر قلبی اور باطنی بیداری کو بھی دخل ہے۔ جس کے بغیر اکثر آدمی مسلسل محنت اور مخالفتوں میں مایوس کن حالات کا ہمیشہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہی حال ان کے شاگرد رشید اور دست راست شیخ محمد عبدہؒ کا ہے، جو تصوف کے

لذت آشنا اور اس کوچہ سے واقف تھے۔ (۱)

(12) محمد احمد بن سید عبداللہ مہدی سوڈانیؒ، سوڈان کی ایک معروف شخصیت ہیں جنہیں ملک میں تحریک اسلامی کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ انگریزوں اور مصریوں کی جارحیت کے خلاف جہاد اور شریعت اسلامی کے نفاذ کے باعث دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ مہدی سوڈانیؒ تاریخ اسلام کی ممتاز شخصیت ہیں۔ وہ صرف ایک سیاسی رہنما اور ایک حکومت کے بانی ہی نہیں تھے بلکہ ایک مصلح بھی تھے۔ انہوں نے جامع ازہر میں تعلیم پائی اور وہیں ان کی ملاقات جمال الدین افغانیؒ سے ہوئی۔ آپؒ نے باقاعدہ تصوف کی منزلیں طے کیں اور تمام زندگی اسلامی احکامات کی سختی سے پابندی کرتے رہے۔ 1880ء میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد آپؒ سلسلہ سمانیہ کے سربراہ منتخب ہوئے۔ آپؒ نے کئی سال دریائے نیل کے ایک جزیرے میں رہائش اختیار کی اور یہیں سے اپنی تحریک چلائی۔ یہ تحریک 29 جون 1881ء میں اس وقت شروع ہوئی جب مہدیؒ نے سوڈان کے ممتاز لوگوں کو کتاب وسنت کی بالادستی قائم کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اس پر زور دیا کہ اس مقصد کے لیے لوگوں کو جان و مال کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ پس اس کے بعد سوڈان کے مصری حکام اور مہدیؒ کے حامیوں میں جھڑپیں شروع ہوگئیں جو بالآخر مہدیؒ کی فتح پر ختم ہوئیں۔ مہدی سوڈانیؒ کے پیروکار درویشوں نے دو سال کے اندر اندر تقریباً پورے سوڈان پر قبضہ کر کے انگریز حکمرانوں کو بے دخل کر دیا۔

مہدی سوڈانیؒ نے کامیابی حاصل کر کے نیل کے مغربی کنارے پر خرطوم کے بالمقابل ام درمان کے شہر کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ حکومت سنبھالتے ہی انہوں نے اصلاحات نافذ کرنا شروع کر دیں۔ نئے سکے ڈھالے گئے اور جن لوگوں کو سابق حکومت نے ناجائز طور پر زمینوں

۱۔ شیخ ابوالحسن علی ندویؒ اپنی کتاب تزکیہ واحسان کے ص: 121 پر فرماتے ہیں کہ مجھ سے قاہرہ میں مصر کے مشہور فاضل و مصنف ڈاکٹر احمد امین بے نے خود اس کا تذکرہ کیا، جنہوں سید جمال الدین افغانیؒ کا زمانہ پایا تھا اور شیخ محمد عبدہؒ کے درس میں شریک ہوئے تھے۔

سے بے دخل کر دیا تھا انہیں ان کی زمینیں واپس کر دی گئیں۔ مہدی سوڈانیؒ نے اسلامی تعلیمات کے خلاف پھیلنے والی رسوم کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ شراب ونشہ آور اشیا کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا۔ عورتوں کو پردے کی ہدایت کی گئی۔ شادی بیاہ پر فضول اخراجات سے روکا گیا اور جہیز پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ آپؒ کو سوڈان کی تحریک بیداری کا پیشرو مانا جاتا ہے۔ ام درمان میں آپؒ کا مزار آج بھی سوڈانی مسلمانوں کی جائے عقیدت ہے۔

(13) برصغیر میں تصوف اور جدوجہد کا ایسا عجیب امتزاج و اجتماع ملتا ہے، جس کی نظیر دور دور تک ملنی مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں سید احمد شہیدؒ کی شخصیت بہت جامع تھی۔ ان کے تربیت یافتہ اشخاص کے جوش جہاد، شوق شہادت، محبت دینی کے واقعات قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ جب کبھی ان کے مفصل حالات سامنے آئیں گے تو اندازہ ہوگا کہ یہ اول صدی کا ایک بچا ہوا ایمانی جھونکا تھا جو تیرھویں صدی ہجری میں چلا تھا اور جس نے دکھا دیا کہ ایمان، توحید اور صحیح تعلق باللہ اور راہ نبوت کی تربیت و سلوک میں کتنی قوت اور کیسی تاثیر ہے اور بغیر صحیح روحانیت اور اصلاح کے جاں نثاری کی امید غلط ہے۔ سید صاحبؒ کے جانشینوں میں مولانا سید نصیر الدینؒ اور مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ، سید صاحبؒ کی یاد تازہ کرتے تھے۔ مولانا یحییٰ علیؒ اور مولانا احمد اللہ صادق پوریؒ دینی جدوجہد اور مصائب پر صبر کرنے میں امام احمد بن حنبلؒ کی یاد تازہ کرتے تھے۔ وہ کبھی گھوڑے کی پیٹھ پر، کبھی انبالہ کے پھانسی گھر میں، کبھی جزیرہ انڈمان میں محبوس نظر آتے ہیں۔ دوسرے وقت وہ سلسلہ مجددیہ و سلسلہ محمدیہ میں لوگوں کی تربیت و تعلیم میں مشغول دکھائی دیتے ہیں۔

(14) ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کی قربانیاں اگر ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور اہل صادق پور کی جدوجہد اور قربانیاں دوسرے پلڑے میں رکھی جائیں تو شاید اہل صادق پور کا پلڑا بھاری رہے۔ ان حضرات کے بعد بھی اہل سلسلہ اور اصحاب ارشاد دینی جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ کے کام سے فارغ اور گوشہ گیر نظر نہیں آتے۔ شاملی کے میدان میں حضرت حاجی امداد اللہ

مہاجر مکیؒ، حضرت حافظ ضامنؒ، مولانا محمد قاسمؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ انگریزوں کے خلاف صف آرا نظر آتے ہیں۔ حضرت حافظ ضامنؒ شاملی کے میدان میں ہی شہید ہو گئے۔ حاجی صاحبؒ کو ہندوستان سے ہجرت کرنی پڑی۔ مولانا نانوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ کو عرصہ تک گوشہ نشین رہنا پڑا۔ مولانا محمود حسنؒ انگریزوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرتے ہیں اور ہندوستان کو ان کے وجود سے پاک کر کے ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں خدا تعالیٰ کی حاکمیت ہو۔ ان کی بلند ہمتی ان کو ترکی سے تعلقات قائم کرنے اور ہندوستان وافغانستان وترکی کو ایک سلسلہ جدوجہد میں منسلک کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ریشمی خطوط اور انور پاشا سے ملاقات، مالٹا کی اسیری ان کی عالی ہمتی اور قوت عمل کا ثبوت ہے۔

(15) معاصر دینی تحریکوں میں الاخوان المسلمون کی تحریک سب سے زیادہ طاقتور اور منظم تحریک ہے اور عرب دنیا کے لیے وہ احیائے دین اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی واحد تحریک ہے۔ اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا زندگی سے پورا ربط ہے اور ممالک عربیہ کی عمومی زندگی پر اس نے بڑا گہرا اور محسوس اثر ڈالا ہے۔ اس کے بانی شیخ حسن البناء مرحومؒ کی شخصیت بڑی مؤثر، دل آویز اور ہمہ گیر تھی۔ وہ سرتاپا عمل اور مجسم جدوجہد تھے، نہ تھکنے والے، نہ مایوس ہونے والے، نہ پست ہونے والے سپاہی اور داعی تھے۔ ان کی ان خصوصیات میں ان کی روحانی نشوونما اور سلوک کو بڑا عمل دخل تھا۔ انہوں نے اپنی خودنوشت سوانح میں لکھا ہے کہ طریقہ حصافیہ شاذلیہ میں بیعت تھے اور باقاعدہ اس کے اذکار واشغال کی تربیت لی تھی۔ ان کے خواص اور معتمدین نے بیان کیا کہ وہ زندگی کے آخری مصروف ترین دنوں میں بھی اپنے اذکار کے معمول کے مطابق پابند رہے۔ اخوان کی پانچویں موتمر میں انہوں نے اخوان کی تحریک کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی تعریف میں حسب ذیل جملے کہے تھے: ایک ایسی جماعت جس میں سلف کی دعوت، اہل سنت کا طریقہ، تصوف کی حقیقت، سیاست، ورزش، علم وثقافت، اقتصادی تعاون اور اجتماعی فکر جمع ہیں۔

(16) ترکی میں دینی جدوجہد کرنے والے صوفی بزرگ سعید نورسیؒ کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا

جا سکتا۔ انہوں نے بروقت مسلمانوں کو سیکولر اور مادیت کے خطرے سے باخبر کیا اور اس کے خلاف پوری زندگی اپنی کوشش جاری رکھی۔ ان کوششوں کے دوران آپؒ کو کئی دفعہ قید و بند اور جلاوطنی کی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ حتیٰ کہ وفات کے بعد ان کی قبر کا نشان بھی مٹا دیا گیا۔

8 تصوف کی اصلاح

(1) عصر حاضر میں اسلام کے روحانی پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔ انسانیت روحانیت کی تلاش میں ہے۔ نئی مسلم نسل اسلام کی ظاہرداری سے نالاں ہے۔ وہ اسلام کی روح چاہتی ہے۔ عام طور پر اسلام کے روحانی پہلو کو تزکیہ نفس یا تصوف کہتے ہیں۔

(2) اسلام کا اصل مقصد بندے کو اس کے رب سے جوڑنا ہے۔ اس کا کچھ حصہ ظاہری شریعت (قانون) سے متعلق ہے اور کچھ حصہ باطنی اخلاقیات یا روحانیات سے جسے تصوف بھی کہا جاتا ہے۔ شریعت بنیادی فریم ورک عطا کرتی ہے تاکہ انسان بھٹکنے سے بچ جائے۔ لیکن زیادہ اخلاقی ترقی کا دارومدار انسان کی اپنی روحانی طلب پر ہے۔ جتنی طلب ہوگی اتنی ہی زیادہ ترقی ہوگی۔ تصوف روحانی طلب و ترقی سے بحث کرتا ہے۔

(3) صوفیا نے اللہ تعالیٰ سے خوف کی بجائے محبت کا درس دیا ہے۔ ان کے نزدیک سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 54 مشعل راہ ہے کہ خدا ان کو محبوب رکھتا ہے اور وہ خدا کو محبوب رکھتے ہیں۔ خدا سے محبت پر زور دینے کی وجہ سے انہوں نے خدا کی مخلوق سے بھی محبت کا درس دیا۔ بابا فرید گنج شکرؒ کا مشہور قصہ علامتی طور پر مفید ہے۔ ان کے ایک مرید کہیں سفر سے آئے تو وہاں کی سوغات کے طور پر قینچی لائے۔ آپؒ نے فرمایا کہ تم میرے لیے کاٹنے کی چیز لائے ہو۔ اگر تحفہ لانا ہی تھا تو سوئی دھاگہ لاتے کہ وہ جوڑنے کے کام آتا ہے۔ صوفیا کی یہی خصوصیت دین کی اشاعت کا سبب بنی۔ اس محبت کے درس کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں رقابت کم ہوگئی۔ اس میل جول سے لوگ اسلام سے متاثر ہوئے اور اسلام میں داخل ہوئے۔

(4) مشہور انگریزی شاعر Leigh Hunt نے 1834ء میں حضرت ابوبن ادھمؒ کے حوالے سے

اس مسئلہ پر خوبصورت نظم لکھی ہے۔ جس میں اس بات کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کرنے والوں سے اللہ پاک محبت کرتا ہے۔

Abou Ben Adhem

Abou Ben Adhem - may his tribe increase-
Awoke one night from a deep dream of peace,
And saw, within the moonlight in his room,
Making it rich , and like a lily in bloom,
An Angel writing in a book of gold
Exceeding peace had made Ben Adhem bold,
And to the presence in the room he said:
What writest thou? The vision raised its head
And with a look made all of sweet accord,
Answered, The Names of those who love the Lord
And is mine one? said Abou. Nay, not so,
Replied the Angel. Abou spoke more low,
But cheerly still, and said, I pray thee then,
write me as one who loves his fellow men.
The Angel wrote, and vanished, The next night
It came again, with a great wakening
light, And showed the names whome
love of God had blest,
And lo! Ben Adhem's name led all the rest.

حضرت ابو بن ادھمؒ

اللہ تعالیٰ اس کی جماعت کی تعداد بڑھائے
اک روز گہری نیند سے بیدار ہوا
اور چاند کی روشنی سے اپنے حجرے کو منور دیکھا
اس کا حجرہ چنبیلی کی کلیوں کی طرح بھرا ہوا تھا
اک فرشتہ سنہری کتاب میں لکھ رہا تھا
پُر سکون ماحول نے ابو بن ادھمؒ کی ہمت بندھائی
اور حجرے میں موجود فرشتے سے پوچھا
تم کیا لکھ رہے ہو؟ فرشتے نے سر اٹھایا
اور آپؒ پر محبت بھری نگاہ ڈالی
اور جواب دیا،ان لوگوں کے نام جو خدا سے محبت کرتے ہیں
ابو بن ادھمؒ نے پوچھا: کیا ان میں میرا نام بھی ہے؟
فرشتے نے جواب دیا کہ نہیں
ابو بن ادھمؒ نے دھیمی لیکن خوشی کی آواز میں کہا
میں تم سے گزارش کرتا ہوں
میرا نام ان میں لکھ لو جو اس کے بندوں سے محبت کرتے ہیں
فرشتے نے لکھا اور غائب ہوگیا
فرشتہ اگلی رات پھر آیا
اب وہ نیند سے بیدار کر دینے والی روشنی کے ساتھ آیا
اور ان کو وہ نام دکھائے جن کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی سند ملی تھی
اور اس فہرست میں ابو بن ادھمؒ کا نام سب سے اوپر تھا

(5) ہمارے ہاں تصوف اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے اللہ پاک کی کائنات و انسانیت سے تعلق بڑھانے کی بجائے ترک دنیا کا سبق دینے لگا۔ حالانکہ اصل تصوف دنیا کے بے اعتدالانہ استعمال کے ترک کی تعلیم دیتا تھا۔ اس غلط تصوف کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم دنیا پر اضمحلال (سستی) طاری ہونے لگا۔ علامہ محمد اقبالؒ کے بقول مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سقوطِ بغداد کے بعد غلط تصوف کا حصہ ہے۔

(6) جس زمانے میں مغرب میں علوم فطرت سے ترقی ہو رہی تھی ہم لذت سکر میں جیتے رہے۔ ہم مجموعی طور پر عالمی عمل سے بیگانہ رہے۔ ہمارے تصوف نے کائنات میں غور فکر کی بجائے خواب اور کشف پر زور دیا۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ صوفیوں نے براہ راست لوگوں سے کہا کہ تم سائنس سے دور رہو بلکہ غلط صوفیانہ تصورات سے ہمارے اندر جو مزاج پیدا ہوا وہ غیر سائنسی تھا بلکہ ضد سائنس تھا۔ سائنس انسان کو خارجی مظاہر قدرت کی طرف مائل کرتی ہے۔ ہم نے ساری توانائیاں باطن کی طرف موڑ دیں اور باطن کا سفر کہیں ختم نہ کیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کچھ سفر طے کر کے باہر کی طرف رخ کر لیتے اور تسخیر ذات کے بعد تسخیر کائنات میں لگ جاتے۔ جس طرح بوعلی سینا ایک بلند پایا صوفی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے طبیب اور سائنسدان بھی تھے۔

(7) یونان کی اشراقیت (Plotinus کا فلسفہ) اور ہندو رہبانیت کے زیر اثر تصوف فکر و عمل کا ایک گورکھ دھندا بن کر رہ گیا جو بہت حد تک اسلام کی سادہ روحانی تعلیمات سے مطابقت نہ رکھتا تھا۔ دین و دنیا اور روح و مادہ کے اس حسین توازن کے خلاف تھا جو اسلام کا مقصود تھا۔ میری رائے میں ان غلط تعلیمات کے دو بہت بڑے نقصان ہوئے۔ ایک تو اسلام متحرک و عملی دین کی بجائے چلہ کشی و مردم بیزاری کی طرف چلا گیا۔ دوسرے دین کی سماجی، سیاسی اور معاشی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی بجائے شیخ کی طرف بلایا جانے لگا۔ دین کی عطا کردہ اجتماعیت کی بجائے ذاتی عرفان، کشف، مراقبہ جیسے انفرادی اعمال کیے

جانے لگے۔ دین نے تو عبادت و دعا کو بھی اجتماعی عمل بنایا تھا۔ ہم نے اس کو حجرہ تک بلکہ جنگلوں تک محدود کر دیا۔ اس سے سماج ٹوٹنے لگا۔ اجتماعیت کمزور پڑ گئی۔ روحانیت ذاتی فعل بن گیا۔ اس کی اجتماعیت ختم ہوگئی۔ اجتماعیت کی قوت نہ ہونے کی وجہ سے روحانی و نفسی مسائل بڑھنے لگے۔ عبادت کا مقصد اس وقت صحیح طور پر پورا ہوتا ہے جب اس کو اجتماعی طور پر کیا جائے۔ اس لیے نماز باجماعت، جمعہ کی نماز، عیدین اور سالانہ حج پر زور دیا گیا ہے۔

(8) علامہ محمد اقبالؒ نے صحیح کہا ہے کہ عبادت اجتماعی شکل میں زیادہ بہتر نتائج دیتی ہے۔ اصل عبادت ایک سماجی عمل ہے۔ اسلام انفرادی نماز کی بجائے نماز باجماعت اور سالانہ حج پر اس لیے زور دیتا ہے کہ عبادت ایک عالمگیر عمل بنتا جائے۔

The real object of prayer, however, is better achieved when the act of prayer becomes congregational. The spirit of all true prayer is social. With Islam, however, this socialization of spiritual illumination through associative prayer is a special point of interest. As we pass from the daily congregational prayer to the annual ceremony round the central mosque of Mecca, You can easily see how the Islamic institution of worship gradually enlarges the sphere of human association.

انفرادی سطح پر عجیب وغریب نفسیاتی مسائل سامنے آنے لگے۔ مست ملنگ، ننگ دھڑنگ ولایت کا دعویٰ کرنے لگے۔ لوگ انہیں غیر معمولی قوتوں کا حامل سمجھنے لگے۔ جذب و کیف میں صوفی لوگ عجیب وغریب ارشادات فرمانے لگے۔ زندگی کے عملی حقائق سے کٹ کر ذاتی عمودی ترقی کے غلط تصور میں پڑ گئے۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کا قول قابل توجہ ہے کہ

محمدؐ عربی برفلک الافلاک رفت و باز آمد
واللہ گرمن رفتمے، ہرگز باز نیامدے

(حضرت محمد ﷺ معراج میں آسمانوں پر گئے اور واپس آ گئے)
(خدا کی قسم! اگر میں وہاں جاتا تو ہرگز واپس نہ آتا)

علامہ محمد اقبالؒ کے بقول نبی علیہ السلام اور صوفی کے شعور میں یہی فرق ہے۔ صوفی روحانی تجربے کے بعد پھر عام حالت میں واپس نہیں آنا چاہتا۔ مگر نبی علیہ السلام واپس آتے ہیں اور انسانیت کے لیے فلاح لاتے ہیں۔ وہ اس تجربے سے واپس آ کر تاریخ کی قوتوں کو اپنے قابو میں کرتے ہیں اور فکر و نظر کی ایک نئی دنیا تخلیق کرتے ہیں۔ صوفی کے لیے روحانی تجربہ اس کی معراج ہے۔ انتہا ہے۔ نبی علیہ السلام کے لیے صرف ایک سیکھنے کا عمل ہے۔ بیداری کا عمل ہے۔

Muhammad of Arabia ascended the highest Heaven and returned. I swear by God that if I had reached that point, I should never have returned. These are the words of a great Muslim saint, Abd al-Quddus of Gangoh. In the whole range of Sufi literature it will be probably difficult to find words which, in a single sentence, disclose such an acute perception of the psychological difference between the prophetic and the mystic types of consciousness. The mystic does not wish to return from the repose of Unitary experience; and even when he does return, as he must his return does not mean much for mankind at large. The prophet's return is creative. He returns to forces of history, and thereby to create a fresh world of ideals. For the mystic the repose of unitary experience is something final; for the prophet it is the awakening, within him, of world-shaking psychological forces, calculated to completely transform the human world. The desire to see his

religious experience transformed into a living world-force is supreme in the Prophet.

(حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند ترین آسمان پر تشریف لے گئے اور واپس پلٹ آئے۔ خدا کی قسم! اگر میں وہاں جاتا تو کبھی واپس نہ آتا۔ یہ الفاظ عظیم صوفی بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے ہیں۔ غالباً پورے صوفیانہ ادب میں پیغمبرانہ ادراک اور صوفیانہ شعور میں موجود واضح نفسیاتی فرق کو ایک جملے میں ادا کرنے کی کوئی اور نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔ صوفی نہیں چاہتا کہ وہ اس واردات اتحاد کی لذت اور سکون سے واپس لوٹے اور جب وہ کبھی لوٹتا ہے اور اسے واپس لوٹنا پڑتا ہے۔ اس کی واپسی نوع انسانی کے لیے کوئی بڑا مفہوم نہیں رکھتی۔ نبی علیہ السلام کی واپسی تخلیقی ہوتی ہے۔ وہ اس سے لوٹتا ہے تاکہ زماں کی قلمرو میں داخل ہو اور تاریخ کی قوتوں کو قابو میں رکھتے ہوئے مقاصد کی تازہ دنیا تخلیق کرے۔ صوفی کے لیے اتحاد لذت اس کی آخری منزل ہے مگر نبی علیہ السلام کے لیے یہ تجربہ اپنے آپ میں دنیا کو ہلا دینے والی نفسیاتی قوتوں کو بیدار کرنے کا عمل ہے۔ جس سے عالم انسانیت کو مکمل طور پر تبدیل کیا جا سکے۔ یہ خواہش کہ اس کا مذہبی تجربہ ایک زندہ عالمگیر قوت میں تبدیل ہو جائے، نبی علیہ السلام میں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے)

(9) ہمارے ہاں صوفیا عام طور پر روحانی تجربے میں مصروف ہو گئے۔ بہت کم لوگوں نے نبوت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس دنیا میں واپس آ کر تخلیق و تعمیر کی۔ عام صوفیا کی عمودی ترقی سے انسانیت کو عمومی طور پر فائدہ نہ ہوا۔ وہ اسے افقی اثر نہ دے سکے۔ اس لیے انسانی صلاحیتوں کا تاریک غار بن گئے۔ معتزلہ کی غیر ضروری عقلیت کے جواب میں ہم نے صوفیت کے وجدان کو لا کھڑا کیا جس سے ایک غیر عقلی اور توہماتی رویے نے جنم لیا۔

(10) عقل علم کا واحد ذریعہ نہ تھا لیکن وحی کے ساتھ ساتھ عقل لازم ہے۔ وحی بھی عقل کو خطاب کرتی ہے۔ ہم نے عقلیت کے خلاف روحانی تجربے کو لا کھڑا کیا۔ کشف، الہام اور وجدان کو علم کا اصل ذریعہ سمجھ لیا۔ عقل اور علم کے خلاف باتیں کرنے لگے۔ صوفیا نے جو بات ایک خاص انداز میں ایک خاص وجہ سے کہی وہ ہم نے عمومی اصول بنا لیا۔ حضرت فریدالدین عطارؒ نے

فرمایا ہے کہ

صد ورق و صد کتاب را در نار کن
روئے دل را جانب دلدار کن
(سینکڑوں صفحے اور سینکڑوں کتابیں آگ میں ڈال دیں)
(اور اپنے دل کا رخ اپنے محبوب کی طرف کر لیں)

اس طرح کی عارفانہ گفتگو سے ہم نے غلط نتیجہ نکالا۔ ہم نے ایک غیر عقلی رویہ اپنا لیا۔ علم سے دور رہنے لگے۔ جس کے نتیجے میں تصوف نے ایک غیر علمی اور غیر عقلی شکل اختیار کر لی۔ جس کے سبب کم علم صوفیا غیر اسلامی نظریات کا شکار ہو گئے۔ وہ جاہلیت کے حملوں کو نہ سمجھ سکے۔ رام اور رحیم کو، کرما اور کریم کو ایک سمجھنے لگے۔

اس غلط صوفیانہ سوچ سے ایک بہت بڑا نقصان ذات کی نفی کی صورت میں سامنے آیا۔ جس سے شخصی آزادی اور ارتقا رک گیا۔ صوفی نے اپنی ذات کو شیخ میں فنا (فنا فی الشیخ) کرنا تھا۔ پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں فنا (فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور پھر خدا کی ذات میں فنا (فنا فی اللہ) کرنا تھا۔ اس نفسیاتی سوچ نے وحدت الوجود (Pantheism) کو جنم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ بن جائیں گے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس فنا کی سوچ کے غلط اور منفی نقصانات کو سمجھا۔ اس فنا کے بعد بقا کو اپنایا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنی ذات کو گم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اللہ پاک کے رحم و کرم پر ہوتے ہوئے اپنی ذات کا تشخص قائم رکھا۔ ذات کا یہ قیام انسانی ترقی کا بنیادی لازمہ ہیں۔ جب تک انسان اپنی ذات کو آگے نہیں لائے گا۔ وہ کوئی بھی تخلیقی عمل نہیں کر سکتا۔ یہی ہمارے ساتھ ہوا۔ بڑے بڑے ذہن تصوف کی اس غلط تعبیر کی نذر ہو گئے۔ حیوانی صفات کو ضبط کرنے کی بجائے ان کو فنا کرنے پر تل گئے۔ غیر ضروری عاجزی نے اعتماد ذات ہی ختم کر دیا۔ خودی میں ڈوب کر باہر نہ نکل سکے۔ علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(11) میرے ایک پیارے اور نیک دوست نے ایک بار مجھے پورے اعتماد میں لے کر بتایا کہ ان کے پیر صاحب بہت عبادت گزار تھے۔ انہوں نے ایک ٹہنی پکڑ کر کئی سال ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر عبادت کی۔ مجھ سے ہضم نہ ہوا اور میں نے عرض کیا کہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام بھی فرماتے تھے۔ کام بھی کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری رات عبادت سے منع فرمایا ہے۔ سارا سال روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ہمیں اعتدال کا سبق دیا ہے۔

(12) ہمیں اس تصوف کو غیر اسلامی اور غیر انسانی نظریات سے پاک کرنا ہوگا۔ روحانیت اللہ پاک کی ذات عالی کی حضوری اور حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا نام ہے۔ ہمیں نبوی مزاج اپنانا ہوگا۔ انسانوں میں رہتے ہوئے اعلیٰ اخلاق و روحانی واردات رکھتے ہوئے عمومی فلاح کے لیے کام کرنا ہوگا۔ روحانی تجربے اور نفسیاتی بیماریوں میں فرق کرنا ہوگا۔ انسانیت سے محبت کرنا ہوگی۔ عاجزی پیدا کرنا ہوگی۔ دین کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنا ہوگا۔ اجتماعیت میں انفرادیت ڈھونڈنا ہوگی۔ نیلے پیلے رنگوں اور نفسیاتی خوابوں سے نجات پانا ہو گی۔ طریقت کو شریعت کے تابع کرنا ہوگا۔

9 مقامات کا مفہوم

(1) مقامات مقام کی جمع ہے۔ لفظ مقام اقامت کے معنی میں ہے۔ مقام سے مراد سالک کا وہ درجہ ہے جو اسے عبادات اور مجاہدات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ. (سورۃ ابراہیم، آیت:14)

(یہ اس کے لیے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور میں نے عذاب کا جو حکم

سنا یا ہے اس سے خوف کرے)

(2) متقین کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف قسم کی کیفیات کا ورود ہوتا رہتا ہے۔ اصحاب تصوف ان میں سے بعض کو احوال کا نام دیتے ہیں اور بعض کو مقامات کا۔ دراصل جب کوئی حال ثابت ہو جائے اور سالک کی زندگی کا لازمی جز بن جائے تو اس کو مقام کہتے ہیں۔ ان مقامات کے حصول کے لیے انسان کو نفسانی خواہشات اور شیطان کے وساوس سے بچنے کے لیے مجاہدات کی ضرورت ہوتی ہے۔

(3) نفس کو بدکرداری اور پرہیزگاری دونوں باتوں کا القا کیا گیا ہے اور نفس کی یہ حالت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ یعنی اس کا بدی کا جذبہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہو جائے، اس پر نور ایمان قابض ہوتا ہے۔ وہ انسان نفس کو زیر کر لیتا ہے اور اللہ پاک اس کے گھٹیا احوال کو عمدہ احوال سے بدل دیتا ہے۔ نفس کو اس طرح سے جو مستقل کمالات حاصل ہوتے ہیں وہ اس کے مقامات کہلاتے ہیں۔

(4) مقام صوفی کے آداب کی وہ منزل ہوتی ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے حاصل کرتا ہے۔ جسے وہ تلاش کر کے اور مشقت سے حاصل کرتا ہے۔ ہر ایک کا مقام وہی جگہ ہوتی ہے جہاں اس وقت اس کا قیام ہوتا ہے اور جس کی ریاضت میں وہ مشغول ہے۔ جب تک وہ اس مقام کے احکام حاصل نہیں کر لیتا، وہ اس مقام سے دوسرے مقام پر نہ پہنچے گا۔ اس لیے کہ جسے قناعت حاصل نہیں، اس کے لیے توکل سیکھنا مشکل ہے۔ جو توکل نہیں کر سکتا اس کی تسلیم و رضا درست نہیں ہوگی۔ جس کی توبہ ثابت نہیں، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ممکن نہیں اور جو رجوع سے خالی ہے، اس کے زہد کا اعتبار نہیں ہوگا۔

(5) حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اعمال علوم و عقائد کے ثمرات ہیں۔ یقین سے جہاد اور احسان (تصوف) کے مقامات پیدا ہوتے ہیں۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ مقام سے مراد ادب کی وہ منزل ہے جو محنت، مشقت اور برداشت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ امام شعرانیؒ فرماتے ہیں

کہ مقام انسان کو زہد، توبہ، تقویٰ اور ورع سے حاصل ہوتا ہے اور حال کا درجہ مقام سے پہلے ہے۔ حال رفتہ رفتہ مقام کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بندہ مقام کو اس وقت حاصل کرتا ہے جب حال دوام حاصل کر لے۔ شیخ ابو نصر طوسیؒ فرماتے ہیں کہ مقام کا معنی بندے کا اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عبادات، مجاہدات اور ریاضت کا بجالانا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ مقامات محنت اور کوشش سے حاصل ہوتے ہیں اور احوال عطائے خداوندی سے۔

(6) دراصل جب انسان اپنے اختیار و ارادہ سے کوئی اچھا یا برا کام کرتا ہے تو وہ عمل وجود میں آنے کے بعد ختم نہیں ہوتا بلکہ انسان کے نفس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ یعنی دل اس سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ اسے انسان کے نفس کی کیفیت کہتے ہیں۔ پھر جب وہ کیفیات عارضی ہوتی ہیں تو انہیں احوال اور جب دل میں قرار پکڑتی اور راسخ ہو جاتی ہیں تو انہیں مقامات کہتے ہیں۔ یوں تو سالک کے بے شمار مقامات ہیں البتہ کچھ مقامات معروف اور انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(i) **مقام توبہ:** توبہ گناہ کے کاموں سے اللہ پاک کی اطاعت کی طرف پلٹنے کا نام ہے۔

(ii) **مقام تقویٰ:** تقویٰ گناہوں کے ساتھ ساتھ شک وشبہ والے کاموں سے بچنا ہے۔

(iii) **مقام زہد:** انسان کا خود کو نفسانی خواہشات سے پاک کر کے عبادت الٰہی کے لیے خاص کر لینا زہد کہلاتا ہے۔

(iv) **مقام صبر:** صبر کا مطلب ہے کہ انسان اپنے نفس کو شریعت کی حرام کردہ چیزوں سے باز رکھے اور مشکلات میں ثابت قدم رہے۔

(v) **مقام رضا:** رضا کا مطلب ہے کہ انسان اپنی کوشش کے بعد تقدیر کے جاری ہونے پر زبان یا دل سے اعتراض نہ کرے۔

(vi) **مقام توکل:** توکل سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی روزمرہ زندگی کے معاملات میں اپنی طرف

سے پوری کوشش کرنے کے بعد نتائج کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔

(vii) **مقام صدق:** سالک کے مقام صدق سے مراد گفتگو، کردار اور احوال میں سچ بولنا ہے۔

(viii) **مقام شکر:** جب بندہ محسوس کرتا ہے کہ وہ تمام مادی اور روحانی نعمتیں جو اس کو حاصل ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا جذبہ ابھرتا ہے، یہی شکر گزاری ہے۔

(ix) **مقام تواضع:** تواضع سے مراد انسان کا اپنے آپ کو دوسروں سے چھوٹا یا عاجز سمجھنا، دوسروں کی تعظیم وتکریم کرنا، حقوق العباد کا خیال رکھنا، دوسروں کے حقوق کو اپنے حقوق پر مقدم رکھنا اور تکبر کو ترک کرنا ہے۔

(x) **مقام سخاوت:** سخاوت کا مطلب ہے کہ انسان اپنے مال کو اللہ پاک کی رضا وخوشنودی کے لیے خرچ کرے۔

(xi) **مقام ذکر:** ہر وہ بات جس سے اللہ پاک کی یاد آئے، ذکر کہلاتی ہے۔

(xii) **مقام اخلاص:** اخلاص سے مراد یہ ہے کہ انسان زندگی میں جو بھی عمل کرے اور جس سطح اور جس شکل کی بھی عبادت کرے، اس کا دل اس بات پر مطمئن ہو کہ میں یہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں۔

(7) احوال، حال کی جمع ہے۔ صوفیائے کرامؒ کے نزدیک حال ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو سالک کے دل پر چھا جاتی ہے یا نفس میں پیدا ہوتی ہے اور اس میں انسانی ارادہ اور کوشش کا دخل نہیں ہوتا مثلاً کیفیت خوشی، غم، دل کی بندش، شوق، بے قراری، ہیبت اور احتیاج وغیرہ۔ سالک جب ذکر وفکر کے ذریعہ اللہ پاک کی طرف سفر شروع کرتا ہے تو اسے کچھ عارضی کیفیات پیش آتی ہیں جو احوال کہلاتی ہیں۔ یوں تو سالک کے بے شمار احوال[1] ہیں البتہ کچھ احوال معروف اور انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جو حسب ذیل ہیں:

---

[1]۔ احوال کی تفصیل کے لیے دیکھیے مصنف کی کتاب: احوال

(1)استغراق، (2)استقامت، (3)اطمینان، (4)انابت، (5)انس، (6)بوادہ وہجوم، (7)بیم ورجا، (8)تجلی وستر، (9)تسلیم ورضا، (10)تصرف وتاثیر، (11)تلوین، (12)تمکین، (13)تواضع، (14)جذب، (15)جمع وفرق، (16)حضور وغیاب، (17)حیا، (18)حیرت، (19)خشیت، (20)خواطر وہواجس، (21) ذکر، (22)ذہاب، (23)ذوق وشوق، (24)رقت، (25)سخا، (26)شکر، (27) صبر، (28)صحووسکر، (29)فتوت، (30)فناوبقا، (31)قبض وبسط، (32)قرب، (33)کشف وشہود، (34)محبت، (35)مراقبہ، (36)مشاہدہ، (37)ملامت، (38)وجد، (39)وصول الی اللہ اور(40)یقین۔

(8) مقامات اگرچہ روحانی کیفیات اور اعمال ہیں مگر ان میں کمی وبیشی سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ مقامات اصل نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم ﷺ کی محبت و اطاعت کے حصول کے ذرائع ہیں۔ یہ ذرائع انسان کو وہ ذہنی وعملی کیفیت حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے انسان سے تقاضا کیا ہے۔ مقامات کی غلط تفہیم مسائل پیدا کرتی ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد
محبت میں یکتا، حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

1

مقام توبہ

1 توبہ کا مفہوم

(1) توبہ کے معنی رجوع کرنا اور پلٹ آنا ہے۔ شریعت کے منع کردہ کاموں سے جن کاموں کا شریعت نے حکم دیا ہے، کی طرف پلٹ آنا توبہ ہے۔ یعنی گناہ کے راستے سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف پلٹنے کا نام توبہ ہے۔

انسان اگر اپنے پروردگار سے محبت کرتا ہے تو پھر وہ اس کی پسند و ناپسند کے معاملے میں بے پروا نہیں ہوسکتا۔ توبہ دراصل کسی کمزوری کی وجہ سے اللہ پاک کی پسند سے ہٹ جانے کے بعد شدید پشیمانی کا احساس، اپنے رب کے حضور معافی کی درخواست اور اس ارادے کا اظہار ہے کہ وہ پھر کبھی خدا تعالیٰ کے ناپسندیدہ کام کو نہیں کرے گا۔

(2) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توبہ کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(i) فَإِنَّ التَّوْبَةَ مِنَ الذَّنْبِ النَّدَمُ وَالِاسْتِغْفَارُ. (مسند احمد، ج:9، رقم الحدیث:6191)

(گناہ سے توبہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے گناہ پر پشیمان ہو اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے)

(ii) التَّوْبَةُ مِنَ الذَّنْبِ أَنْ يَتُوبَ مِنْهُ ثُمَّ لَا يَعُودَ فِيهِ.

(مسند احمد، ج:2، رقم الحدیث:2303)

(گناہ سے توبہ یہ ہے کہ انسان توبہ کرنے کے بعد دوبارہ وہ گناہ نہ کرے)

(3) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کچھ خاص الفاظ کے ورد کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی اصل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر شدید پشیمانی اور پروردگار عالم کی ناراضی کا خوف ہے۔ انسان جس سے جتنی زیادہ محبت کرتا ہے، اس کے دل میں اس کو خوش کرنے کی اتنی ہی زیادہ تمنا ہوتی ہے اور اس کی ناراضی مول لے لینے پر وہ اتنا ہی زیادہ پشیمان اور شرمندہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے توبہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے تعلق کی تجدید کا اظہار ہے۔

(4) اس دنیا میں انسان کی آزمائش کے لیے جو قانون کارفرما ہے، اس میں یہ تو بہت مشکل ہے کہ انسان غلطیوں اور خطاؤں سے اپنے آپ کو پوری طرح سے پاک کر لے۔ بہرحال انسان سے کبھی جانتے ہوئے یا کبھی انجانے میں غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی کامیابی کے لیے یہ ضروری قرار نہیں دیا کہ وہ غلطی نہ کرے بلکہ انسان کی کامیابی کے لیے جو بات اس نے لازم ٹھہرائی ہے، وہ یہ ہے کہ جب کبھی وہ کوئی غلطی، کوئی گناہ یا خطا کرے اور اسے اپنی اس غلطی کا احساس ہو جائے تو وہ توبہ کا راستہ اختیار کرے۔

(5) توبہ کرنے والوں کی تین اقسام ہیں

(i) وہ جو گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔

(ii) وہ جو غفلتوں سے توبہ کرتے ہیں۔

(iii) وہ جو اپنی نیکیوں پر نگاہ رکھنے سے توبہ کرتے ہیں۔

(6) توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان جب غلطی کو یاد کرے تو اس کا دل شرمندہ ہو جائے۔ گناہ چھوڑ دے۔ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے اور حال میں بری خواہشات کو قابو میں رکھے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ توبہ کے لیے ضروری ہے کہ پھر گناہ نہ کرنے کا عزم ہو لیکن بعض کا کہنا یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں۔ ہمارے خیال میں آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ لازم ہے کیونکہ عزم توبہ کا مقدمہ ہے اور توبہ کے قبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس گناہ کا نقش بالکلیہ ذہن سے ختم ہو جائے۔

2 قرآن پاک میں توبہ کا بیان

توبہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں توبہ کرنے کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے اور توبہ نہ کرنے والوں کو ظالم قرار دیا ہے کیوں کہ وہ اللہ پاک کی صفت رحمان سے روگردانی کر کے اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر وقت معاف کرنے اور بخش دینے پر تیار رہتا ہے۔

توبہ کی اہمیت کے پیشِ نظر درج ذیل قرآنی آیات کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے:

(1) اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ.

(سورۃ ہود، آیت:3)

(اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ وہ تم کو وقت مقرر تک اچھا سامان (زندگی) دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔ اگر تم لوگ جھٹلاتے رہے تو مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ بھی ہدایات فرمائی ہیں کہ

(i) وہ اپنے رب سے معافی مانگا کریں اور توبہ کیا کریں۔ مغفرت کا تعلق پچھلے گناہوں سے ہے اور توبہ کا تعلق آئندہ گناہ نہ کرنے سے ہے۔ درحقیقت صحیح توبہ یہی ہے کہ پچھلے گناہوں پر شرمندہ ہوکر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی جائے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کیا جائے۔

(ii) توبہ واستغفار کرنے والوں کو دنیا وآخرت کی کامیابی اور عیش وراحت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ جن لوگوں نے صحیح طور پر اپنے پچھلے گناہوں سے استغفار کیا اور آئندہ ان سے بچنے کا پکا ارادہ اور پورا اہتمام کیا تو نہ صرف ان کی خطائیں بخش دی جائیں گی بلکہ ان کو دنیا اور آخرت کی دائمی (ہمیشہ رہنے والی) زندگی میں عیش وراحت کا سامان بھی مہیا کیا جائے گا۔

(iii) استغفار وتوبہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ رزق کی وسعت اور سہولت عطا فرماتا ہے۔ مشکلات اور عذابوں سے حفاظت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کرم کرتا ہے۔ فضل کرتا ہے۔ انعام عطا فرماتا ہے۔

(iv) توبہ نہ کرنے والوں کو قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ قیامت کا دن اپنی وسعت کے اعتبار سے ایک بڑا دن (ایک ہزار سال کا) ہوگا۔ اس دن پیش آنے والے حالات کے اعتبار سے بھی قیامت کا دن سب دنوں سے سخت ہوگا۔

(v) انسان کے اعمال، انعام کے شوق اور سزا کے خوف سے متاثر ہوتے ہیں۔ توبہ کے باب میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور آخرت کے عذاب کو اسی لیے بیان کیا گیا ہے کہ یہ فضل اور

عذاب توبہ کرنے کی وجہ بنتے ہیں۔

(2) تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (سورۃ النور، آیت:31)

(اے مومنو! تم سب مل کر اللہ پاک سے توبہ کرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ)

اس آیت کریمہ میں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی ہدایت کی گئی ہے۔ انسان کمزور ہے اور غلطی کا پتلا ہے۔ اس لئے کوتاہیوں سے بچنا اس کے لئے بہت مشکل ہے۔ توبہ و استغفار سے گناہوں کی صفائی کا سامان کرنے کا راستہ بتایا دیا گیا ہے۔ اللہ پاک سے قبولیت اور کامیابی کی امید کے ساتھ توبہ کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی کرم کرنے والا ہے۔ یہی راستہ اور طریقہ کار حقیقی کامیابی کا راستہ ہے۔

(3) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا. (سورۃ التحریم، آیت:8)

(اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو)

اس آیت کریمہ میں انسان کو ایسی خالص توبہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس میں ریا اور نفاق کا شائبہ تک نہ ہو۔ انسان خود اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور گناہ سے توبہ کر کے خود کو برے انجام سے بچالے۔ گناہ سے اس کے دین میں جو شگاف پڑ گیا ہے، توبہ کے ذریعہ سے اس کی اصلاح کر لے۔ سچی توبہ کر کے اپنی زندگی کو اتنا سنوار لے کہ دوسروں کے لیے وہ نصیحت کا سبب ہو اور اس کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس کی طرح اپنی اصلاح کر لیں۔ جب انسان سے کوئی گناہ ہو جائے تو اپنے گناہ پر شرمندہ ہو، پھر شرمندگی کے ساتھ اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ آئندہ کبھی اس کام کو نہ کرے۔ انسان کی سچی اور خالص توبہ میں درج ذیل چیزیں ہونی چاہیں:

(i) جو گناہ کیا ہے اس پر شرمندہ ہو۔

(ii) جن فرائض سے غفلت برتی ہو، ان کو ادا کیا جائے۔

(iii) جس کا حق مارا ہو، اس کو واپس کیا جائے۔

(iv) جس کو تکلیف پہنچائی ہو، اس سے معافی مانگی جائے۔

(v) آئندہ کے لیے پکا ارادہ کیا جائے کہ اس گناہ کو دوبارہ نہ کرے گا۔

(vi) اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا دیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت عادت بن جائے۔

(4) اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ.
(سورۃ البقرہ، آیت: 160)

(مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں اور ظاہر کر دیں (جواب تک چھپاتے رہے) تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہوں)

اس آیت کریمہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اتنا بڑا کہ سچی توبہ پر وہ زندگی بھر کے گناہوں کو بالکل معاف کر دیتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی بڑے اور کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ انسان کے گناہ آسمان کی بلندیوں کو بھی چھو رہے ہوں تو سچے دل سے توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ اگر انسان کے گناہ زمین کے برابر بھی ہوں (مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو) تو سچی توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ گناہ معاف فرما دیتا ہے بلکہ ثواب سے بھی نوازتا ہے۔ توبہ کی دولت کتنی عظیم ہے، جس سے رب نے اپنے بندوں کو اپنے بے پناہ کرم سے نوازا ہے۔

(5) اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.
(سورۃ آلِ عمران، آیت: 89)

(مگر وہ لوگ جنھوں نے (سچے دل سے) توبہ کر لی اور اس کے بعد اپنی اصلاح کر لی تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)

اس آیت کریمہ میں دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سچے دل سے توبہ کرنے اور لوٹ جانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ سچے دل سے ایمان لانے والوں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں اور سچی توبہ کرنے والوں کیلئے بخشش اور مہربانی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بے پناہ مغفرت اور رحمت سے توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو بالکل صاف فرما دیتا ہے۔ ایسے

صاف کر دیتا ہے گویا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ جو لوگ اپنے گناہوں پر ہی اڑے رہیں اور اسی حال میں فوت ہو جائیں ان کے لئے توبہ کی امید کے سب دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس لیے توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہیے۔

(6) الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (سورۃ اعراف، آیت:153)

(جو لوگ برے عمل کریں پھر توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو یقیناً اس کے بعد تیرا رب درگزر اور رحم فرمانے والا ہے)

(i) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گناہ اور کفر کرنے والوں کو توبہ کرنے اور ایمان لانے کی ترغیب دی ہے۔ جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا، پھر انہوں نے اس کے بعد صدق دل سے توبہ کر لی، سو ایسی سچی اور حقیقی توبہ کرنے والوں کیلئے مغفرت و بخشش کا اعلان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بڑا معاف فرمانے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کرم واحسان اور شان مغفرت و بخشش ہی کا ایک ثبوت ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے توبہ واستغفار (انابت الی اللہ[1]) کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

(ii) بے شک اللہ بڑا ہی غفور (معاف کرنے والا) ورحیم (رحم کرنے والا) ہے۔ اس کی مغفرت اور رحمت بے حد و بے حساب ہے۔ انسان کے گناہ جتنے بھی زیادہ ہوں سچے دل سے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بخش دیتا ہے۔ وہ صرف بخشتا ہی نہیں بلکہ رحم بھی فرماتا ہے کہ وہ غفور کے ساتھ رحیم بھی ہے۔

(iii) یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ توبہ کے لیے ایمان شرط ہے۔ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ انسان کا ایمان بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ اس لئے توبہ کے ساتھ تجدیدِ ایمان کی شرط لگا دی گئی۔ اگر گناہ کی نوعیت یہ نہ ہو تو اس میں سچی توبہ کے ساتھ انسان کے اپنے رویے کی

---

[1] ۔ انابت کا مطلب ہے رخ کرنا اور رجوع الی اللہ کا مطلب ہے اللہ کی طرف منہ پھیرنا۔

اصلاح کافی ہے۔

(7) اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ وَیَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ. (سورۃ التوبہ، آیت:104)

(کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خیرات کو قبولیت عطا فرماتا ہے، اور یہ کہ اللہ پاک بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے)

(i) اس آیت میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ توبہ اور صدقات کو قبول کرنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کس نے خلوصِ دل سے اور شرائط قبولیت کا خیال کرتے ہوئے توبہ کی ہے یا صدقہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ انسان پر خصوصی فضل وکرم ہے کہ وہ اپنے بندے کی سچی توبہ کو قبول فرماتے ہوئے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ صدقِ دل سے دیئے ہوئے صدقہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ اسے اپنے بندے کے لیے بڑھا دیتا ہے۔ مغفرت کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔

(ii) اگر بندہ اپنے رب کی طرف سچے دل سے رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگر بندہ اپنے رب کی طرف چلتا ہے تو خدا اپنے بندے کی طرف دوڑتے ہوئے آتا ہے۔

(iii) اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ کا انتظار کرتا ہے۔ جب بندہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ پاک معاف فرما دیتا ہے۔ صدقِ دل اور خلوصِ نیت کے ساتھ توبہ کرنے سے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت اور بخشش بے حد اور بے شمار ہے۔

(8) مَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوۡبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا. (سورۃ الفرقان، آیت:71)

(جو شخص توبہ کرکے نیک عمل اختیار کرتا ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ آتا ہے۔ جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے)

(i) اس آیت میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ فطری اعتبار سے بندے کا اصلی مرکز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ہے۔ اخلاقی حیثیت سے بھی وہی ایک ذات پاک ہے جس کی طرف انسان کو پلٹنا چاہیے۔ نتیجے کے

اعتبار سے بھی اس بارگاہ کی طرف رجوع کرنا انسان کے لیے مفید ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں جس کی طرف رخ موڑ کر وہ اپنے گناہ کی معافی کرواسکے یا پھر سزا سے بچ سکے۔اس لیے انسان گناہ کرنے کے بعد ہمیشہ اپنے پروردگار ہی کی طرف توبہ کے لیے رجوع کرتا ہے۔

(ii) انسان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اسے رجوع کرنا چاہیے، جہاں سے تمام بھلائیاں ملتی ہیں۔گناہ گار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دھتکارے نہیں جاتے، بلکہ معافی اور انعام سے نوازے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ معافی مانگنے والے کے جرم نہیں گنتا۔اللہ پاک انتقام لینے یا سزا دینے کی بجائے ہر وقت شرمسار گناہ گاروں کو معاف کرنے کے لیے اپنی رحمت کا دامن کھولے رکھتا ہے اور انہیں بلاتا رہتا ہے۔

(9) هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ.

(سورۃ الشوریٰ، آیت:25)

(وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے۔حالانکہ تم لوگوں کے سب کاموں کا اسے علم ہے)

(i) اس آیت کریمہ میں انسان کو توبہ کرنے اور اپنے معاملات درست کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے۔اپنے بندے کی برائیوں سے درگزر فرماتا ہے۔کسی بھی انسان کو اپنے پروردگار کی بارگاہ سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ سچے دل اور صحیح طریقے سے اس کی طرف پلٹنے کی ضرورت ہے۔انسان توبہ کے ذریعے اب بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ بڑا ہی مہربان ہے اور اپنے بندوں کے گناہوں سے درگزر فرمانے والا ہے۔اس کے یہاں کسی کے لیے بھی محرومی نہیں ہے۔

(ii) اللہ تعالیٰ انسان کے سارے اعمال کا بخوبی علم رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ انسان کے گناہوں کو جاننے

کے باوجود سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ انتظار فرماتا ہے کہ اس کا بندہ توبہ کرلے۔ انسان اپنا کوئی جرم اور کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ وہ اپنی رحمت اور مہربانی سے اپنے بندوں کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہی درگزر فرمانا ہے۔ اس لیے ضرورت سچے دل سے اپنے اعمال کو دیکھنے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنے اور رخ پھیرنے کی ہے۔

(10) اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا. (سورۃ الفرقان، آیت:70)

(مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)

(i) اس آیت پاک میں سچی توبہ کرنے پر ملنے والی عظیم الشان بخشش اور نیکیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سچی توبہ کرنے پر اللہ پاک نہ صرف انسان کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے بلکہ برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ جب انسان اپنے گناہوں پر شرمندگی کا اظہار کرتا ہے اور سچے دل سے بار بار توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و کرم سے اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ اس طرح کہ گذشتہ گناہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور آئندہ نیکیوں کی توفیق مل جاتی ہے۔ نیکیوں کا سرمایہ جمع ہوتا جاتا ہے۔ جب انسان کبھی اپنی گذشتہ خطاؤں کو یاد کر کے معافی مانگتا ہے تو وہ ہر گناہ کی جگہ نیکی کماتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ انسان کے توبہ کے خلوص کو دیکھتے ہوئے اپنی رحمت سے انسان کے تمام گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

(ii) قیامت کے روز ایک آدمی کو اس کے صغیرہ (چھوٹے) گناہ دکھائے جائیں گے تو وہ اپنے کبیرہ (بڑے) گناہوں کے حوالے سے ڈر رہا ہوگا۔ اتنے میں حکم ہوگا کہ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دو تو اس پر وہ شخص کہے گا: اے میرے پروردگار! میں نے کچھ اور گناہ بھی کئے تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا۔ (تفسیر قرطبی بحوالہ تفسیر سورۃ الفرقان، آیت:70)

(iii) اللہ پاک بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔اس کی بخشش کا یہ عالم ہے کہ عمر بھر کا گناہ گار جب ایک مرتبہ سچے دل سے توبہ کر لے تو وہ اپنے ربِ غفور (معاف کرنے والا) ورحیم (رحم کرنے والا) کے کرم سے گناہوں کی میل سے ایسا پاک صاف ہوجاتا ہے گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔اللہ تعالیٰ کی رحمت کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔سو وہ ہر کسی کو اپنی رحمت کی آغوش میں لینے کے لئے تیار رہتی ہے۔پس سچے اور پکے مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اس ربِّ غفور ورحیم کے حضور صدق دل سے جھک جائے اور سچی توبہ واستغفار کے ذریعے گناہوں کے داغ دھبوں کو اپنے دامن سے دھو دے۔وہ غفور ورحیم سچی توبہ پر گناہوں کو بھی معاف فرما دیتا ہے خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اور عظیم الشان اجر وثواب سے بھی نوازتا ہے کہ اس کی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے ظاہر وباطن کا تعلق صحیح رکھنے کی ضرورت ہے۔

(11) اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (سورۃ المومن،آیت:7-8)

(جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرداگرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور مومنوں کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے،تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے ان کو بخش دے اور دوزخ سے بچا لے۔اے ہمارے پروردگار! ان کو ہمیشہ رہنے کی جگہ بہشت میں داخل کر،جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوں ان کو بھی۔بیشک تو غالب حکمت والا ہے)

(i) ان آیات کریمہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ توبہ بہت بڑی نعمت ہے۔ ایمان کے ساتھ سچی توبہ اتنی عظیم ہے کہ اس کی بنا پر زمین پر بسنے والا انسان اس قدر اونچا مقام حاصل کر لیتا ہے کہ حاملین عرش (عرش کو اٹھانے والے) جیسے عظیم الشان فرشتے بھی اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ حاملین عرش التجا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ایمان والوں میں سے جو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے توبہ کر لیں، اپنے حال کی اصلاح کر لیں اور تیرے راستے پر چلنے لگیں تو ان کی بخشش فرمادے۔

(ii) پس گناہوں سے توبہ کے لیے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا شرط ہے۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کا باغی اور اس کے دین کا دشمن ہو، وہ اس کی مغفرت اور بخشش کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

(iii) فرشتے توبہ کرنے والے مومنین کے لیے استغفار کے ساتھ ساتھ اللہ پاک کے حضور مزید عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! توبہ کرنے والوں کو جنت میں داخل فرما۔ ان کے ساتھ ان کے آباواجداد اور ان کی بیویوں اور اولادوں میں سے جو بھی اپنے ایمان اور توبہ کی بنا پر اس کی اہلیت رکھتے ہوں، ان سب کو بھی ہمیشہ رہنے والی جنت میں جگہ عطا فرما۔ اس جنت میں جس کا تو نے مومنین سے وعدہ فرمایا ہے۔

(12) اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:222)

(بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

(i) اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور اس کی طرف رجوع کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔

(ii) اللہ تعالیٰ کا انسان سے محبت کرنا انسان کی عظیم ترین کامیابی ہے۔ جب اللہ کسی انسان سے محبت کرتا ہے تو فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بھی اس سے محبت کریں۔ چنانچہ سب فرشتے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جب فرشتے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ زمین پر بسنے والی ساری نیک مخلوقات کے دلوں کو ان لوگوں کی محبت کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

(iii) ایسے لوگ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی تمام خواہشات اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع ہو جاتی ہیں۔ وہ وہی چاہتے ہیں جو اللہ پاک چاہتا ہے اور وہی کام کرتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ایسے تمام کاموں سے رک جاتے ہیں جن سے اللہ پاک نے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوش اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش اور خدا تعالیٰ کی خوشی انسان کی عظیم کامیابی ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ہی سے ہوتا ہے۔

(13) اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.
(سورۃ انعام، آیت: 54)

(تم میں سے جس نے جہالت کی بنا پر کسی برائی کا ارتکاب کرلیا، پھر اس کے بعد اس نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بلاشبہ وہ (رب کریم) بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے)

اس آیت کریمہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ توبہ واستغفار (معافی مانگنا) ایک عظیم الشان (بڑی) نعمت ہے۔ جس انسان سے بھی برائی کا ارتکاب ہو اور پھر وہ توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں اپنی رحمت کی وجہ سے اس انسان کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح برائی کے بعد توبہ کرنے اور نیک اعمال (کام) کرنے سے گناہ کا داغ دھل جاتا ہے۔ سچی توبہ سے اس برائی کا نام ونشان تک مٹ جاتا ہے۔ سو توبہ واستغفار کا دروازہ ایک عظیم الشان دروازہ ہے جو قدرت نے اپنی رحمت وعنایت سے اپنے بندوں کیلئے کھولا ہے۔

(14) ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (سورۃ النحل، آیت: 119)

(جو کوئی ناواقفیت سے برے عمل کر لے پھر توبہ کر لے اور اصلاح بھی کر لے تو پھر تمہارا رب بلاشک وشبہ بڑی بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے)

(i) اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ سچی توبہ کامیابی کا باعث بنتی ہے۔ جنہوں نے صحیح معنوں میں توبہ کر لی۔ اپنے جرم وگناہ کی روش کو ترک کر دیا اور آئندہ کبھی ایسا نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا، دل میں اپنی غلطی پر شرمندہ بھی ہوئے اور جو کوئی حقوق ذمے تھے ان کو بھی انہوں نے

ادا کر دیا تو ایسے شخص کی توبہ سچی توبہ ہوگی۔ ایسے لوگوں کی توبہ صحیح معنوں میں توبہ قرار پائے گی۔ ایسے ہی لوگ سچی توبہ کا پھل پائیں گے۔

(ii) اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش عظیم الشان ہے۔ بے شک ہمارا رب سچی توبہ کے بعد بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔ سچی توبہ پر وہ گناہ گاروں کو معاف فرماتا ہے اور ان کو اپنی رحمت سے بھی نوازتا ہے کہ وہ غفور (معاف کرنے والا) بھی ہے اور رحیم (رحم کرنے والا) بھی۔ اس کے یہاں کسی کے لئے بھی کوئی محرومی اور مایوسی نہیں۔ پس اصل ضرورت سچے دل سے اس کی طرف توجہ (انابت) کی ہے۔ اس کے یہاں تو کرم ہی کرم اور عطا ہی عطا ہے۔

(iii) جو بھی کوئی گناہ کرتا ہے وہ ناواقفیت اور نادانی ہی کی بنا پر کرتا ہے۔ وگرنہ انسان گناہ کے نقصانات پر غور کرے اور ان کو سامنے رکھے تو کبھی گناہ ہی نہ کرے مگر وہ نفسانی خواہشات کی بنا پر ادھر توجہ ہی نہیں کرتا۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ کوئی بات نہیں، غلطی ہو جاتی ہے، مگر اس کے بعد توبہ کر لو۔ اصلاح کر لو تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان بخشش اور رحمت حاصل ہو جائے گی۔

(15) فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(سورۃ المائدہ، آیت:39)

(پھر جو شخص ایسا ظلم کرنے کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے وہ یقینا بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ گناہ کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور اس معافی کی دو شرائط ہیں

(i) اپنے غلط رویے سے توبہ کی جائے۔

(ii) اپنے احوال (حال) کی اصلاح کی جائے۔

اگر یہ دو کام کر لئے جائیں تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

(16) مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (سورۃ الحجرات، آیت:11)

(توبہ نہ کرنے والے ظالم ہیں)

انسان سے غلطی ہوجاتی ہے۔ غلطی کے بعد دو رویئے ہوسکتے ہیں

(i) ایک یہ کہ انسان غلطی کا احساس کرلے اور توبہ کر کے اصلاح کرلے۔ ایسا آدمی اللہ پاک کی رحمت کا حقدار ہوجاتا ہے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا رویہ ہے۔ آپ علیہ السلام سے غلطی ہوگئی تو آپ علیہ السلام نے فوراً اس کا احساس کیا اور عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ ظلم ہوگیا ہے۔ مجھے معاف فرمادے۔ اللہ پاک نے انہیں معاف کردیا اور ان پر اپنی رحمت فرمائی۔

(ii) دوسرا یہ کہ انسان اپنی غلطی کا احساس نہ کرے۔ توبہ اور اصلاح نہ کرے۔ ایسا انسان ظالم ہے اور شیطان کی راہ پر چلنے والا ہے۔ شیطان نے غلطی کی مگر اس کو تسلیم نہ کیا اور اکڑ گیا۔ لہٰذا وہ اللہ پاک کی رحمت سے دور ہوگیا۔

(17) اسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ (سورۃ البقرہ، آیت:199، وسورۃ النساء، آیت:106)

(اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)

(i) اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گناہ کرنے پر مایوس نہ ہوں بلکہ فوراً توبہ کرلیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

(ii) اس آیت کریمہ میں یہ بھی تلقین کی گئی ہے کہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ ہی سے بخشش کی دعا مانگنی چاہیے۔ جب بھی کوئی غلطی، گناہ یا خطا سرزد ہوجائے تو فوراً اسی کی طرف رخ کرنا چاہیے۔ انسان کو توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کرنے، بخش دینے، مہربانی کرنے پر ذرہ برابر بھی شک نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ پاک ذات بہت ہی مہربان اور بخشش کرنے والی ہے۔ پس اسی بخشش اور مہربانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ کی پاک ذات سے انسان کو اپنی بخشش ومغفرت کا طلب گار ہونا چاہیے۔

(18) رَّبِّ اغۡفِرۡ وَارۡحَمۡ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ. (سورۃ المومنون، آیت: 118)

(میرے رب! مجھے بخش دے اور (مجھ پر) رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے)

اس آیت کریمہ میں درس دیا گیا ہے کہ اس پوری کائنات میں انسان کا سب سے زیادہ ہمدرد اس کا پروردگار ہی ہے۔ انسان اس کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ نہ صرف معاف فرما دیتا ہے بلکہ اپنی پاک کتاب میں معافی مانگنے کا سب سے اچھا طریقہ بھی خود ہی بتاتا ہے۔ یہ ہدایت دیتا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے رحم اور مغفرت کی دعا مانگتا رہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، پس انسان کو اس بات کا کامل (پکا) یقین ہونا چاہیے کہ وہ رحم کرتے ہوئے ہمارے گناہوں اور ہماری خطاؤں (غلطیوں) کو معاف فرما دے گا۔

(19) رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ۫ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ.
(سورۃ اعراف، آیت: 23)

(اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا، یقیناً ہم خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے)

(i) اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام سے غلطی ہو گئی تو انہوں نے اپنے خدا کے حضور توبہ کی اور نہایت عاجزی اور شرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے لگے کہ اے ہمارے رب! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے خود پر ظلم کیا ہے۔ اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان پانے والوں میں سے ہوں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام اپنی خطا پر معذرت خواہ (معافی مانگنے والے) ہوئے تو ان کی معذرت (معافی) قبول کر لی گئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا اور ان پر اپنی رحمت فرمائی۔

(ii) حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی فطرت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ.

(جامع ترمذی، ج:2،رقم الحدیث:397)

(تمام انسان خطا کار (غلطی کرنے والے) ہیں اور خطا کاروں میں سب سے بہترین توبہ کرنے والے ہیں)

(iii) اس آیت مبارکہ سے ہمیں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ

(i) اللہ پاک توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(ii) اللہ تعالیٰ غفور (معاف کرنے والا) ہے۔

(iii) اللہ تعالیٰ رحمٰن (رحم کرنے والا) ہے۔

(iv) اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

(v) اللہ پاک بخشنے اور رحمت کرنے والا ہے۔

(vi) اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔

(vii) اللہ پاک کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

(viii) صرف گمراہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔

(ix) اللہ تعالیٰ کی مومنوں پر خاص رحمت ہوتی ہے۔

(x) غلطی و گناہ ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع (رخ) کر لینا چاہیے۔ اللہ پاک اپنی رحمت سے معاف فرما دے گا۔

(20) لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. (سورۃ الانبیا، آیت:87)

(تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو اکیلا ہے۔ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ بے شک میں قصوروار ہوں)

اس آیت پاک سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے عظیم نبی حضرت یونس علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو انہوں نے اللہ پاک سے معافی مانگی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت

یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور انھیں اس بڑی پریشانی سے نجات دی۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے۔

3 توبہ احادیث کی روشنی میں

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار توبہ کی ترغیب دلائی ہے۔ ان احادیث سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے:

(1) عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزِعًا يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ، فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى بِأَطْوَلِ قِيَامٍ وَرُكُوعٍ وَسُجُودٍ رَأَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ وَقَالَ: "هَذِهِ الْآيَاتُ الَّتِي يُرْسِلُ اللَّهُ، لَا تَكُونُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلَكِنْ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهِ عِبَادَهُ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَافْزَعُوا إِلَى ذِكْرِهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث: 1017)

(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورج گرہن ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح گھبرائے ہوئے کھڑے ہوئے جیسے قیامت آ گئی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں آئے اور طویل قیام و رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھی کہ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔ یہ کسی کی موت اور حیات کے سبب سے نہیں ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ جب تم ان میں سے کسی نشانی دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعا و استغفار کی طرف دوڑو)

(2) قَالَ شَدَّادُ بْنُ أَوْسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "سَيِّدُ الِاسْتِغْفَارِ أَنْ تَقُولَ: اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، قَالَ: وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ أَنْ يُمْسِيَ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ

الْجَنَّةِ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1256)

(حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سید الاستغفار (استغفار کا سردار) یہ ہے:

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ

(اے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود (عبادت کے لائق) نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور تیرا ہی میں بندہ ہوں اور میں اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور تیرے وعدہ پر ہوں۔ میں ہر پیدا کی گئی شے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور ان نعمتوں کا میں اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر کی ہیں اور اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں۔ مجھے بخش دے۔ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے یہ کلمات صدق دل سے کہے اور شام ہونے سے پہلے اسی دن مر گیا تو وہ جنتی ہے اور جس نے یہ کلمات صدق دل سے رات میں کہے اور صبح ہونے سے پہلے وہ مر جائے تو جنتی ہے)

(3) قَالَ ثَوْبَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ يَقُولُ: "اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ". (سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:928)

(حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو تین مرتبہ استغفار فرماتے اور یہ دعا مانگتے:

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.

(اے اللہ! تو سلامتی والا ہے۔ سلامتی تجھ سے ہے۔ اے جلال والے اور عزت و اکرام والے رب! تو برکت والا ہے)

(4) قَالَ الْوَلِيدُ فَقُلْتُ لِلْأَوْزَاعِيِّ كَيْفَ الْاسْتِغْفَارُ قَالَ: "تَقُولُ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ". (صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:1329)

حضرت ولید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح استغفار فرمایا کرتے تھے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا اس طرح:

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ.

(اے اللہ پاک! مجھے معاف فرمادے۔اے اللہ پاک! مجھے معاف فرمادے)

(5) عَنْ عَاصِمِ بْنِ حُمَيْدٍ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَفْتَتِحُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيَامَ اللَّيْلِ؟ فَقَالَتْ: لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ شَيْءٍ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَحَدٌ قَبْلَكَ، كَانَ إِذَا قَامَ كَبَّرَ عَشْرًا وَحَمِدَ اللّٰهَ عَشْرًا وَسَبَّحَ عَشْرًا وَهَلَّلَ عَشْرًا وَاسْتَغْفَرَ عَشْرًا، وَقَالَ: "اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي، وَيَتَعَوَّذُ مِنْ ضِيقِ الْمَقَامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". (سنن ابوداؤد، ج:1، رقم الحدیث:763)

(عاصم بن حمید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام اللیل (تہجد) کو کس دعا سے شروع کرتے تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم نے مجھ سے ایک ایسی چیز کے متعلق پوچھا ہے کہ تم سے پہلے کسی نے بھی اس کے متعلق مجھ سے نہیں پوچھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کہتے۔ دس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰه (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں) کہتے۔ دس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰه (اللہ پاک ہے) کہتے۔ دس مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه (اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں) کہتے اور دس مرتبہ استغفار پڑھتے اور پھر فرماتے:

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي

(اے میرے پروردگار! مجھے معاف فرمادے۔ مجھے ہدایت دے۔ مجھے رزق عطا فرما اور مجھے عافیت دے)

اور پھر قیامت کے دن کھڑے ہونے کی تنگی سے پناہ مانگتے تھے)

(6) عَنْ شَرِيقٌ الْهَوْزَنِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَسَأَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ؟، فَقَالَتْ: لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ شَيْءٍ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَحَدٌ قَبْلَكَ، كَانَ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَحَمَّدَ عَشْرًا، وَقَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ عَشْرًا، وَقَالَ: سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ عَشْرًا، وَاسْتَغْفَرَ عَشْرًا، وَهَلَّلَ عَشْرًا، ثُمَّ قَالَ: "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا، وَضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَشْرًا، ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ".

(سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1675)

(حضرت شریک الہوزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا اور ان سے دریافت کیا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو جاگتے تو کس دعا سے آغاز کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تو نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے کہ تجھ سے قبل کسی نے نہیں کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے تو دس بار اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے)، دس بار الحمد للہ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں)، دس بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ (اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں) دس بار سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ (اللہ پاک ہے اور اسی کی بادشاہی ہے)، دس بار استغفار، دس بار لا الہ الا اللہ (اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں) پڑھتے۔ پھر دس بار یہ دعا پڑھتے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا وَضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

(اے اللہ! میں دنیا کی تنگی سے اور قیامت کے دن کی تنگی سے تیری پناہ مانگتا ہوں)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رات کی نماز کا آغاز فرمادیتے)

(7) قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1257)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے

ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ کی قسم میں اللہ تعالیٰ سے دن میں ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کرتا ہوں)

(8) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ، جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ". (سنن ابوداؤد، ج:1، رقم الحدیث:1514)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو استغفار کرنے کو اپنے اوپر لازم کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا ایک راستہ پیدا فرمائے گا اور ہر غم سے نجات دے گا اور ایسی جگہ سے روزی عطا فرمائے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا)

(9) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ صُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1285)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے۔ پھر وہ اگر اسے ترک کر دے یا استغفار کرے اور توبہ کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ اگر دوبارہ گناہ کرے تو سیاہی بڑھا دی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ سیاہی اس کے دل پر چھا جاتی ہے)

(10) عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا أَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَلَوْ فَعَلَهُ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1515)

(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے گناہ کے بعد استغفار کیا اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا اگرچہ اس نے ایک دن میں ستر مرتبہ ایسا کیا ہو)

(11) عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ فِي لِسَانِي ذَرَبٌ عَلَى أَهْلِي وَكَانَ لَا يَعْدُوهُمْ إِلَى غَيْرِهِمْ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "أَيْنَ أَنْتَ مِنَ الِاسْتِغْفَارِ؟ تَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:697)

(حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اپنے گھر والوں سے بات کرنے میں میری زبان بے قابو تھی۔ لیکن گھر والوں کے علاوہ کسی اور کی طرف زیادتی نہ کرتی تھی۔ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم استغفار کیوں نہیں کرتے۔ روزانہ ستر مرتبہ استغفار کیا کرو)

(12) سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ بُسْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:698)

(حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو اپنے نامہ اعمال میں زیادہ استغفار پائے)

(13) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ أَنَّى لِي هٰذِهِ، فَيَقُولُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ". (مسند احمد، ج:4، رقم الحدیث:3381)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جنت میں ایک نیک آدمی کے درجات کو بلند کرتا ہے تو وہ پوچھتا ہے کہ پروردگار! میرے یہ درجات کیوں بلند کیے گئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تیرے حق میں تیری اولاد کے استغفار کی وجہ سے تمہارے درجات بڑھائے گئے ہیں)

(14) عَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: أَمَانَانِ كَانَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رُفِعَ أَحَدُهُمَا، وَبَقِيَ الْآخَرُ، "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ، وَمَا كَانَ

اللّٰہُ مُعَذِّبَہُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُونَ". (مسند احمد، ج:8، رقم الحدیث:1292)

(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں دو طرح کی امان تھی جن میں سے ایک اٹھ چکی ہے اور دوسری باقی ہے:

(i) اللہ تعالیٰ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں عذاب نہیں دے گا۔

(ii) اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک عذاب نہیں دے گا جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے۔

(15) قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ عَبْدًا أَصَابَ ذَنْبًا، وَرُبَّمَا قَالَ: أَذْنَبَ ذَنْبًا، فَقَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ، وَرُبَّمَا قَالَ: أَصَبْتُ، فَاغْفِرْ لِي، فَقَالَ رَبُّهُ: أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ، غَفَرْتُ لِعَبْدِي،

ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ أَصَابَ ذَنْبًا أَوْ أَذْنَبَ ذَنْبًا، فَقَالَ: رَبِّ، أَذْنَبْتُ أَوْ أَصَبْتُ آخَرَ، فَاغْفِرْهُ، فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ، غَفَرْتُ لِعَبْدِي،

ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا، وَرُبَّمَا قَالَ: أَصَابَ ذَنْبًا، قَالَ: قَالَ رَبِّ، أَصَبْتُ أَوْ قَالَ أَذْنَبْتُ آخَرَ: فَاغْفِرْهُ لِي، فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ، غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثَلَاثًا، فَلْيَعْمَلْ مَا شَاءَ".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:2400)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (اسی امت میں سے یا گذشتہ امتوں میں سے) ایک بندے نے گناہ کیا اور پھر کہنے لگا: اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے، تو میرے اس گناہ کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ کیا میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو جس کے چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے گناہ بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کے گناہ پر پکڑ کرتا ہے، تو جان لو میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔

وہ بندہ اس مدت تک کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا، گناہ کرنے سے باز رہا۔ اس کے بعد اس نے پھر گناہ کیا اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے، تو میرے اس گناہ کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: یہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور اس پر پکڑ کرتا ہے۔ میں نے اس بندے کو بخش دیا۔

وہ بندہ اس مدت تک کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا، گناہ سے باز رہا اور اس کے بعد پھر اس نے گناہ کیا اور اس کے بعد پھر اس نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے، تو میرے اس گناہ کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر پکڑ کرتا ہے۔ میں نے اس بندے کو بخش دیا۔ (آپ ﷺ نے یہ بات) تین بار دہرائی اور (چوتھی مرتبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گواہ رہو) میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا اب وہ جو چاہے کرے)

اس حدیث پاک سے یہ سبق ملا کہ اس بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کہ توبہ ٹوٹ جائے گی۔ جب توبہ ٹوٹ جائے فوراً دوبارہ پھر کر لیں مگر شرط یہ ہے کہ توبہ دل سے ہو۔ یعنی توبہ کے وقت یہ پکا ارادہ ہو کہ اب یہ گناہ نہ کریں گے۔ اس طرح توبہ کر کے اگر سو مرتبہ بھی ٹوٹے، کچھ پرواہ نہیں۔ ہر دفعہ پھر توبہ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور اطاعت کرنے والوں میں شمار ہوں گے۔

(16) عَنِ عبدِ اللهِ بنِ مسعودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ".

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:2، رقم الحدیث: 895)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: گناہوں سے صحیح اور پختہ توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو)

(17) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَوْ أَخْطَأْتُمْ

حَتّٰى تَبْلُغَ خَطَايَاكُمُ السَّمَاءَ، ثُمَّ تُبْتُمْ لَتَابَ عَلَيْكُمْ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1128)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم اتنے گناہ کرو کہ آسمان تک پہنچ جائیں، پھر تم توبہ کرو، تو اللہ تعالیٰ تم کو معاف کردے گا)

(18) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ أَحَدِكُمْ مِنْهُ بِضَالَّتِهِ، إِذَا وَجَدَهَا".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1127)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے، جتنا کہ وہ اپنی گم شدہ چیز پانے سے خوش ہوتا ہے)

(19) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَلّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ رَجُلٍ أَضَلَّ رَاحِلَتَهُ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ، فَالْتَمَسَهَا، حَتّٰى إِذَا أَعْيٰى تَسَجّٰى بِثَوْبِهِ، فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ سَمِعَ وَجْبَةَ الرَّاحِلَةِ حَيْثُ فَقَدَهَا، فَكَشَفَ الثَّوْبَ عَنْ وَجْهِهِ، فَإِذَا هُوَ بِرَاحِلَتِهِ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1129)

(حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے توبہ کرنے سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری ویران صحرا میں کھو جائے وہ اس کو ڈھونڈتا رہے یہاں تک کہ تھک کر اپنا کپڑا اوڑھ لے اور لیٹ جائے (یہ سمجھ کر کہ اب مرنے میں کوئی شک نہیں، پانی سب اسی سواری پر تھا اور اس جنگل میں پانی تک نہیں) اتنے میں وہ سواری کی آواز سنے اور اپنے منہ سے کپڑا اٹھا کر دیکھے، تو اسی کی سواری آتی ہو)

(20) عَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ

عَزَّوَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2488)

(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ رات کے وقت اپنا ہاتھ پھیلاتا رہتا ہے تاکہ دن کے گناہ گار کی توبہ قبول کرے اور اپنا ہاتھ دن کو پھیلاتا رہتا ہے تاکہ رات کے گناہ گار کی توبہ قبول کرے۔ یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو (قیامت کا دن))

4 توبہ کی اقسام

توبہ کی تین اقسام ہیں:

(1) توبہ (2) انابہ (3) اوبہ

(1) **توبہ:** جو شخص اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ڈر سے توبہ کرے، وہ صاحب توبہ ہے اور یہ سالک (اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے والا) کا ابتدائی مقام اور مومنین (ایمان والے) کی صفت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتُوبُوٓا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (سورۃ النور، آیت:31)

(اے مومنو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ)۔

(2) **انابہ:** جو شخص ثواب حاصل کرنے کے لیے توبہ کرے، وہ انابہ ہے۔ انابت (رخ پھیرنا)، اولیائے کرام اور اللہ پاک کے قریب والے لوگوں کی صفت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّأَنَابَ. (سورۃ ص، آیت:24)

(وہ اپنے رب سے معافی مانگنے لگے، سجدے میں گر پڑے اور توبہ کی)

(3) **اوبہ:** جو شخص اللہ پاک کے حکم کو مانتے ہوئے توبہ کرے، ثواب کا لالچ یا عذاب کا خوف نہ ہو، وہ اوبہ ہے۔ اوبہ، انبیا کرام علیہم السلام اور مرسلین علیہم السلام (رسولوں) کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَوَهَبۡنَا لِدَاوٗدَ سُلَيۡمٰنَ‌ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ‌ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ. (سورۃ ص، آیت:30)

(اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام (نامی فرزند) عطا فرمایا، جو بڑا اچھا بندہ تھا اور وہ اوّاب (بہت زیادہ توبہ کرنے والا) تھا)

5 توبہ کے ارکان

توبہ کے تین ارکان ہیں:

(1) دل میں شرمندہ (نادم) ہونا۔

(2) زبان سے معذرت (معافی) کا اظہار کرنا۔

(3) برائی اور برائی کرنے والوں کی صحبت کو چھوڑ دینا۔

6 ایسے اعمال جن سے توبہ کرنی چاہیے

(1) بندگی کو بڑا سمجھنے سے۔ انسان کا اپنی بندگی کو بڑا سمجھنے کی تین علامات ہوتی ہیں:

(i) خود کو اپنے عمل کے باعث نجات پا جانے والا سمجھنا۔

(ii) عمل کے مقصد کو نفرت کی نظر سے دیکھنا۔

(iii) اپنے کردار کے عیوب تلاش نہ کرنا۔

(2) گناہ کو معمولی خیال کرنے سے۔ گناہوں کو معمولی سمجھنے کی بھی تین علامتیں ہیں:

(i) گناہ کر کے بھی خود کو بخشش کا حق دار سمجھنا۔

(ii) دوسرے کو تکلیف پہنچا کر بھی اطمینان کا اظہار کرنا۔

(iii) برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔

(3) احسان فراموشی سے۔ احسان فراموشی کی بھی تین نشانیاں ہیں:

(i) خود پسندی (اپنے آپ کو پسند کرنا) میں مبتلا ہو جانا۔

(ii) اپنے نیک اعمال کی قدر و قیمت لگانا۔

(iii) اللہ تعالیٰ سے محبت کی خوشی کے باعث نیک اعمال (عمل) کرنے سے رک جانا۔

7 توبہ کے اسباب

(1) توبہ کا خیال اس وقت دل میں پیدا ہوتا ہے جب کہ انسان کا دل غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائے اور آدمی اپنی موجودہ حالت کو ناپسند اور برا جان لے۔

(2) توبہ کا خیال اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی طرف مائل ہے۔ اس پر کرم کرنا چاہتا ہے۔ اس کو توفیق دے رہا ہے کہ اس کا خطا کار بندہ اس کی ذات پاک کی طرف مائل ہو جائے۔

(3) اللہ پاک کی طرف سے موجود واعظ بھی انسان کی توجہ توبہ کی طرف دلاتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ

وَاعِظُ اللّٰہِ فِی قَلْبِ کُلِّ مُسْلِمٍ. (مسند احمد، ج:7، رقم الحدیث:768)

(ہر مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے واعظ موجود ہے)۔

(4) توبہ کا خیال سب سے پہلے انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ. أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:51)

(بے شک بدن میں ایک لوتھڑا (گوشت کا ٹکڑا) ہے، جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو تمام بدن ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے۔ سنو! وہ دل ہے)

(5) جب انسان دل سے اپنے عمل کی برائی کے بارے میں سوچتا ہے اور اپنے برے کاموں کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں توبہ کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اور وہ جب برے معاملات سے نکلنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے ہوئے اس کے ارادے کو درست کرتا ہے۔ اسے رجوع (مڑنے) کی توفیق دیتا ہے اور توبہ کے اسباب مہیا فرماتا ہے۔

(6) جب کبھی انسان کسی حادثے سے گزرتا ہے تو بعض اوقات اس کے خیالات میں مثبت تبدیلی آتی ہے۔ کبھی کبھار خوف سے اور کبھی کبھار اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر خاص انعام کیا

ہے اور اسے اس مشکل سے نکالا ہے۔

(7) نیک لوگوں کی صحبت میں انسان میں برائی سے نفرت اور بھلائی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔
حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند
(نیک لوگوں کی صحبت نیک بنا دیتی ہے)
(برے لوگوں کی صحبت بُرا بنا دیتی ہے)

(8) برے لوگوں کی صحبت چھوڑنا بھی انسان کو برائی سے دور کرتا ہے۔ انسان گندے ماحول سے الگ ہو کر بعض اوقات اپنی اصل فطرت پر آ جاتا ہے اور توبہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

8 توبہ کی شرائط

(1) انسان سے جانے یا انجانے میں گناہ ہو ہی جاتا ہے، اس لیے توبہ ضروری ہے۔ اگر گناہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان معاملات سے متعلق ہے، جس میں کسی انسان کی کوئی حق تلفی (حق چھن جانا) نہیں ہوئی، تو اس کی توبہ کے لیے تین لازمی شرائط ہیں:

(i) انسان گناہ کا وہ کام چھوڑ دے جس سے توبہ کر رہا ہے۔

(ii) انسان یہ گناہ کرنے پر شرمندہ ہو۔

(iii) انسان اس بات کا پختہ عزم کرے کہ وہ یہ گناہ دوبارہ نہیں کرے گا۔

(2) اگر انسان سے کوئی ایسا گناہ ہو جائے جو کسی انسانی حقوق سے متعلق ہو تو توبہ کرنے والے پر لازم ہے کہ

(i) وہ پہلے اس انسان کے حق سے خود کو بری کرے جس کی حق تلفی (حق چھن جانا) ہوئی ہو۔ چنانچہ اگر کسی کو کوئی مالی نقصان پہنچا ہے تو اس کا یہ نقصان پورا کیا جائے یا اس سے اس نقصان کی معافی مانگی جائے۔ اس کے بعد باقی شرائط پوری کرے۔

(ii) انسان گناہ کا وہ کام چھوڑ دے جس سے توبہ کر رہا ہے۔

(iii) انسان یہ گناہ کرنے پر شرمندہ ہو۔

(iv) انسان اس بات کا پکا ارادہ کرے کہ وہ یہ گناہ دوبارہ نہیں کرے گا۔

(3) عام طور پر توبہ کی قبولیت کی شرائط یہی ہیں۔ البتہ اگر انسان سے غلطی سے کوئی قتل ہو جائے تو توبہ کی شرائط مختلف ہیں۔ قتل خطا (غلطی سے قتل کرنے) کی توبہ کے لیے ضروری ہے کہ باقی شرائط کے ساتھ ساتھ ایک غلام آزاد کیا جائے اور اگر غلام موجود نہ ہو تو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے جائیں۔ مقتول کے ورثا کو دیت ادا کی جائے (سورۃ النسا، آیت: 92)۔ قتل خطا پر توبہ کا طریقہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے متعین فرما دیا ہے لہٰذا اس جرم کی توبہ کے طور پر یہ شرائط بھی لازمی طور پر پوری کرنی ہوں گی۔

(4) اگر کوئی مومن کافر ہو جائے تو اس کی توبہ کی بنیادی شرائط یہ ہیں کہ وہ کفر سے توبہ کرے۔ اپنے اعمال کو شریعت کے مطابق درست کرے اور سچے دل سے اپنے ایمان کی تجدید کرے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ○ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (سورۃ الاعراف، آیت: 152-153)

(بے شک، جن لوگوں نے بچھڑے (calf) کو معبود بنایا، ان پر ان کے رب کی طرف سے غصہ ہوگا اور اس دنیا کی زندگی میں ذلت ہوگی۔ اور ہم بہتان لگانے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اور جنھوں نے برے کام کیے، پھر اس کے بعد انھوں نے توبہ کر لی اور ایمان لائے، تو اس کے بعد تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے)

(5) یہ توبہ کی لازمی شرائط ہیں اگر انسان کی توبہ میں ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ ہو تو وہ توبہ صحیح نہیں ہوگی۔ اس لیے ان شرائط پر مکمل توجہ دینی چاہیے تا کہ توبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو۔

9 توبہ کا قبول نہ ہونا

قرآن مجید میں بعض ایسے لوگوں کا ذکر بھی ہوا ہے جن کا جرم اتنا شدید ہے کہ پروردگار رحمان و رحیم ہونے کے باوجود ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا:

(1) جو لوگ ساری زندگی اپنے رب کو بھول کر اس کی پسند اور ناپسند سے بے پروائی کرتے ہوئے گناہوں میں پڑے رہیں اور پھر جب موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو توبہ و استغفار کرنے لگیں، ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

(2) جو لوگ کفر ہی کی حالت میں مر گئے، ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ آخرت کے دن ان کی توبہ و استغفار کو ہرگز قبول نہ کرے گا۔

(3) ایسے لوگ جو ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو جائیں اور کفر کی ہی حالت میں مر جائیں، ان کی بھی توبہ قبول نہ ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ.

(سورۃ آل عمران، آیت:90)

(جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا اور پھر اپنے کفر میں آگے بڑھتے چلے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی)

10 توبہ کا طریقہ کار

توبہ کا طریقہ کار مختلف گناہوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جن سے توبہ کرنے سے پہلے ان گناہوں کا چھوڑنا ضروری ہوتا ہے اور کچھ گناہوں کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے حضور شرمندگی اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ ہی توبہ ہوتا ہے۔ اعلانیہ گناہوں کے لیے توبہ بھی اعلانیہ کرنی ہوتی ہے۔ پس توبہ کا طریقہ کار حسب ذیل ہے:

(1) گناہ ہو جانے پر فوراً دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھنی چاہیے اور پھر توبہ کرنی چاہیے۔ اس طرح توبہ کرنے میں متعدد فائدے ہیں:

(i) نیکیاں گناہوں کو ختم کرتی ہیں۔

(ii) نماز میں توبہ کرنے میں دل حاضر ہوگا اور قبول توبہ کے لیے حضورِ قلب (دل کا حاضر ہونا) ضروری ہے۔

(iii) چونکہ نماز پڑھنا انسانی نفس کو ناگوار ہوتا ہے، اس لئے نفس گناہوں سے گھبرائے گا۔

(iv) گناہ توبہ سے معاف ہوجائیں گے اور نماز توبہ کی نیکیاں نفع میں رہیں گی۔

(2) ترک نماز (نماز چھوڑنے) سے توبہ کے لیے قضا نمازیں ادا کرنی چاہییں اور آئندہ نماز نہ چھوڑنے کا عزم کرنا چاہیے۔

(3) ترک روزہ (روزہ چھوڑنے) سے توبہ کے لیے قضا روزے ادا کرنے چاہییں اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔

(4) اگر گناہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان معاملات سے متعلق ہے۔ جس میں کسی انسان کا کوئی حق نہیں مارا گیا تو چاہیے کہ

(i) انسان گناہ کا وہ کام چھوڑ دے جس سے توبہ کر رہا ہے۔

(ii) انسان اس گناہ میں شامل ہونے پر شرمندہ ہو۔

(iii) انسان اس بات کا پکا ارادہ کرے کہ وہ اس گناہ میں دوبارہ ملوث نہیں ہوگا۔

(5) اگر انسان سے کوئی ایسا گناہ ہوجائے جو کسی انسانی حق سے متعلق ہو، تو پہلے اس انسانی حق کو ادا کرنا چاہیے یا پھر معاف کروانا چاہیے اور پھر اللہ پاک کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔

(6) اگر انسان سے غلطی سے کوئی قتل ہوجائے، تو توبہ کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔ اگر غلام موجود نہ ہو، تو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھنے چاہیں۔ مقتول (قتل ہونے والے) کے ورثا کو دیت ادا کرنی چاہیے۔ (تفسیر بحوالہ سورۃ النساء، آیت:92)

(7) توبہ کے لیے گناہوں کو یاد کرکے جی بھر کر توبہ کرنی چاہیے۔

(8) انسان کی طبیعت اچھی اور بری صحبت کا اثر قبول کرتی ہے۔ پس نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی

چاہیے اور برے لوگوں کی صحبت کو چھوڑ دینا چاہیے۔

(9) قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں گناہ کرنے پر جو سزائیں بیان کی گئی ہیں، ان کو یاد کرنا چاہیے۔

(10) آخرت کی نعمتوں کے بارے میں سوچنا چاہیے، جو گناہوں سے بچنے اور توبہ کرنے پر ملتی ہیں۔

(11) موت کا زیادہ ذکر کرنا گناہوں کی لذتوں کو ختم کر دیتا ہے اور انسانی طبیعت کو توبہ کی طرف مائل کرتا ہے۔ اس لیے ہمیں ہر وقت اپنی موت کو یاد رکھنا چاہیے۔

(12) ہمیں فوت ہو جانے والوں کے بارے میں سوچنا چاہیے کہ ہمارے پاس نیکی کرنے اور گناہوں سے توبہ کرنے کا ابھی بھی موقع ہے، جو فوت ہو جانے والے کے پاس نہیں رہا۔

(13) گناہ کی یاد کو مقصد نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اس سے یہ خیال ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہے اور یہ خیال خطرناک ہے۔

(14) ہمیں اپنے دن رات کا جائزہ لے کر اپنی نافرمانیوں، کوتاہیوں اور خطاؤں کی نشاندہی کرنی چاہیے اور پھر ان خطاؤں پر توبہ اور آئندہ یہ خطائیں نہ کرنے کا پکا عزم کرنا چاہیے۔

(15) تمام گناہوں پر شرمندگی محسوس کرتے ہوئے عمومی طور پر توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا چاہیے۔

(16) ہمیں ہر گناہ کا سبب معلوم کرنا چاہیے اور پھر اس سبب کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(17) اسباب کی بنیاد پر گناہ کو دور کرنے کی عملی کوشش کرنی چاہیے۔

(18) نفسانی خواہشات انسان کو گناہ کی طرف مائل کرتی ہیں۔ پس ہمیں اپنے نفس کی تربیت کرتے رہنا چاہیے۔

(19) ہمیں کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ساری انسانیت کے تمام گناہ مل کر بھی اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت سے کم ہیں۔

(20) ہمیں توبہ و استغفار کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لینا چاہیے۔ جیسا کہ ہم ملازمت، کاروبار یا شادی کو مسئلہ سمجھتے ہیں۔ ان کے لئے منصوبہ بندی کرتے اور مشکلات کے باوجود ان مقاصد کو

حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(21) ہمیں زبانی توبہ و استغفار کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ ہر عمل کی ابتدا قول سے ہوتی ہے۔لیکن زبانی استغفار کو کافی بھی نہیں سمجھنا چاہیے۔جسم کے ہر حصے کو توبہ میں شریک کر لینا چاہیے۔ پھر یہ ممکن نہ ہوگا کہ پاؤں غلط جگہ کے لئے اٹھیں، نگاہیں نافرمانی کریں اور دماغ میں گناہ کی سوچیں بسنے لگیں۔

11 توبہ کے بارے میں اقوال

توبہ کے بارے میں علما اور صوفیا کرام رحمۃ اللہ علیہ سے بہت اچھے اقوال منسوب ہیں جو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

(1) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے تین معانی ہیں:

(i) اپنی غلطی پر شرمندگی۔

(ii) جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اس کی عادت چھوڑ دینا۔

(iii) دوسروں کے حق ادا کرنے کی کوشش کرنا۔

(2) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا تو ان کی حالت بدلی ہوئی دیکھی۔ میں نے ان سے پوچھا آپؒ کو کیا ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا: میرے پاس ایک نوجوان آیا اور اس نے مجھ سے توبہ کے بارے میں سوال کیا؟ میں نے کہا، توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہوں کو نہ بھولے۔ اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا کہ توبہ اپنے گناہوں کو بھولنے کا نام ہے۔ میں نے عرض کیا، درحقیقت میرے نزدیک وہی بات ہے جو اس نوجوان نے کہی۔

(3) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے گناہ کو بھولنا (یعنی گناہ کو چھوڑ دینا) توبہ ہے۔

(4) حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ ٹال مٹول کو ترک کرنے کا نام ہے۔

(5) حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، توبہ یہ ہے کہ اپنے گناہوں کو نہ بھولا جائے۔

(6) حضرت حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ الفاظ: اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے توبہ کا سوال کرتا ہوں کبھی نہیں کہے، بلکہ میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ اے میرے پالنے والے! میں تجھ سے توبہ کی خواہش کا سوال کرتا ہوں۔

(7) حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ توبہ کے بارے فرماتے ہیں کہ توبہ سے توبہ کرنے کا نام توبہ ہے۔

(8) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خاص لوگوں (خواص) کی توبہ غفلت سے ہوتی ہے۔

(9) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گناہ سے باز آئے بغیر توبہ کرنا، جھوٹے لوگوں کی توبہ ہے۔

(10) حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے توبہ کر لی جائے (صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کر لیا جائے)۔

(11) حضرت عبداللہ بن علی بن محمد تمیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص گناہوں سے توبہ کرتا ہے اس میں اور جو شخص غفلت سے توبہ کرتا ہے اس میں اور جو شخص نیکیوں کو دیکھنے سے توبہ کرتا ہے، ان میں بہت فرق ہے۔

(12) حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پکی توبہ (توبۃ النصوح) کرنے والے پر گناہ کا ظاہری اور باطنی (چھپا ہوا) اثر باقی نہیں رہتا اور جس شخص کی توبۃ النصوح ہو، اسے اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ شام کیسے کرتا ہے اور صبح کیسے کرتا ہے۔

(13) حضرت ابن یزدانیار رحمۃ اللہ علیہ [1] سے پوچھا گیا؟ کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف نکل آئے تو کن اصولوں کی بنیاد پر نکلے گا؟ تو آپؒ نے فرمایا! اس طرح نکلے کہ

(i) وہ جس گناہ سے نکلا ہے اس کی طرف دوبارہ نہیں جائے گا۔

(ii) جس کی طرف نکل گیا ہے اس کے غیر کا خیال نہیں کرے گا۔

۱۔ حضرت ابوبکر حسین بن علی بن یزدانیار ارمویؒ

(iii) جس چیز سے وہ بیزار رہوا، اس کی طرف نظر کرنے سے اپنے دل کو محفوظ رکھے گا۔

(14) ایک شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ مجھ سے بہت سے گناہ ہوئے ہیں اگر میں توبہ کروں تو میری توبہ قبول ہوگی؟ تو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اگر اللہ تعالیٰ تجھے توبہ کرنے کی توفیق (ہمت) دے گا تب ہی تو توبہ کرے گا۔

(15) حضرت بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ [1] فرماتے ہیں کہ جب انسان گناہ کا ذکر کرے اور اس گناہ کے کام میں دلچسپی نہ پائے۔ یہی حقیقتاً توبہ ہے۔

(16) حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ کی دو قسمیں ہیں:

(i) توبہ انابت: توبہ انابت یہ ہے کہ بندہ عذاب خداوندی کے خوف سے توبہ کرے۔

(ii) توبہ استجابت: توبہ استجابت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے حیا کرتے ہوئے توبہ کرے۔

(17) حضرت خواجہ عبداللہ انصاری ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا نام ہے۔

(18) حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ انسان کا گناہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف شرمندگی اور استغفار کی کثرت کے ساتھ رجوع کرنا ہے۔

(19) حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ اللہ پاک کی بغاوت و نافرمانی سے آئندہ باز رہنے اور سابق نافرمانیوں کی تلافی کا خلوص دل سے عہد کرنا ہے۔

(20) حضرت حسین مغازلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے کہ

(i) اللہ تعالیٰ سے اس لیے ڈرنا کہ وہ ہم پر قادر (قدرت رکھنے والا) ہے۔

(ii) اللہ تعالیٰ سے اس لیے حیا کرنا کہ وہ ہمارے قریب ہے۔

(21) حضرت ابراہیم دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے کہ جس طرح انسان پہلے اللہ پاک کی طرف پشت کیے ہوئے تھا اور ادھر توجہ نہیں دیتا تھا، اب مکمل توجہ کرے اور پھر اس کی طرف پشت نہ کرے۔

۱۔ حضرت عبدالرحمان بن محمد داؤدی بوشنجی خراسانیؒ

(22) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ چار ستونوں پر قائم ہے:

(i) زبان سے بخشش مانگنا۔

(ii) دل سے نادم (شرمندہ) ہونا۔

(iii) اعضا سے گناہ چھوڑنا۔

(iv) دل میں دوبارہ گناہ نہ کرنے کا ارادہ کرنا۔

خالص توبہ یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد وہ گناہ نہ کیا جائے جس سے توبہ کی ہو۔

12 چند نصیحت آموز واقعات

(1) حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جنت میں جہاں چاہو رہو اور جس چیز کو دل چاہے کھاؤ، لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا۔ حضرت آدم و حوا علیہم السلام ایک عرصہ تک جنت میں رہے اور اس درخت کے پاس نہ گئے۔ آخر کار شیطان کے بہکانے سے اس درخت کے قریب چلے گئے (یا پھل کھا لیا)۔ اس سے ان کی عریانی ان پر واضح ہوگئی تو وہ جنت کے درختوں کے پتوں سے اپنے جسم کو چھپانے لگے۔ جیسے ہی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، فوراً ہی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے۔ قرآنِ پاک میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی اس توبہ کی دعا کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ.

(سورۃ اعراف، آیت: 23)

(اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے)

جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام سے غلطی ہوگئی تو انہوں نے اپنے رب کے حضور توبہ کی۔ نہایت عاجزی اور شرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے لگے: اے ہمارے رب! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے خود پر ہی ظلم کیا ہے۔ اگر تو نے ہمیں معاف نہ

کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان پانے والوں میں ہوں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام نے غلطی معافی مانگی تو ان کی معافی قبول کر لی گئی اور اللہ پاک نے انہیں معاف فرما دیا اور ان پر اپنی رحمت فرمائی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابی حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ پانچ چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کی نجات کا باعث بنیں:

(i) اپنی غلطی کا اعتراف کرنا۔

(ii) غلطی پر شرمندہ ہونا۔

(iii) خود کو غلطی پر ملامت کرنا۔

(iv) توبہ کرنا۔

(v) رحمت الٰہی کی امید رکھنا۔

اور پانچ چیزیں شیطان کی تباہی کا باعث بنیں:

(i) اپنے جرم کو تسلیم نہ کرنا۔

(ii) غلطی پر شرمندہ نہ ہونا۔

(iii) غلطی کرنے پر اپنے آپ کو ملامت نہ کرنا۔

(iv) توبہ نہ کرنا۔

(v) رحمت الٰہی سے مایوس ہو جانا۔

پس انسان کو اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔ ہمیں حضرت آدم علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ شیطان کے راستہ پر نہیں چلنا چاہیے۔

(2) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی نے ننانوے (99) جانوں کو قتل کیا۔ پھر اس نے اہل علاقہ میں سے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا؟ پس اس کی ایک راہب کی طرف راہنمائی

کی گئی۔ وہ اس راہب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ننانوے جانوں کو قتل کیا ہے۔ کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ راہب نے جواب دیا کہ تمہاری توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔اس نے اس راہب کو بھی قتل کر دیا۔ پھر اہل علاقہ سے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا؟ تو ایک عالم کی طرف اس کی راہنمائی کی گئی۔اس شخص نے اس عالم سے کہا کہ میں نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے۔کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ عالم نے جواب دیا جی ہاں! تمہاری توبہ ضرور قبول ہوگی۔تم فلاں جگہ چلے جاؤ۔ وہاں پر موجود لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کررہے ہیں۔تم بھی ان کے ساتھ عبادت الٰہی میں مصروف ہوجاؤ اور اپنے علاقے کی طرف لوٹ کر نہ جانا کیونکہ وہ بری جگہ ہے۔ پس وہ اس علاقہ کی طرف چل دیا۔ جب وہ آدھے راستے پر پہنچا، تو اس کی موت واقع ہوگئی۔ پس اس کے بارے میں رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے جھگڑ پڑے۔رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ توبہ کرتا ہوا اور اپنے دل کو اللہ پاک کی طرف متوجہ کرتا ہوا وفات پا گیا ہے۔عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے زندگی بھر کوئی بھی نیک کام نہیں کیا۔ پس پھر ان کے پاس ایک فرشتہ آیا، جسے انہوں نے اپنے درمیان ثالث (فیصلہ کرنے والا) مقرر کرلیا، تو اس نے کہا کہ دونوں بستیوں کے درمیاں فاصلے کی پیمائش کرلو۔ پس وہ دونوں میں سے جس بستی کے زیادہ قریب ہو، اسی بستی والوں میں شمار کیا جائے۔ پس فرشتوں نے فاصلے کی پیمائش کی، تو نیک بستی کے قریب پایا۔ پھر رحمت کے فرشتے اسے جنت میں لے گئے۔(صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2507)

(3) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی تھا۔ وہ اپنی توبہ پر قائم نہیں رہتا تھا۔ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اس نوجوان کو کہہ دو اپنی توبہ کو نہیں توڑنا۔ اگر تو اپنے گناہ کی طرف لوٹا تو میں تجھے سزا دوں گا اور تیری توبہ بھی قبول نہیں کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغام پہنچا دیا۔اس نوجوان نے کچھ دن تو صبر کیا لیکن پھر گناہ کر بیٹھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اسے کہہ دو کہ میں اس سے ناراض

ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغام پہنچا دیا۔ وہ بندہ صحرا کی طرف نکل گیا اور کہنے لگا، یا الٰہی! تو نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کیسا پیغام بھیجا ہے؟ کیا تیرے مغفرت (معافی) کے خزانے ختم ہو گئے؟ میرے مولا! کون سا میرا گناہ تیری رحمت سے بڑا ہے، جو معاف ہونے کے قابل نہیں؟ تو نے فرمایا ہے کہ تو میری مغفرت نہیں فرمائے گا۔ اے اللہ! تو کیسے میری مغفرت نہیں کرے گا کہ تیری صفات میں ایک صفت ہے کہ تو بڑا کریم ہے! اے اللہ! تو اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے مایوس کرے گا تو وہ کون سے دروازے پر جائیں گے! اے اللہ! اگر تو انھیں دھتکارے گا تو وہ کہاں جائیں گے! اے اللہ! اگر تیری رحمت ختم ہو گئی ہے تو اے اللہ! مجھے عذاب دے دے! اے اللہ! اپنے باقی سارے بندوں کے گناہ بھی میرے سر ڈال دے! اے اللہ! میں سب کی طرف سے فدیہ (گناہوں کا بدلہ) بن جاؤں گا۔ مجھ کو عذاب دے دے باقی سب کو معاف فرما دے۔

اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی، اس بندے کو کہہ دیجیے اگر تیرے گناہ آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلے کو بھر دیتے تو پھر بھی میں تیری اس دعا کے بعد تیرے سارے گناہ معاف کر دیتا۔ اس لیے کہ تو نے میرے عفو (معافی) اور میری رحمت کو سمجھ لیا ہے۔

حضرت ابو سعید بن ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک رباعی میں لکھتے ہیں

باز آ باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نو میدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی، باز آ

(واپس آ جاؤ، واپس آ جاؤ، تم جو بھی ہو، واپس آ جاؤ)
(تم کافر ہو، مجوسی ہو یا بت پرست، واپس آجاؤ)
(یہ ہماری درگاہ نا امیدی کی درگاہ نہیں ہے)
(اگر سو بار توبہ توڑ چکے ہو تو بھی واپس آ جاؤ)

(4) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی چل رہے تھے کہ انہیں بارش نے گھیر لیا۔ انہوں نے پہاڑ میں ایک غار میں پناہ لی۔ غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک پتھر آ کر گر گیا۔ اس سے اس غار کا منہ بند ہو گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا: اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو، جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے ہوں اور اس کے ذریعہ اللہ پاک سے دعا مانگو۔ شاید اللہ تعالیٰ تم سے اس مصیبت کو ٹال دے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میرے والدین بہت بوڑھے تھے۔ میری بیوی بھی تھی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ میں جانور چرایا کرتا تھا۔ جب میں ان کے پاس شام کو واپس آتا دودھ دھوتا، تو میں اپنے والدین کو اپنے بچوں سے پہلے پلاتا۔ ایک دن جنگل کے دور ہونے کی وجہ سے مجھے دیر ہو گئی۔ میں رات کو گھر آیا، تو میں نے اپنے والدین کو سویا ہوا پایا۔ میں نے پہلے کی طرح دودھ دھویا اور دودھ کا برتن لے کر والدین کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ میں نے انہیں ان کی نیند سے اٹھانا مناسب نہیں جانا اور مجھے ان سے پہلے اپنے بچوں کو پلانا بھی اچھا نہیں لگا۔ بچے میرے قدموں کے پاس چلا رہے تھے، مگر میں نے انہیں دودھ نہیں دیا۔ صبح ہونے تک میرا معاملہ یونہی رہا۔ اے اللہ! پس تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا۔ اے میرے پروردگار! ہمارے لیے کچھ کشادگی (وسعت) فرما دے، جس سے ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اتنی کشادگی فرما دی کہ انہوں نے آسمان دیکھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوسرے شخص نے عرض کیا: اے اللہ پاک! میری ایک چچا زاد بہن تھی۔ اس سے میں محبت کرتا تھا۔ جس طرح مردوں کو عورتوں سے سخت محبت ہوتی ہے۔ میں نے اس سے اس کی ذات کو طلب کیا۔ بدکاری کا اظہار کیا، تو اس نے ایک سو دینار لانے تک انکار کر دیا۔ میں نے بڑی محنت کر کے سو دینار جمع کئے اور اس کے پاس لایا۔ پس جب میں اس کے قریب بیٹھ گیا، تو اس نے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے بندے! اللہ پاک سے

ڈر، مہر ادا کر اور رشتہ قائم کر۔ میں اس سے کھڑا ہو گیا۔ یا اللہ! تجھے یقیناً علم ہے کہ میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے۔ پس ہمارے لیے کچھ کشادگی فرما دے۔ پس ان کے لیے مزید کشادگی فرما دی گئی۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تیسرے شخص نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں نے ایک مزدور کو ایک فرق [1] چاول مزدوری پر رکھا۔ جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا، تو کہا کہ میرا حق مجھے دے دو۔ میں نے اسے فرق دینا چاہا، تو وہ منہ پھیر کر چلا گیا۔ پس میں اس کے پیچھے زراعت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس سے گائے اور ان کے چرواہے میرے پاس جمع ہو گئے۔ پس وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ پاک سے ڈر اور میرے معاملے میں ظلم نہ کر۔ میں نے کہا کہ وہ گائے اور ان کے چرواہے لے جاؤ۔ اس نے کہا کہ اللہ پاک سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا۔ وہ بیل اور ان کے چرواہے لے جاؤ۔ اس نے انہیں لیا اور چلا گیا۔ اے میرے پروردگار! اگر تیرے علم میں میرا یہ عمل تیری رضا کے لیے تھا، تو ہمارے لیے باقی راستہ بھی کھول دے۔ اللہ تعالیٰ نے باقی راستہ بھی کھول دیا اور وہ غار سے نکل کر چل دیے۔ (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:2179)

(5) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنگ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک مقام پر اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: راستے میں ایک شخص ملے گا، جس نے تین دن سے شیطان کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ چنانچہ صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ اس ویران علاقے میں ایک شخص کو دیکھا۔ جس کا گوشت ہڈیوں سے چپکا ہوا تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ ہونٹ جنگل کی گھاس کھانے کی وجہ سے سبز ہو چکے تھے۔ جیسے ہی وہ شخص آگے بڑھا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف کرایا۔ چنانچہ اس شخص نے حضور نبی

---

[1] فرق زمانہ قدیم میں وزن کا ایک پیمانہ تھا جو موجودہ تقریباً آٹھ کلو کے برابر ہوتا تھا۔

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے اسلام کی تعلیم دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کہو: اشھد ان لا الہ الا اللہ، و انی رسول اللہ۔ چنانچہ اس نے ان دونوں شہادتوں کا اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان المبارک کے مہینے میں روزے رکھنا۔ اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ استطاعت ہونے کی صورت میں بیت اللہ شریف کا حج کرنا، صاحبِ نصاب [۱] ہونے کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنا اور غسل جنابت [۲] کرنا۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے۔ وہ شخص بھی ساتھ تھا لیکن اس کا اونٹ پیچھے رہ گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہر گئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس شخص کو تلاش کرنے لگے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دیکھا کہ اس شخص کے اونٹ کا پاؤں جنگلی چوہوں کے بِل میں دھنس گیا اور اونٹ گر گیا۔ گرنے کی وجہ سے اونٹ اور اس سوار کی گردن ٹوٹ گئی اور دونوں ہی ختم ہو گئے۔ چنانچہ یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دی گئی۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً حکم دیا کہ ایک خیمہ لگایا جائے اور اس سوار کو غسل دیا جائے۔ غسل کے بعد خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمہ میں تشریف لائے اور اس کو کفن پہنایا۔ خیمہ سے باھر نکلے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: یہ دیہاتی شخص بھوکا اس دنیا سے گیا ہے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے توبہ کی اور ایمان لایا۔ اس نے ایمان کے بعد کسی پر ظلم و ستم نہیں کیا۔ خود کو گناہوں سے آلودہ نہ کیا۔ جنت کی حوریں بہشتی پھلوں کے ساتھ اس کی طرف آئیں اور پھلوں سے اس کا منہ بھر دیا۔ ان میں ایک حور کہتی تھی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اس کی زوجہ قرار دیں اور دوسری کہتی تھی کہ مجھے اس کی زوجہ قرار دیں۔ (بحار الانوار، ص:282)

(6) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام

۱۔ مالی اعتبار سے خوشحال شخص جس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔
۲۔ شرعی احکام کے تحت ناپاکی کے بعد نہانا۔

لڑائیوں میں حاضر رہا، مگر غزوہ بدر [1] اور غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گیا۔ غزوہ بدر میں پیچھے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عتاب (غصہ) نہیں ہوا۔ غزوہ بدر میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ قریش کے قافلہ کا پیچھا کیا جائے۔ دشمنوں کو اللہ تعالیٰ نے اچانک حائل کر دیا اور جنگ ہوگئی۔ جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل کبھی بھی میرے پاس دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں مگر اس غزوہ کے وقت میرے پاس دو سواریاں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ جب کہیں جنگ کا خیال کرتے تو صاف صاف پتہ نشان اور جگہ نہیں بتاتے تھے بلکہ کچھ گول مول الفاظ میں ظاہر کرتے تھے تا کہ کوئی دوسرا مقام سمجھتا رہے۔ جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہونے کا وقت آیا تو شدید گرمی تھی۔ راستہ لمبا اور ویران تھا۔ دشمن کی تعداد زیادہ تھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو پورے طور پر بتا دیا کہ ہم تبوک جا رہے ہیں تا کہ تیاری کر لیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بڑی تعداد میں مسلمان موجود تھے مگر کوئی ایسا رجسٹر نہیں تھا کہ اس میں سب کے نام لکھے ہوئے ہوں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا کہ جو اس لڑائی میں شریک ہونا نہ چاہتا ہو، مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی کرتے تھے کہ کسی کی غیر حاضری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ وحی نہ آئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ وقت میوہ کے پکنے کا تھا۔ سایہ میں بیٹھنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ سب تیاریاں کر رہے تھے مگر میں ہر صبح کو یہی سوچتا تھا کہ میں تیاری کر لوں گا کیا جلدی ہے، میں تو ہر وقت تیاری کر سکتا ہوں۔ اسی طرح دن گزرتے رہے۔ ایک روز صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہو گئے۔ میں نے سوچا ان کو جانے دو اور میں ایک دو دن میں تیاری کر کے راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔ دوسری صبح کو میں نے تیاری

---

[1] وہ لڑائی جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود شرکت فرمائی ہو غزوہ کہلاتی ہے۔ غزوہ بدر 17 رمضان 2 ہجری بمطابق 13 مارچ 624ء کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں مسلمانوں اور ابو جہل کی قیادت میں مکہ کے قبیلہ قریش اور دیگر عربوں کے درمیان میں مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں بدر نامی مقام پر ہوا۔ اسے غزوہ بدر کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

کرنی چاہی مگر نہ ہوسکی اور میں یوں ہی رہ گیا۔ تیسرے روز بھی یہی ہوا اور پھر میرا برابر یہی حال ہوتا رہا۔ اب سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے۔ میں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ آپ ﷺ سے جا کر مل جاؤں مگر تقدیر میں نہ تھا۔ کاش! ایسا کر لیتا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے چلے جانے کے بعد میں جب مدینہ طیبہ میں چلتا پھرتا تو مجھ کو یا تو منافق نظر آتے یا وہ نظر آتے جو کمزور اور بیمار تھے۔ مجھے بہت افسوس ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے راستہ میں مجھے کہیں بھی یاد نہیں کیا۔ البتہ تبوک پہنچ کر جب سب لوگوں میں تشریف فرما ہوئے، تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ وہ تو اپنے حسن پر فخر کرنے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے اچھی بات نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ! ہم تو انہیں اچھا آدمی جانتے ہیں۔ آپ ﷺ یہ سن کر خاموش ہو رہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ واپس آرہے ہیں تو میں سوچنے لگا کہ کوئی ایسا حیلہ بہانہ ہاتھ آجائے جو آپ ﷺ کے غصہ سے مجھے بچا سکے۔ میں اپنے گھر کے سمجھدار لوگوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اس سلسلہ میں کچھ تم بھی سوچو۔ مگر جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ کے بالکل قریب آ گئے ہیں، تو میرے دل سے اس حیلہ کا خیال دور ہو گیا۔ میں نے یقین کر لیا کہ جھوٹ آپ ﷺ کے غصہ سے نہیں بچا سکے گا۔ اگلی صبح آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد نبوی میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر بھی حضور نبی پاک ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے اور دو رکعت نفل ادا فرمائے۔ اب جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور اپنے اپنے عذر (بہانے) بیان کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ اسی (80) تھے یا اس سے کچھ

زیادہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کے عذر قبول کر لئے اور ان سے دوبارہ بیعت لی اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور ان کے دلوں کے خیالات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بھی آیا السلام علیکم کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی مسکراہٹ سے جس میں غصہ بھی جھلک رہا تھا جواب دیا اور ارشاد فرمایا کہ آؤ! میں سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا: کعب (رضی اللہ عنہ) تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے؟ حالانکہ تم نے تو سواری کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ میں نے عرض کیا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا درست ہے۔ میں اگر کسی اور کے سامنے ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے بہانہ وغیرہ کر کے چھوٹ جاتا کیونکہ میں بول بھی خوب سکتا ہوں مگر اللہ پاک گواہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں نے جھوٹ بول کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کر لیا، تو کل اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں قصوروار ہوں حالانکہ مال و دولت میں کوئی بھی میرے برابر نہیں ہے۔ مگر میں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی غزوہ میں شریک نہ ہو سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: کعب (رضی اللہ عنہ) نے صحیح بات بیان کر دی۔ اچھا جاؤ اور اپنے بارے میں اللہ پاک کے حکم کا انتظار کرو۔

میں اٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے آدمی بھی میرے ساتھ ہو لیے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو اب تک تمہارا کوئی گناہ نہیں دیکھا ہے۔ تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی بہانہ پیش کر دیا ہوتا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے مغفرت آپ رضی اللہ عنہ کے لئے کافی ہوتی۔ وہ برابر مجھے یہی سمجھاتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ واپس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤں اور پہلے والی بات کو غلط ثابت کر کے کوئی بہانہ پیش کر دوں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے؟ جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بھی وہی فرمایا ہے جو کہ تم سے ارشاد کیا ہے۔ میں نے ان کے نام پوچھے تو پتا چلا کہ ایک حضرت مرارہ بن ربیع عمروی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ

دونوں نیک آدمی تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ مجھے ان سے ملنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔غرض ان دو آدمیوں کا نام سن کر مجھے اطمینان ہو گیا اور میں چل دیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو منع فرما دیا تھا کہ ان تین آدمیوں سے کوئی بات نہ کرے۔مگر دوسرے رہ جانے والے اور جھوٹے بہانے کرنے والوں کے لئے یہ حکم نہیں دیا تھا۔آخر لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کر دیا۔ہم ایسے ہو گئے جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔جیسا کہ آسمان و زمین بدل گئے ہیں۔ پچاس راتیں اسی حال میں گزر گئیں۔میرے دونوں ساتھی تو گھر میں بیٹھ گئے مگر میں ہمت والا تھا، گھر سے باہر نکلتا۔نماز باجماعت میں شریک ہوتا۔بازار وغیرہ جاتا، مگر کوئی بات نہیں کرتا تھا۔

میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی آتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصلے پر تشریف رکھے ہوتے۔ میں سلام کرتا اور مجھے ایسا شک ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔شاید سلام کا جواب دے رہے ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا مگر آنکھ چرا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دیکھتا رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ میں جب نماز میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھتے رہتے۔جب میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منہ پھیر لیا کرتے تھے۔اس حال میں مدت گزر گئی اور میں لوگوں کی خاموشی سے عاجز آ گیا۔پھر اپنے چچا زاد بھائی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس باغ میں آیا اور سلام کیا۔اس سے مجھے بہت محبت تھی مگر اللہ تعالیٰ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: اے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ! تو مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حامی جانتا ہے یا نہیں؟ مگر اس نے جواب نہ دیا۔ پھر میں نے قسم کھا کر یہی بات کہی، مگر جواب نہ ملا۔ میں نے تیسری مرتبہ یہی کہا، تو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا جواب دیا کہ اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب معلوم ہے۔ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس چل دیا۔

میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ ایک نصرانی کسان جو ملک شام کا رہنے والا تھا اور اناج

فروخت کرنے آیا تھا وہ میرا پتہ لوگوں سے معلوم کر رہا تھا۔لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔وہ میرے پاس آیا اور غسان کے نصرانی بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا۔اس خط میں لکھا تھا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلیل نہیں بنایا ہے۔تم بہت کام کے آدمی ہو۔تم میرے پاس آجاؤ۔ہم تم کو بہت آرام سے رکھیں گے۔میں نے سوچا یہ دوہری آزمائش ہے اور پھر اس خط کو آگ کے تندور میں ڈال دیا۔

ابھی صرف چالیس راتیں گزری تھیں اور دس باقی تھیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حضرت حزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مجھ سے آکر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔میں نے کہا کیا مطلب ہے؟ طلاق دے دوں یا کچھ اور؟ حضرت حزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بس الگ رہو اور تعلق نہ رکھو۔ایسا ہی حکم میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ملا تھا۔میں نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے رشتہ داروں میں جا کر رہو، جب تک اللہ تعالیٰ میرا فیصلہ نہ فرما دے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ میرا خاوند بہت بوڑھا ہے اگر میں اس کا کام کر دیا کروں تو کوئی برائی تو نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں مگر وہ تعلق نہیں رکھ سکتا۔اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس میں تو ایسی خواہش ہی نہیں ہے اور جب سے یہ بات ہوئی ہے، روتا رہتا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے کچھ میرے عزیزوں نے کہا کہ تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر اپنی بیوی کے بارے میں ایسی ہی اجازت حاصل کر لو تا کہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے۔جس طرح حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اجازت مل گئی ہے۔میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ارشاد فرمائیں۔میں نوجوان آدمی ہوں۔حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی مانند کمزور نہیں ہوں۔

اس کے بعد وہ دس راتیں بھی گزر گئیں اور میں پچاسویں رات کی صبح کو نماز کے بعد اپنے گھر کے پاس بیٹھا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی بہت مشکل ہو چکی ہے۔ زمین میرے لئے اپنی وسعت (کھلا ہونے) کے باوجود تنگ ہو چکی ہے کہ اتنے میں کوہ سلع [1] پر سے کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ! تم کو بشارت دی جاتی ہے۔ اس آواز کے سنتے ہی میں خوشی سے سجدہ میں گر پڑا اور یقین کر لیا کہ اب یہ مشکل آسان ہو گئی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر کے بعد لوگوں سے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کا قصور معاف کر دیا ہے۔ اب لوگ میرے پاس اور میرے ان ساتھیوں کے پاس خوشخبری اور مبارکباد کے لئے جانے لگے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کو بھگاتے ہوئے میرے پاس آئے اور ایک دوسرا آدمی بنی سلمہ کا کوہِ سلع پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اس کی آواز جلدی میرے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس وقت میں اس قدر خوش ہوا کہ اپنے کپڑے اس کو دے دیے۔ حالانکہ میرے پاس ان کے سوا کوئی دوسرے کپڑے نہیں تھے۔ میں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے دو کپڑے لے کر پہنے۔

میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا۔ راستہ میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا، جو مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمہیں مبارک ہو۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مجھے دیکھ کر دوڑے اور مصافحہ کیا۔ پھر مبارکباد دی۔ مہاجرین میں سے یہ کام صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں ان کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے کعب رضی اللہ عنہ! یہ

---

[1]۔ مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں واقع ایک پہاڑ کا نام۔

دن تمہیں مبارک ہو۔ یہ دن تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک سب دنوں سے اچھا ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور نبی کریم ﷺ! یہ معافی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے یا آپ ﷺ کی طرف سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کیا گیا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی اس نجات اور معافی کے شکریہ میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے خیرات نہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تھوڑا کرو اور کچھ اپنے لئے بھی رکھو کیونکہ یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ میں نے عرض کیا ٹھیک ہے۔ میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات پائی ہے۔ اب میں تمام زندگی سچ ہی بولوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نہیں کہہ سکتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے اللہ پاک نے کسی پر ایسی مہربانی فرمائی ہو، جیسی مجھ پر کی ہے۔ اس وقت سے جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سچی بات کہہ دی، پھر اس وقت سے اب تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میں امید کرتا ہوں کہ زندگی بھر اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹ سے بچائے گا۔

(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:1605)

(7) حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک بہت عجیب اور سبق آموز واقعہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے بنوقریظہ [1] کا محاصرہ کیا، جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، تو بنوقریظہ نے یہ پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ اپنے صحابی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم ان سے اپنے بارے میں مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس پیغام کو منظور فرما لیا اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ جب بنوقریظہ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، تو ان کے مرد و عورت اور بچے بوڑھے سب ہی ان کے آگے

---

[1]۔ مدینہ منورہ کا ایک یہودی قبیلہ جس نے غزوہ خندق میں مسلمانوں کے خلاف سازش اور غداری کی حالانکہ ان کا مسلمانوں سے سیاسی معاہدہ بھی تھا۔

رونے اور گڑگڑانے لگے۔ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا دل پسیج گیا۔ پھر انہوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مان لیں اور خود کو ان کے حوالہ کر دیں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ اس کے جواب میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر ظاہر کیا کہ تم ذبح کر دیئے جاؤ گے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات کہی اور ابھی وہاں سے قدم نہیں اٹھایا تھا کہ مجھے خیال آیا اور اس بات پر سخت شرمندہ ہوا کہ میں نے اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خیانت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِكُمْ.

(سورۃ الانفال، آیت: 27)

(اے ایمان والو! نہ تو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ شرمندگی کے احساس سے بے تاب ہو گئے اور پریشانی میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچے۔خود کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا اور یہ اعلان کیا کہ جب تک میں توبہ نہ کر لوں اور پھر جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کر لے مجھ پر کھانا پینا حرام ہے۔

جب نماز کا وقت آتا تو ان کے بیٹے آتے اور ان کو کھول دیتے۔ پھر جب وہ نماز پڑھ لیتے ان کے ہاتھ باندھ دیتے۔لوگ ان کے پاس آتے تو کھولنے کے لئے کہتے تو انکار کر دیتے اور فرماتے کہ جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود آ کر نہ کھولیں گے میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ چنانچہ مسلسل سات دن تک اسی طرح اس ستون سے بندھے کھڑے رہے، یہاں تک کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔اس کے بعد لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے۔اب تو خود کو کھول لو؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! جب تک حضور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پاک ہاتھوں سے مجھے نہیں کھولیں گے میں خود اپنے آپ کو ہرگز نہیں کھولوں گا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں کھولا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا کہ اپنی توبہ کو کامل کرنے کے لئے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اپنے سارے مال کو خیرات کر دینا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ سارا مال خیرات کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے سارے مال کا تہائی حصہ خیرات کرنا اس مقصد کے لئے کافی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:3، رقم الحدیث:611)

(8) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد مسجد سے باہر نکلا۔ راستے میں ایک عورت نے مجھ سے دریافت کیا کہ مجھ سے ایک کبیرہ (بڑا) گناہ سرزد ہو گیا ہے کیا میں توبہ کر سکتی ہوں؟ میں نے پوچھا، تم نے کیا گناہ کیا ہے؟ عوت نے جواب دیا کہ مجھ سے بدکاری ہو گئی۔ پھر جب اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے ہلاک کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کہا کہ تو تو برباد ہو گئی۔ تیرے لیے توبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی وہ عوت بے ہوش ہو کر گر گئی۔ میں اپنے رستے پر چل پڑا۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیے بغیر یہ بات کیوں کہہ دی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے بہت برا کیا۔ کیا تم اس آیت کے بارے میں نہیں جانتے؟

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا. (سورۃ الفرقان، آیت:70)

(جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ پاک بخشنے والا مہربان ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سنتے ہی میں اس عورت کو ڈھونڈنے کی غرض سے باہر

نکلا۔ ہر ایک سے اس عورت کے بارے میں پوچھنا شروع کیا اور اس قدر پریشان ہوا کہ بچوں نے مجھے دیوانہ سمجھنا شروع کر دیا۔ آخرکار مجھے وہ عورت مل گئی۔ جب میں نے اسے قرآن پاک کی یہ آیت سنائی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور اسی خوشی میں اس نے اپنا باغ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے صدقہ کر دیا۔

(9) ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ پاک کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ اچانک آپ رضی اللہ عنہ کو ایک نوجوان دکھائی دیا، جو اپنے کپڑوں کے نیچے شراب کی بوتل چھپا کر چلا آ رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس جوان سے پوچھا اس بوتل میں کیا لے جا رہے ہو؟ نوجوان شرم اور ڈر کی وجہ سے یہ نہ کہہ سکا کہ اس بوتل میں شراب ہے۔ مگر اس نے اپنے دل میں اسی وقت خدا پاک سے توبہ کر لی اور دعا مانگی: یا اللہ پاک! مجھے آج حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے شرمندہ اور رسوا ہونے سے بچا لے۔ میرے عیب کی پردہ پوشی کر لے۔ میں آئندہ کبھی شراب نہیں پیوں گا۔ اس کے بعد نوجوان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ امیر المومنین (رضی اللہ عنہ) اس میں سرکہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے دکھاؤ۔ جب بوتل کو کھول کر دیکھا گیا تو شراب سرکہ میں تبدیل ہو چکی تھی۔

(10) عتبہ الغلام ایک ایسا جوان تھا جو اپنے برے کاموں کی وجہ سے کافی شہرت رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ قرآن پاک کی آیت

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ. (سورۃ الحدید، آیت:16)

(کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے ڈریں)

کی تفسیر فرما رہے تھے۔ اس جوان نے پوچھا کہ اے شیخ! کیا مجھ بدبخت کی اللہ پاک توبہ قبول کرے گا؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں ضرور قبول کرے گا۔ اس نوجوان نے سر اٹھا کر اس وقت تین دعائیں مانگیں:

(i) اے اللہ تعالیٰ اگر تو نے میرے گناہوں کو معاف کر کے میری توبہ قبول کر لی ہے تو ایسے

حافظے اور عقل سے میری عزت افزائی فرما کہ میں قرآن مجید اور علم دین میں سے جو بھی سنوں وہ یاد ہو جائے۔

(ii) اے اللہ پاک مجھے ایسی آواز عطا فرما کہ میری قرات سن کر سخت سے سخت دل بھی موم ہو جائے۔

(iii) اے اللہ تعالیٰ مجھے رزق حلال ایسے طریقہ سے عطا فرما جس کا میں تصور بھی نہ کر سکوں۔

اللہ تعالیٰ نے عتبہ کی تینوں دعائیں قبول فرمائیں۔ اس کی عقل اور سمجھ بڑھ گئی۔ اس کی تلاوت قرآن پاک سن کر ہر گناہ گار گناہوں سے توبہ کر لیتا تھا اور خدا تعالیٰ اسے غیب سے رزق عطا فرماتا رہا۔

(11) حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک قصہ سنانے والے کی مجلس میں جایا کرتا تھا۔ اس کے کلام نے میرے دل پر اثر کیا۔ جب میں اٹھا تو میرے دل میں کوئی چیز باقی نہ رہی۔ دوبارہ آیا تو اس کے کلام نے میرے دل میں اثر کیا۔ حتیٰ کہ میں اپنے گھر کی طرف لوٹا۔ میں نے مخالفت کے تمام آلات توڑ دیے اور طریقت (دین) کی راہ کو اختیار کر لیا۔ یہ واقعہ حضرت یحیٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک چڑیا نے کونج کا شکار کیا اور کئی مرتبہ یہی فرمایا۔ انہوں نے چڑیا سے قصہ سنانے والا مراد لیا اور کونج سے حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ مراد لیے۔

(12) حضرت ابو عمرو نجید رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابتدائی مراحل میں حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جاتے تھے۔ ان کے کلام نے ان پر اثر کیا، چنانچہ انہوں نے توبہ کر لی۔ پھر ان سے سستی ہو گئی۔ چنانچہ جب وہ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے تو ان سے بھاگ جاتے اور ان کی مجلس سے دور رہنے لگے۔ ایک دن وہ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آ گئے، تو دوسرے راستے پر چلے گئے۔ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ ان کے پیچھے چلے اور چلتے رہے۔ حتیٰ کہ ان تک پہنچ گئے اور فرمایا: اے بیٹے! جو شخص تجھ سے معصوم ہونے کی وجہ سے محبت کرتا ہو، تو اس شخص کی صحبت اختیار نہ کر۔ ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ تجھے اس حالت میں بھی نفع پہنچا سکتا ہے۔ پس حضرت

ابوعمرو نجید رحمۃ اللہ علیہ نے توبہ کی۔ دوبارہ ان کی محبت اختیار کی اور اس پر قائم رہے۔

(13) حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی مرید نے توبہ کی، پھر اس سے سستی ہوگئی۔ ایک دن وہ سوچ رہا تھا کہ اگر دوبارہ توبہ کرے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ غیبی آواز دینے والے نے آواز دی: اے فلاں! تم نے ہماری اطاعت کی تو ہم نے قبول کی۔ پھر تم نے چھوڑ دی تو ہم نے تمھیں مہلت دی اور اگر دوبارہ ہماری طرف آؤ گے تو ہم تمھیں قبول کریں گے۔ چنانچہ وہ نوجوان اپنے ارادے کی طرف لوٹ گیا اور اس پر قائم رہا۔

(14) امت مسلمہ کے ابتدائی دور میں ایک مشہور ڈاکو ڈاکہ ڈالنے کی غرض سے کسی مکان کی دیوار پر چڑھ رہا تھا کہ اتفاقاً اس وقت مالک مکان قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھا۔ اس نے یہ آیت پڑھی:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ.

(سورۃ الحدید، آیت:16)

(کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خوف کھائیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں؟)

جونہی یہ آیت اس نے سنی تو اللہ پاک کے خوف سے کانپنے لگا۔ پکارنے لگا: اے میرے پروردگار! اب اس کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ روتا ہوا دیوار سے اتر پڑا اور ایک سنسان کھنڈر نما مکان میں جا بیٹھا۔ ساری رات روتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ پھر اس نے سچی توبہ کی اور توبہ کی پختگی کی خاطر ارادہ کیا کہ اب ساری زندگی بیت اللہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاروں گا۔ وہاں علم حدیث پڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اپنے وقت کا بلند پایہ محدث (حدیث کا عالم) بنا۔

(15) حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک گلی سے گزر رہا تھا۔ ایک دروازہ کھلا۔ میں نے دیکھا کہ کوئی آٹھ نو سال کا بچہ ہے اور اس کی ماں ناراض ہوکر اس کو مار رہی

ہے۔ اس کو دھکے دے رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ تو نافرمان ہو گیا ہے۔ میری کوئی بات نہیں سنتا۔ کوئی کام نہیں کرتا۔ یہاں سے دفع ہو جا۔ یہ کہہ کر ماں نے دھکا دیا تو بچہ گھر سے باہر آ گیا اور ماں نے اندر سے کنڈی لگا لی۔ میں وہیں کھڑا رہا کہ دیکھوں اب کیا ہوتا ہے۔ بچہ رو رہا تھا چونکہ مار پڑی تھی۔ خیر وہ اٹھا اور کچھ سوچتا ہوا ایک طرف کو چلنے لگا۔ چلتے چلتے وہ گلی کے موڑ پر پہنچا۔ وہاں کھڑے ہو کر کچھ سوچتا رہا، پھر واپس آنا شروع کر دیا اور اپنے گھر کے دروازے پر آ کر بیٹھ گیا۔ تھکا ہوا تھا۔ رو بھی کافی دیر سے رہا تھا۔ دہلیز پر سر رکھا تو نیند آ گئی اور وہیں سو گیا۔ کافی دیر کے بعد اس کی والدہ نے کسی کام کے لئے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتی ہے کہ بیٹا دہلیز پر سر رکھے پڑا ہوا ہے۔ والدہ کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ وہ پھر ناراض ہونے لگی اور کہنے لگی: یہاں سے چلا جا، میری نگاہوں سے دور ہو جا۔

جب ماں نے پھر اسے ڈانٹا تو وہ بچہ کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگا: امی جان! جب مجھے آپ نے گھر سے نکال دیا تھا تو میں نے سوچا کہیں چلا جاؤں گا۔ بازار جا کر بھیک مانگ لوں گا۔ کچھ نہ کچھ کھانے کو بھی مل جائے گا۔ امی جان! میں نے سوچا تھا کہ کسی کے جوتے صاف کر لوں گا۔ کسی کے گھر کا نوکر بن جاؤں گا۔ مجھے رہنے کے لیے جگہ بھی مل جائے گی اور کھانا بھی مل جائے گا۔ امی جان! یہ سوچ کر میں گلی کے موڑ تک چلا گیا۔ مگر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے دنیا کی سب نعمتیں مل جائیں گی لیکن جو محبت مجھے آپ دے سکتی ہیں وہ کہیں نہیں مل سکتی۔ یہ سوچ کر واپس آ گیا ہوں۔ میں اسی در پر پڑا رہوں گا، آپ مجھے دھکے دیں یا ماریں، میں کہیں نہیں جاؤں گا۔

جب ماں نے یہ بات سنی تو اس کی ممتا جوش میں آ گئی۔ اس نے بچے کو سینے سے لگایا اور کہا: اے میرے بیٹے! اگر تیرے دل میں یہ کیفیت ہے کہ جو محبت میں تجھے دے سکتی ہوں وہ کوئی نہیں دے سکتا، تو میرے بچے میرا دروازہ بھی تیرے لئے کھلا ہے۔ اس نے بیٹے کو معاف کر دیا اور محبت سے اپنی گود میں بٹھا لیا۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب گناہ گار بندہ اس احساس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر آتا ہے۔ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے۔ اپنے رب سے معافی مانگتا ہے۔ اس سے رحم کی امید رکھتے ہوئے سچی توبہ کرتا ہے، تو پھر پروردگار عالم بھی اپنے بندے کو معاف فرما دیتا ہے اور اس کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

(16) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ اپنے شاگردوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر دریائے نیل میں جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک دوسری کشتی آئی جس میں لوگ خوب گا بجا رہے تھے۔ انہوں نے کشتی میں طرح طرح کی شرارتوں سے ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے لیے بددعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو غرق کر دے اور ان کی نحوست سے اپنی مخلوق کو پاک فرمائے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت اٹھے اور اللہ پاک سے یہ دعا فرمائی: اے میرے خدا! ان لوگوں کو تو نے جیسے اس دنیا میں خوشی عطا فرما رکھی ہے اسی طرح آخرت میں بھی ان کو خوش رکھنا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد یہ دعا سن کر حیران ہوئے۔ اتنے میں وہ کشتی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بالکل سامنے آ گئی۔ ان لوگوں نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی سخت شرمندگی و پشیمانی کا اظہار کیا۔ برائی کے سامان کو دریا میں پھینک دیا اور توبہ کر کے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا: تم نے دیکھ لیا کہ سب کی مراد پوری ہو گئی۔ تمہاری بھی اور ان کی بھی۔

(17) حضرت ابوعلی شفیق بن ابراہیم ازدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھا آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے شیخ میں بہت گناہ گار ہوں اور توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا: بابا بہت دیر سے آئے ہو۔ اس بوڑھے نے جواب دیا: نہیں بلکہ بہت جلد آ گیا ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ بوڑھے نے جواب دیا کہ جو شخص موت سے پہلے توبہ کے لیے آ جائے وہ جلدی آنے والا ہے خواہ کتنا ہی دیر سے آیا ہو۔

2

مقام تقویٰ

1 تقویٰ کا تعارف

(1) تقویٰ (پرہیزگاری) سلوک کا ایک بلند مقامِ ہے۔جس کا مطلب گناہوں سے بچنا ہے۔ جب انسانی دل پر ایمان کا نور نازل ہوتا ہے،تو وہ انسان کو شک وشبہ میں ڈالنے والی چیزوں سے روکتا ہے۔انہی شک وشبہ میں ڈالنے والے امور سے بچنا مقام تقویٰ ہے۔اس مقام کو ورع (خوف) بھی کہتے ہیں۔

(2) تقویٰ کا حکم اوراس کی اہمیت قرآن مجید میں جس قدر بیان ہوئی ہے غالباً کسی اور چیز کی نہیں ہوئی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا مقام بہت بلند ہے۔قرآن پاک کے مطابق تقویٰ کے دو معنی ہیں: ایک ڈرنا، دوسرا بچنا۔غوروفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا اصل مقصود تو گناہ سے بچنا ہی ہے،مگر اس کا سبب اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے کیونکہ جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے،تب ہی اس سے بچا جاتا ہے۔

(3) تقویٰ کا ایک مفہوم اللہ تعالیٰ کا شعور بھی ہے جس کی وجہ سے انسان برے اور شک والے کاموں سے بچتا ہے۔

2 تقویٰ کا قرآنی مفہوم

قرآن پاک میں تقویٰ کے بارے میں بہت کچھ بیان ہوا ہے۔چند آیات یہ ہیں:

(1) يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ. (سورۃ آلِ عمران، آیت:102)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے)

اس آیت کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ایسا تقویٰ (ورع) اختیار کرو، جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہو لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کیونکہ انسان اس کی طاقت نہیں رکھتا۔دوسرے معنی یہ ہیں کہ انسان کی طاقت کے مطابق جو تقویٰ اللہ پاک کی شان کے لائق ہے اس کو بجالاؤ۔

(2) فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ. (سورۃ التغابن، آیت:16)

(پس جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ پاک سے ڈرتے رہو)

جتنا تقویٰ تم سے اس وقت ہوسکتا ہے، اس کو اختیار کرو۔ پھر ترقی کرتے رہو، یہاں تک کہ پورا تقویٰ حاصل ہو جائے۔ اس آیت نے پہلی آیت کی تفسیر کر دی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ حق تقویٰ طاقت اور استطاعت کے مطابق ہے۔

(3) لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. (سورۃ البقرہ، آیت: 177)

(نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کو اور یوم آخرت اور ملائکہ کو اور اللہ پاک کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں علیہم السلام کو دل سے مانے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک لوگ وہ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگدستی و مصیبت کے وقت اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہی لوگ سچے اور یہی لوگ متقی ہیں)

اس آیت میں تقویٰ (ورع) کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے کہ تقویٰ سے کیا مراد ہے:

(i) اللہ تعالیٰ پر ایمان
(ii) قیامت پر ایمان
(iii) فرشتوں پر ایمان
(iv) آسمانی کتابوں پر ایمان
(v) تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان۔
(vi) محبت الٰہی میں مال خرچ کرنا۔ یہ دل کی اصلاح سے متعلق ہے
(vii) پابندی سے نماز ادا کرنا۔ یہ جسمانی عبادت ہے

(viii) زکوٰۃ ادا کرنا۔ یہ مالی عبادت ہے

(ix) وعدہ پورا کرنا۔ یہ معاشرت سے متعلق ہے

(x) صبر کرنا۔ یہ اخلاقیات اور سلوک سے متعلق ہے

(xi) یہ کہ ظاہری عبادت کافی نہیں ہے۔ درج بالا تمام باتیں ظاہری طور پر کافی نہیں ہیں بلکہ صدق دل سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کی جائیں۔

(4) وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:203)

(اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ ایک روز اس کے حضور تمہاری پیشی ہونے والی ہے)

تقویٰ کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کو قیامت کے دن اللہ پاک کے حضور پیش ہونے کا خوف اور جزا وسزا کا خوف ہو۔

(5) وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ. (سورۃ البقرہ، آیت:233)

(اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، سب اللہ پاک کی نظر میں ہے)

اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ وہ ہمارے ظاہری اعمال، بلکہ ہماری نیتیں بھی خوب جانتا ہے۔ اللہ پاک چونکہ ہر عمل کو دیکھ رہا ہے، اس لیے ہمیں اللہ عزوجل سے حیا کرنا چاہیے۔

(6) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ.

(سورۃ البقرہ، آیت:235)

(اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کا حال تک جانتا ہے۔ لہٰذا اس سے ڈرو اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور درگزر والا ہے)

(i) ہم جو بھی عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم یہ عمل کیوں کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنی نیتوں کی حفاظت کرنی چاہیے کہ ہر عمل صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا کے لیے ہو۔ لیکن انسان سے خطا ممکن ہے۔ اس لیے ہمیں اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگتے رہنا چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بہت بردبار (برداشت کرنے والا) ہے۔ ہماری چھوٹی موٹی غلطیاں معاف فرماتا رہتا ہے۔

(ii) تقویٰ کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات کا شعور ہے۔اس کا خوف ہے۔اس کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس ہے۔اس کے ساتھ یہ بھی جاننا چاہیے کہ اگر ہم نے تقویٰ اختیار کرنے میں کوتاہی کی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور انسان کا حق مارا، تو پھر اس کے عذاب کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

(7) وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ. (سورۃ المائدہ، آیت:2، سورۃ الحشر، آیت:7)

(اور اللہ سے ڈرو! اس کی سزا بہت سخت ہے)

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ پاک سے ڈرتے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہیں۔اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔لیکن خطاؤں پر معاف فرمانے والا اور غفور ورحیم بھی ہے۔

(8) وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ. (سورۃ المائدہ، آیت:4)

(اور اللہ تعالیٰ کا قانون توڑنے سے ڈرو! اللہ پاک کو حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی)

اللہ تعالیٰ کے انصاف میں کسی حکمت کے سبب تاخیر ہو سکتی ہے۔یہ الگ بات ہے کہ وہ بردبار ہے۔رحم کرنے والا ہے۔تقویٰ اس لیے بھی کرنا چاہیے کہ ہمیں ایک دن حساب وکتاب دینا ہے۔

(9) فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ. (سورۃ المائدہ، آیت:100)

(پس اے لوگو! جو عقل رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو! تاکہ فلاح پاؤ)

(i) تقویٰ اختیار کرنا عقل کا تقاضا ہے۔عقل تسلیم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عظیم ہے، رحیم ہے، خالق ہے، رب ہے۔اس لیے اس کا حیا کرنا چاہیے اور یہ بہت بڑی بے عقلی کی بات ہے کہ انسان اللہ پاک کی ذات کا شعور نہ رکھے۔اس کی شان میں گستاخیاں اور نافرمانیاں کرے۔

(ii) انسان کی فلاح بھی تبھی ممکن ہے جب انسان اللہ پاک کے احکامات پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے۔

(10) قَالَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ. (سورۃ المائدہ، آیت:112)

((حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے) کہا، اللہ پاک سے ڈرو! اگر تم مومن ہو)

اس آیت میں ایمان اور تقویٰ کا تعلق بیان کیا گیا ہے۔ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ ہمیں ہر لمحہ

اللہ پاک کی ذات کا شعور حاصل رہے۔ یہ حیا سکھاتا ہے اور یہی اصل میں تقویٰ ہے۔ ایمان کا لازمی نتیجہ تقویٰ ہے۔

(11) وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ. (سورۃ المومنون، آیت:52)

(اور میں تمہارا پروردگار ہوں، پس مجھ ہی سے ڈرو!)

اللہ پاک پیار سے فرماتا ہے کہ میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔ تمہیں پالتا ہوں۔ اس لیے میرا حق ہے کہ میری ذات سے تمہارا تعلق ہو، محبت، حیا اور اطاعت ہو۔

(12) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا. (سورۃ لقمان، آیت:33)

(اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آئے گا)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ اے انسان تجھے میرا خیال رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ تمہیں ایک دن میرے پاس آنا ہے۔ قیامت کے دن میرے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ وہ بہت سخت دن ہوگا۔ وہاں کوئی محبت و تعلق کام نہیں آئے گا۔ حتیٰ کہ باپ اپنے بیٹے کو بھی نہیں بچا سکے گا اور نہ ہی بیٹا اپنے باپ کو بچا سکے گا۔

(13) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ. (سورۃ الحدید، آیت:28)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ پاک سے ڈرو اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر ایمان لاؤ! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ عطا فرمائے گا اور تمہیں وہ نور بخشے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تمہارے قصور معاف کر دے گا)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دوگنا رحمت عطا کرتا ہے۔ اپنی ہدایت کا نور عطا فرماتا ہے۔ غلطیاں کوتاہیاں معاف فرما دیتا ہے۔ یہ تقویٰ کے فائدے ہیں، جو اللہ تعالیٰ انعام کے طور پر عطا کرتا ہے۔

(14) اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ. (سورۃ المائدہ، آیت:27)

(اللہ پاک تو متقیوں ہی کے (اعمال) قبول کرتا ہے)

اعمال قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر منحصر ہے۔ ردو قبول کا اختیار اللہ پاک کے پاس ہے۔ اس آیت مبارکہ میں تقویٰ اختیار کرنے والوں کے اعمال کی قبولیت کا اللہ تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا ہے۔

(15) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:194، سورۃ التوبہ، آیت:36، 123)

(اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے)

تقویٰ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے۔

(16) وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ. (سورہ الجاثیہ، آیت:19)

(اللہ تعالیٰ متقیوں کا دوست ہے)

اللہ پاک اپنے فرمانبرداروں اور ڈرنے والوں کا دوست ہوتا ہے۔ ان کے سب کام سیدھے کیے جاتا ہے اور اس کی یہ دوستی ہمیشہ رہنے والی ہے، جو اس دنیا کے علاوہ آخرت میں بھی کام آئے گی۔

(17) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ. (سورۃ التوبہ، آیت:7)

(بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے)

اس آیت پاک میں واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ تقویٰ اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب بننے کا ذریعہ ہے۔ پس انسان تقویٰ میں جتنا آگے بڑھتا اور ترقی کرتا جائے گا، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی محبت پاتا جائے گا۔

(18) اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (سورۃ الحجرات، آیت:13)

(بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ پاک سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے)

نسلی بنیادوں پر اپنی بڑائی جتانے کا کوئی جواز نہیں بنتا کیونکہ یہ چیز بندے کے اپنے اختیار میں نہیں۔ جو چیز کسی کے اختیار میں نہ ہو، وہ بڑائی (فضیلت) کا معیار نہیں بن سکتی۔ اسی لئے یہاں پر بڑائی (فضیلت) کا معیار تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے، جو کہ انسان کے اپنے اختیار میں

ہے۔انسان جتنا زیادہ متقی ہوگا، اتنا ہی زیادہ خدا کے ہاں عزت والا ہوگا۔

(19) رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ. (سورۃ البینۃ، آیت:8)

(اللہ پاک ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ یہ اجر اس کے لیے ہے، جو اپنے پروردگار سے ڈرا)

(i) ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اور اس نے ہمیشہ اس کا لحاظ رکھا کہ میرا رب جو کہ میرا خالق (پیدا کرنے والا) اور مالک بھی ہے، وہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ مجھ سے ایسا کوئی کام نہ ہو جائے، جو اس کی رضا کے خلاف ہو۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔

(ii) زندگی کا سب سے بڑا مقصد جو صالح انسان اپنے سامنے رکھتا ہے۔ جس کی آرزو ہر بندہ مومن کرتا ہے کہ اسے اس سے نوازا جائے۔ یعنی کہ اس کا خالق و مالک اس سے راضی ہو جائے۔ رب کی رضا ہی انسان کا اصل مقصد ہے۔ اس سے دونوں جہانوں میں اصل کامیابی ملتی ہے۔

(iii) اللہ تعالیٰ کا خوف (تقویٰ) ہی وہ بنیادی چیز ہے، جس پر انسان کی حقیقی کامیابی اور دونوں جہانوں کی سعادت و سرخروئی کا دارومدار ہے۔

(20) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا. (سورۃ الطلاق، آیت:4)

(جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ پاک اس کے کام میں آسانی فرما دیتا ہے)

اس آیت میں اللہ پاک فرما رہا ہے کہ جو انسان مجھ سے ڈرتا ہے، میں اس کے کام میں آسانی فرما دیتا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے کام میں آسانی فرمانے کا اعلان فرما دیتا ہے، تو اس کی ہر تنگی آسان ہو جاتی ہے۔ ہر مشکل کام میں کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ انسان اس کے باوجود اتنے آسان اور عظیم نسخے سے ناواقف اور محروم ہے۔

(21) وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ. (سورۃ ق، آیت:31)

(اور جنت پرہیزگاروں کے لیے قریب لائی جائے گی کہ کچھ فاصلہ نہ ہوگا)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قیامت کے دن متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لئے ایک خاص انعام کے طور پر جنت کو ان کے بالکل قریب کر دیا جائے گا، تاکہ انہیں اس سے دلی سکون میسر ہو۔ وہ

اس کی نعمتوں سے با آسانی سے فائدہ اٹھاسکیں۔

(22) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ. (سورۃ الذاریات، آیت:15)

(بے شک پرہیز گار باغات اور چشموں میں ہوں گے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس بات کا اعلان فرما رہا ہے کہ متقی اور پرہیز گار لوگ ہی آخر کار جنت کے حق دار ہوں گے۔ وہاں پر وہ باغات اور چشموں کے مالک ہوں گے۔

(23) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ. (سورۃ الطور، آیت:17)

(بے شک پرہیز گار باغات اور نعمتوں میں ہوں گے)

متقی اور پرہیز گار لوگوں کے بہترین انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ جنہوں نے زندگی اپنے پروردگار سے ڈرتے ہوئے اور اس کے احکام کے مطابق گزاری ہوگی۔ زندگی بھر انہوں نے اس کی کوشش کی ہوگی کہ ہمارا رب ہم سے ناراض نہ ہو جائے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حق بات کو غور سے سنا اور دل سے قبول کیا اور اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل کیا۔ یہ لوگ عظیم الشان باغوں، چشموں اور طرح طرح کی نعمتوں میں ہوں گے۔ جن کو اس دنیاوی زندگی میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ انسان کی عقل ان کے تصور سے عاجز ہے۔

(24) وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى.

(سورۃ النازعات، آیت:41 - 40)

(اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اس نے اپنے نفس کو بری خواہش سے روکا، بیشک اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے)

اس آیت کریمہ میں ارشاد ربانی ہے کہ جو اس بات کا خیال کر کے ڈرے کہ مجھے ایک روز اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا ہے اور اسی ڈر سے اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلے بلکہ اسے اپنے قابو میں رکھے اور اللہ پاک کے احکام کے تابع بنائے، تو اس کا ٹھکانا بہشت ہوگا۔

(25) وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ. (سورۃ الرحمٰن، آیت:46)

(اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے، اس کے لیے دو باغات ہوں گے)

(i) اس ارشاد باری تعالیٰ میں صاف طور پر یہ خوشخبری سنائی گئی کہ اپنے رب سے ڈرنے والوں کے لیے دو باغ ہوں گے۔ ایک روحانی اور دوسرا مادی۔ دنیا میں صدق دل سے اللہ پاک سے محبت رکھتا اور اس کے احکام بجالاتا تھا اور ظاہری طور پر بھی اس کی ناراضگی اور مخالفت کے کاموں سے بچتا رہتا تھا۔ ایک جنت اس کو نیک اعمال کرنے پر اور دوسری برے اعمال چھوڑنے پر ملے گی۔

(ii) خوف خدا حقیقی کامیابی کی اصل بنیاد ہے۔ خوف خدا ہی انسان کو صبر اور حق پر قائم رکھ سکتا ہے ورنہ انسان کو بڑے سے بڑا جرم کرنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

(26) وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ.

(سورۃ البقرہ، آیت: 197)

(اور زادراہ لے لو، بیشک سب سے بہتر زادراہ تقویٰ ہے اور اے عقل والو! میرا تقویٰ اختیار کرو)

اس آیت پاک میں تقویٰ کو اپنے راستے کا سامان بنانے کی تلقین کی گئی ہے۔ انسان دو قسم کے اسفار کا مسافر ہے:

(i) ایک وہ سفر جو دنیا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے کرتا ہے۔

(ii) دوسرا وہ جو دنیا سے آخرت کی طرف طے کرتا ہے۔

جس طرح دنیاوی سفر کے لیے راستے کے سامان کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح آخرت کے سفر کے لیے بھی انسان کے پاس زادِراہ (راستے کا سامان) کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ دنیاوی سفر کا سامان کھانے، پینے، سواری اور مال و دولت پر مشتمل ہوتا ہے لیکن آخرت کا سفر اپنے خالق کی پہچان اور اس کی محبت پر مشتمل ہے۔

سفر آخرت کا سامان ان وجوہات کی بنا پر انتہائی ضروری ہے کہ

(i) یہ دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی سزا کا خدشہ پیدا کرنے والا ہے۔

(ii) دنیاوی سفر کا سامان تو مصیبت اور غم کے ایک ختم ہو جانے والے سلسلے سے نجات کا باعث ہے،

لیکن اخروی سفر کا سامان عذاب و مشکلات کے ایک دائمی (کبھی نہ ختم ہونے والے) سلسلے سے حفاظت کا ضامن ہے۔

(iii) سفر آخرت کا سامان ہمیشہ باقی رہنے والا اور ہر قسم کی نقصان دہ چیزوں سے نجات دینے والا ہے۔

(iv) سفر آخرت کا سامان ہمیشہ کے لیے ساتھ رہنے والا اور کبھی بھی جدا نہ ہونے والا ہے۔

(v) آخرت کے سفر میں مشکلات اور مصیبتیں آ سکتی ہیں۔

(v) اس لیے سفر آخرت کے لیے بہترین سامان تقویٰ ہی ہے۔

3 تقویٰ احادیث کی روشنی میں

(1) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، اللَّهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2405)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ،
اللَّهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا،
اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا

(اے میرے پروردگار! میں تجھ سے عاجز ہونے اور سستی اور بزدلی اور بخل اور بڑھاپے اور عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں

اے میرے پروردگار! میرے نفس کو تقویٰ عطا کر اور اسے پاکیزہ بنا۔ تو ہی پاکیزہ بنانے والوں میں سب سے اچھا ہے اور تو ہی دوست اور مولیٰ (آقا) ہے۔

اے میرے پروردگار! میں تجھ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع دینے والا نہ ہوں اور

ایسے دل سے جو ڈرنے والا نہ ہو اور ایسے نفس سے جو سیر ہونے والا نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول ہونے والی نہ ہو)

(2) عَنِ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا إِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:51)

(حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان ایسے غیر واضح معاملات ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے (آیا کہ وہ حلال ہیں یا حرام؟) پس جو شخص غیر واضح چیزوں سے بچتا ہے، وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو پاک کر لیتا ہے۔ جو شخص غیر واضح معاملات میں جا پڑتا ہے، وہ حرام میں بھی جا پڑتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مثال کے ذریعہ یہ حقیقت سمجھائی کہ سرکاری چراگاہ کی طرح ناجائز کاموں کے لیے بھی آڑ اور باڑ (حد) ہے۔ پس جو چرواہا باڑ سے دور اپنے جانور چرائے گا، اس کے جانور چراگاہ میں نہیں گھسیں گے۔ جو شخص اپنے جانور باڑ کے قریب چرائے گا تو ڈر ہے کہ اس کے جانور چراگاہ میں منہ مار لیں۔ سنو! ہر بادشاہ کے لیے ایک مخصوص چراگاہ ہوتی ہے۔ سنو! اللہ تعالیٰ کا منع کیا گیا علاقہ اس کے حرام کیے ہوئے امور (معاملات) ہیں۔ سنو! جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب وہ سنور جاتا ہے، تو سارا جسم سنور جاتا ہے۔ جب وہ بگڑ جاتا ہے، تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ جان لو! وہ دل ہے)

(3) عَنْ حَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ، وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيبَةٌ".
(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:418)

(حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ چیز چھوڑ دو جو تجھے شک میں ڈالے اور وہ چیز اختیار کرو جو شک میں نہ ڈالے۔ پس بیشک سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے)

(4) عَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَرًا لِمَا بِهِ الْبَأْسُ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1095)

(حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندہ اس وقت تک مقام تقویٰ حاصل نہیں کر پاتا جب تک کہ وہ حرام سے بچنے کی خاطر شک وشبہ والی اشیا سے بھی پرہیز نہیں کر لیتا)

(5) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:856)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بے مقصد کاموں کو ترک کر دے)

(6) عن أبي الدرداء رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قال: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اتَّقِ اللَّهِ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:4، رقم الحدیث:1012)

(حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو تم جہاں کہیں بھی ہو اگر تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے بعد نیک کام ضرور کرو تاکہ اس برائی کو مٹا دے اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ معاملہ کرو)

(7) عن أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ، وَثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ، فَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ: فَتَقْوَى اللهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالسُّخْطِ، وَالْقَصْدُ فِي الْغِنَى وَالْفَقْرِ، وَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ:

فَهَوًى مُتَّبَعٌ، وَشُحٌّ مُطَاعٌ، وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ، وَهِيَ أَشَدُّهُنَّ".

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:4، رقم الحدیث:1045)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں آخرت میں ہلاک کرنے والی ہیں۔

جو چیزیں نجات دینے والی ہیں وہ یہ ہیں:

(i) چھپے ہوئے اور ظاہر ہر عمل کے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔

(ii) خوشی و ناخوشی (ہر حالت) میں حق بات کہنا۔

(iii) دولت مندی و فقیری (دونوں حالتوں) میں درمیانی راہ اختیار کرنا۔

ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں:

(i) خواہش نفس کہ جس کی پیروی کی جائے۔

(ii) بخل (جس میں لالچ بھی ہو) کہ انسان جس کا غلام بن جائے۔

(iii) انسان کا اپنے نفس پر گھمنڈ کرنا اور یہ تیسری چیز سب سے بری ہے)

(8) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ، قَالَ: "التَّقْوٰى، وَحُسْنُ الْخُلُقِ".

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:4، رقم الحدیث:770)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو عام طور پر کون سی چیز جنت میں داخل کرتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق)

(9) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كُنْتُ عَلَى بَعِيرٍ صَعْبٍ، فَجَعَلْتُ أَضْرِبُهُ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِتَقْوَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالرِّفْقِ، فَإِنَّ الرِّفْقَ لَمْ يَكُ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا زَانَهُ". (مسند احمد، ج:9، رقم الحدیث:4285)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں ایک مضبوط اونٹ پر سوار ہوئی تو

اسے مارنے لگی۔ حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ (رضی اللہ عنہا)! اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور نرمی کرنا اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اسے خوبصورت بنا دیتی ہے)

(10) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِبَادَةٍ وَاجْتِهَادٍ وَذُكِرَ عِنْدَهُ آخَرُ بِرِعَةٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَعْدِلْ بِالرِّعَةِ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:419)

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص کی کثرتِ عبادت اور ریاضت (مشقت) کا ذکر کیا گیا جبکہ دوسرے شخص کے شبہات (غیر واضح معاملات) سے بچنے کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی عبادت پرہیز گاری کا مقابلہ نہیں کرسکتی)

(11) وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، يَقُوْلُ: "اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنَّهٗ، مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهٗ، طَرِيْقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ اَثَبْتُهٗ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ وَفَضْلٌ فِيْ عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلٍ فِيْ عِبَادَةٍ وَمِلَاكُ الدِّيْنِ الْوَرَعُ".

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:1، رقم الحدیث:243)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی بھیجی ہے کہ جو علم حاصل کرنے کا راستہ اختیار کرے، تو میں اس پر جنت کے راستے کو آسان کر دوں گا۔ جس آدمی کی میں نے دونوں آنکھیں چھین لی ہوں، اس کا بدلہ اسے جنت دوں گا۔ علم میں زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی جڑ پرہیز گاری ہے)

(12) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أُرِيدُ سَفَرًا، فَزَوِّدْنِي، قَالَ: "زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى".

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:2، رقم الحدیث:968)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں سفر میں روانہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں، مجھے سفر کا سامان دے دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تقویٰ کو تمہارے سفر کا سامان بنائے)

(13) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ خَرَجَ مَعَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُوصِيهِ وَمُعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي تَحْتَ رَاحِلَتِهِ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: "يَا مُعَاذُ إِنَّكَ عَسَى أَنْ لاَ تَلْقَانِي بَعْدَ عَامِي هَذَا وَلَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِي هَذَا، وَقَبْرِي". فَبَكَى مُعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ الْتَفَتَ فَأَقْبَلَ بِوَجْهِهِ نَحْوَ الْمَدِينَةِ، فَقَالَ: "إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي الْمُتَّقُونَ مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ كَانُوا". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:4، رقم الحدیث:1152)

(حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حاکم بنا کر یمن روانہ فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الوداع کہنے کے لئے کچھ دور تک ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو تلقین و نصیحت کرتے رہے۔ اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سواری پر تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری کے ساتھ چل رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصیحت سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا: معاذ (رضی اللہ عنہ)! میری عمر کے اس سال کے بعد شاید تم مجھ سے ملاقات نہیں کر سکو گے اور ممکن ہے کہ تم (جب یمن سے واپس لوٹو تو مجھ سے ملاقات کرنے کے بجائے) میری اس مسجد اور میری قبر سے گزرو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے غم میں رونے لگے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ مبارک حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پھیر کر مدینہ کی جانب کر لیا اور پھر ارشاد فرمایا: میرے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار رہیں۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں بھی ہو)

(14) قَالَ أَبُو كَبْشَةَ الْأَنَّمَارِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ثَلَاثَةٌ أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ، قَالَ: " مَا

نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ، وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً فَصَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ عِزًّا، وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا ". "وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ، قَالَ: إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ: عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَيَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَيَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ، يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَلَا يَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا، فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:211)

(حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تین چیزوں کے متعلق قسم کھاتا ہوں اور تم لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہوں، تم لوگ یاد رکھنا:

(i) کسی صدقہ کرنے والے کا مال صدقے سے کبھی کم نہیں ہوتا۔

(ii) کوئی مظلوم ایسا نہیں کہ اس نے ظلم پر صبر کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی عزت نہ بڑھائے۔

(iii) جو شخص اپنے اوپر سوال (بھیک مانگنے) کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر و محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

میں ایک بات کہتا ہوں: یاد رکھو کہ دنیا میں چار قسم کے لوگ ہیں:

(i)۔ ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دونوں دولتوں سے نوازا ہو اور وہ اس میں تقویٰ اختیار کرتا ہو، صلہ رحمی کرتا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہو وہ سب سے افضل ہے۔

(ii) وہ شخص جسے علم تو عطا کیا گیا لیکن دولت سے نہیں نوازا گیا چنانچہ وہ صدق دل کے ساتھ اپنی اس تمنا کا اظہار کرے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی جس سے میں فلاں شخص کی طرح عمل کرتا۔ ان دونوں شخصوں (i) اور (ii) کے لیے برابر اجر و ثواب ہے۔

(iii) ایسا شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم نہیں دیا اور وہ اپنے مال کے بارے میں علم کے بغیر پاگل ہوا پڑا ہے۔ اس کے کمانے میں اللہ تعالیٰ کے خوف کا خیال نہ رکھے اور نہ اس سے صلہ رحمی کرے اور نہ ہی اس کی زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے، وہ شخص سب سے بدتر ہے۔

(iv) ایسا شخص جس کے پاس نہ دولت ہے اور نہ علم لیکن اس کی تمنا ہے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی تو میں فلاں (iii) کی طرح خرچ کرتا۔ اس شخص کو بھی اس کی نیت کے مطابق گناہ ملے گا۔

(15) عن عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ كَانَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فِي إِبِلِهِ، فَجَاءَهُ ابْنُهُ عُمَرُ فَلَمَّا رَآهُ سَعْدٌ، قَالَ: "أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هَذَا الرَّاكِبِ فَنَزَلَ فَقَالَ لَهُ أَنَزَلْتَ فِي إِبِلِكَ وَغَنَمِكَ وَتَرَكْتَ النَّاسَ يَتَنَازَعُونَ الْمُلْكَ، بَيْنَهُمْ فَضَرَبَ سَعْدٌ فِي صَدْرِهِ، فَقَالَ اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ "إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2931)

(حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں میں موجود تھے کہ اسی دوران ان کا بیٹا عمر آیا۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا، تو فرمایا کہ میں سوار کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جب وہ اترا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ اونٹوں اور بکریوں میں رہنے لگے ہیں اور لوگوں کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ آپس میں ملک (چیزوں) کی خاطر جھگڑ رہے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: خاموش ہوجا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے پیار کرتا ہے جو پرہیزگار اور غنی ہے اور چھپا ہوا ہے)

(16) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيرِ، وَلَا وَرَعَ كَالْكَفِّ، وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1098)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(i) تدبیر کے برابر کوئی عقل مندی نہیں

(ii) کوئی پرہیز گاری احتیاط کے برابر نہیں۔

(iii) کوئی حسب (خاندان) اس کے برابر نہیں ہے کہ آدمی کے اخلاق اچھے ہوں۔

(17) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لِيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَفْتَخِرُونَ بِآبَائِهِمُ الَّذِينَ مَاتُوا، إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ، إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ، وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1929)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ اپنے ان آباؤاجداد پر فخر کرنے سے باز رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے تکبر اور آباؤاجداد کے فخر کو دور کر دیا ہے۔ اب لوگ یا تو مومن متقی ہیں یا فاجر (گناہ گار) بدبخت اور نسب کی حقیقت یہ ہے کہ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے)

(18) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَقَالَ: " اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيعُوا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ".

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:598)

(حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے دن ارشاد فرمایا: تم اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ اپنی پانچ نمازیں پڑھو۔ اپنے مہینے کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے حکمران کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ)

(19) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوَى هَاهُنَا، وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ".

(مسند احمد، ج:4، رقم الحدیث:581)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ دھوکہ نہ دو۔ بغض نہ رکھو۔ قطع تعلقی نہ کرو۔ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی فروخت پر اپنی فروخت نہ کرے اور اے اللہ تعالیٰ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، اس پر ظلم نہیں کرتا۔ اسے بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا۔ اس کی تحقیر (بے عزتی) نہیں کرتا۔ تقویٰ یہاں ہوتا ہے، یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا)

(20) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا مُحَمَّدُ يَا سَيِّدَنَا وَابْنَ سَيِّدِنَا وَخَيْرَنَا وَابْنَ خَيْرِنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِتَقْوَاكُمْ وَلَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِي اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ".

(مسند احمد، ج:5، رقم الحدیث:1534)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا: اے ہمارے سردار ابن سردار، اے ہمارے خیر (بھلائی والے) ابن خیر! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! تقویٰ کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ شیطان تم پر حملہ نہ کر دے۔ میں صرف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ اللہ پاک کی قسم! مجھے یہ چیز پسند نہیں ہے کہ تم مجھے میرے مرتبے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، سے بڑھا چڑھا کر بیان کرو)

(21) عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: " لَا يَكُونُ الْعَبْدُ تَقِيًّا حَتَّى يُحَاسِبَ نَفْسَهُ كَمَا يُحَاسِبُ شَرِيكَهُ مِنْ أَيْنَ مَطْعَمُهُ وَمَلْبَسُهُ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:357)

(حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک پرہیز گار شمار نہیں ہوتا جب تک اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرے، جس طرح اپنے شریک سے کرتا ہے کہ اس نے کہاں سے کھایا اور

کہاں سے پہنا)

(22) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا إِلَى مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِي، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ: يُبْكِينِي شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "إِنَّ يَسِيرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ، وَإِنَّ مَنْ عَادَى لِلّٰهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهَ بِالْمُحَارَبَةِ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْأَبْرَارَ الْأَتْقِيَاءَ الْأَخْفِيَاءَ، الَّذِينَ إِذَا غَابُوا لَمْ يُفْتَقَدُوا، وَإِنْ حَضَرُوا لَمْ يُدْعَوْا، وَلَمْ يُعْرَفُوا قُلُوبُهُمْ مَصَابِيحُ الْهُدَى، يَخْرُجُونَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:869)

(حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک روز مسجد نبوی کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایک بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی اس کی وجہ سے رو رہا ہوں۔

میں نے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تھوڑی سی ریا کاری بھی شرک ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے دشمنی کرے، اس نے اللہ پاک کو جنگ میں مقابلہ کے لئے پکارا۔ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے ایسے لوگوں کو جو نیک ہیں، متقی ہیں اور گمنام رہتے ہیں کہ اگر غائب ہوں تو ان کی تلاش نہ کی جائے۔ حاضر ہوں تو آؤ بھگت نہ کی جائے (ان کو بلایا نہ جائے) اور پہچانے نہ جائیں (کہ فلاں صاحب ہیں)۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ وہ ہر تاریک فتنہ سے بے غبار صاف نکل جائیں گے)

(23) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى: "أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ ذُخْرًا بَلْهَ مَا أُطْلِعْتُمْ عَلَيْهِ". (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:1986)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک متقی بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال آیا ہے۔ وہ ایسی چیز ہے کہ بہشت کی وہ نعمتیں جن کو تم جانتے ہو ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے)

4 تقویٰ کی اقسام

تقویٰ کی کئی اقسام ہیں:

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ دو طرح کا ہوتا ہے:

(1) ظاہری تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے جسم کی حرکت بھی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔

(2) باطنی تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز داخل نہ ہو سکے۔

5 تقویٰ کے درجے

تقویٰ کے کئی درجے ہیں:

(1) پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کفر اور شرک سے بچے۔ جو بندہ کفر و شرک سے بچتا ہے، وہ دائمی عذاب سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد مبارک ہے:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى. (سورۃ الفتح، آیت:26)

(اور اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کو پرہیز گاری کی بات پر قائم کیا)

(2) دوسرا درجہ یہ ہے کہ تمام گناہوں حتیٰ کہ صغیرہ (چھوٹے) گناہوں سے بھی اجتناب کیا جائے۔ علمائے اسلام کے نزدیک قرآن پاک کی آیتِ مبارکہ

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا. (سورۃ اعراف، آیت:96)

(اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیز گار ہو جاتے) میں اسی دوسرے درجہ کا ذکر ہے۔

(3) تقویٰ کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں پوری احتیاط کی جائے۔ یہاں تک کہ بعض مباح

چیزوں کو بھی احتیاط کے پیش نظر چھوڑ دیا جائے۔ اپنا دل غیر اللہ میں نہ لگایا جائے۔ غیر اللہ سے دھیان ہٹا کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا جائے۔ اچھے کام کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کیے گئے کام نہ کرے۔ پھر جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی تقویٰ پیدا ہوتا رہے گا اور اس تقویٰ کے کمال سے ایمان بھی اچھا ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ درجہ احسان حاصل ہو جائے گا، جو کہ ایمان اور تقویٰ کا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہی مقصد حیات ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں تقویٰ کے اس تیسرے درجے کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ. (سورۃ آلِ عمران، آیت:102)

(اے مومنو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے)

6 اعمال کی اقسام

تقویٰ کے حوالے سے انسانی اعمال تین قسم کے ہیں:

(1) ایک وہ جو دین میں نفع دینے والے ہیں۔ ان کو کرنا لازم ہے، خواہ وہ فرض ہوں، واجب ہوں، سنت ہوں یا مستحب۔

(2) وہ جو دین میں نقصان دہ ہیں، ان کو چھوڑنا ضروری ہے، خواہ شریعت نے انہیں حرام قرار دیا ہو یا مکروہ (ناپسندیدہ)۔

(3) وہ جن کے کرنے یا ترک کرنے کا حکم نہیں، وہ مباحات (جائز) ہیں۔ مباحات (جائز) اپنے اثر کے لحاظ سے دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ دین کے لیے نفع دینے والے ہیں یا نفع دینے والے نہیں ہیں۔ اگر نفع دینے والے ہیں تو اس میں ثواب ملتا ہے۔ اگر وہ نفع نہیں دیتے تو فضول ہیں اور فضول کو چھوڑ دینا مناسب ہے۔

7 اہل تقویٰ کے طبقات

اہل تقویٰ کے تین طبقات ہیں:

(1) پہلا طبقہ شک وشبہ والے کاموں سے بچتا ہے۔ یہ شبہات (شک والے) حلال وحرام کے واضح

احکامات (حکم) یا مبہم احکامات (غیر واضح حکم) سے تعلق رکھتے ہیں۔امام ابن سیرینؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میرے لیے تقویٰ سے بڑھ کر کوئی چیز آسان نہیں۔جب بھی مجھے کسی چیز میں شک ہو جائے،تو جھجک کے بغیر فوری اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔یہ عام تقویٰ ہے۔

(2) اہل تقویٰ کا دوسرا طبقہ ہر اس شے سے بچتا ہے،جس سے ان کا دل دوری چاہے اور جسے اختیار کرنا انہیں ناگوار ہو۔جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَ كَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ.

(صحیح مسلم،ج:3،رقم الحدیث:2015)

(گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے برا لگے کہ لوگوں کو اس کا پتہ چل جائے)

یہ خاص تقویٰ ہے۔

(3) اہلِ تقویٰ کا تیسرا طبقہ عارفین (اللہ تعالیٰ کو جاننے والے) کا ہے۔ان کے تقویٰ کی کیفیت کے بارے میں حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ تو ہر اس چیز کو برا سمجھے، جو تجھے اللہ تعالیٰ سے دور کر دے۔یہ خاص لوگوں کا تقویٰ ہے۔

(4) خیال رہے کہ جسمانی اعضا کا بھی تقویٰ ہے۔آنکھ کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ بری نگاہ سے کسی شے کو نہ دیکھے۔زبان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرے۔جھوٹ نہ بولے۔کسی کو تنگ نہ کرے۔ہاتھ کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے۔شہوت سے نہ چھوئے۔پاؤں کا تقویٰ یہ ہے کہ بری جگہ چل کر نہ جائے۔کان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ سنے۔وضع (ظاہری شکل) میں بھی تقویٰ ہے کہ خلاف شریعت وضع (ظاہری شکل) نہ رکھے۔پیٹ کا تقویٰ یہ ہے کہ حرام مال نہ کھائے۔

8 تقویٰ کے فوائد

(1) اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت پانا: تقویٰ کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت والا ہو جاتا ہے۔ جس قدر تقویٰ میں بلند ہوتا جاتا ہے،اسی قدر اللہ کریم کے ہاں اس کا مقام و مرتبہ اونچا ہوتا جاتا

ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (سورۃ الحجرات، آیت:13)

(اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں جماعتیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرسکو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے)

(2) اللہ تعالیٰ کی دوستی: تقویٰ کے عظیم الشان (بڑی شان والے) فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے انسان اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شامل ہوجاتا ہے۔ارشاد پاک ہے:

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ. (سورۃ الجاثیہ، آیت:19)

(اللہ تعالیٰ متقیوں کے دوست ہیں)

(3) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوستی: تقویٰ کی عظیم برکت یہ ہے کہ متقی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست بننے کے عظیم اعزاز (مرتبہ) کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس بارے میں ہمارے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشار مبارک ہے:

"إِنَّ أَهْلَ بَيْتِي هٰؤُلَآءِ يَرَوْنَ أَنَّهُمْ أَوْلَى النَّاسِ بِي (وَلَيْسَ كَذٰلِكَ) إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيَ الْمُتَّقُوْنَ، مَنْ كَانُوا، وَحَيْثُ كَانُوا". (کنزالعمال، ج:2، رقم الحدیث:530)

((حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) بلاشبہ میرے یہ اہل بیت (گھر والے) سمجھتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ تعلق رکھنے والے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ متقی لوگ مجھ سے سب سے زیادہ تعلق رکھنے والے ہیں۔ وہ کوئی بھی ہوں اور جہاں سے بھی ہوں)

(4) محبوب الٰہی بننا: تقویٰ کے قیمتی فوائد میں سے ہے کہ اس کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ یہ حقیقت قرآن پاک کی بہت سی آیات مبارکہ میں بیان کی گئی ہے۔ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ. (سورۃ التوبہ، آیت:4)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے)

(5) اللہ تعالیٰ کی مدد: تقویٰ کی برکات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نصرت (مدد) کے ذریعے اہل تقویٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کی حفاظت فرماتا ہے اور ان کے معاملات سدھارنے میں ان کی مدد کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

(i) وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:194)
(اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور یقین کر لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہیں)

(ii) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ. (سورۃ النحل، آیت:128)
(یقیناً اللہ تعالیٰ متقی اور نیکی کرنے والے لوگوں کے ساتھ ہیں)

(6) رحمت خداوندی: تقویٰ والوں کی ایک صفت یہ ہے کہ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص کر رکھی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:
وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ. (سورۃ الاعراف، آیت:156)
(میری رحمت تمام اشیا کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پس میں اس کو ان لوگوں کے لیے ضرور لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں)

(7) گناہوں سے معافی: تقویٰ کی بنا پر اللہ پاک بندے کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ. (سورۃ الطلاق، آیت:5)
(جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے گا وہ اس کے گناہ معاف فرما دے گا)

(8) اجر عظیم: تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے والوں کو اللہ عزوجل آخرت میں بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:
وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ. (سورۃ آل عمران، آیت:179)
(اگر تم ایمان لے آؤ اور متقی بن جاؤ تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے)

(9) دشمن کے شر سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت: تقویٰ کی برکات (برکت) میں سے ایک انتہائی قیمتی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کی دشمنوں کے شر سے حفاظت فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

گرامی ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا. (سورۃ آل عمران، آیت:120)

(اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو ان (دشمن) کے فریب سے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا)

(10) مشکل میں آسانی: جو لوگ اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اللہ عزوجل ان کی مشکلات آسان فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. (سورۃ الطلاق، آیات:2)

(اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ پاک اس کے لیے نجات کی صورت نکال دیتا ہے)

(11) معاملات میں آسانی: اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کے معاملات میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا. (سورۃ الطلاق، آیت:4)

(اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو وہ اس کے لئے اس کے کام میں آسانی فرما دیتا ہے)

(12) کاموں کا درست ہونا: تقویٰ کی بڑی برکات (برکت) میں سے ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے کام درست فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ. (سورۃ الاحزاب، آیت:70- 71)

(اے ایمان لانے والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بات ٹھیک کیا کرو۔ اللہ پاک تمہارے اعمال درست کرے گا اور تمہاری غلطیوں سے درگزر فرمائے گا)

(13) جہنم سے نجات: تقویٰ کی بڑی برکات (برکت) میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا. (سورۃ مریم، آیت:71-72)

(اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو (دوزخ کے اوپر موجود پل سے) نہ گزرے۔ یہ ایک

طے شدہ فیصلہ ہے جسے پورا کرنا تمہارے رب کے ذمہ ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو بچا لیں گے اور ظالموں کو اس میں گرا دیں گے)

(14) متقیوں کا ٹھکانا جنت: تقویٰ کا ایک عظیم پھل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو ابدی (مستقل رہنے والی) نعمتوں والی جنت کا وارث بنائے گا۔ قرآن پاک کی ذیل کی آیات میں اس بات کی خوشخبری دی گئی ہے:

(i) تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا. (سورۃ مریم، آیت:63)

(یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے پرہیزگاری اختیار کرنے والوں کو بنائیں گے)

(ii) وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ. (سورۃ آل عمران، آیت:133)

(اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی چوڑائی (وسعت) آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے)

(iii) لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ. (سورۃ آل عمران، آیت:198)

(لیکن جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ ان کے لئے وہ باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سامانِ ضیافت ہے)

(iv) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا. (سورۃ الرعد، آیت:35)

(جس جنت کا تقویٰ والوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور اس کے پھل اور سایہ بھی ہمیشہ رہے گا۔ یہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کی آخرت ہے)

(v) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ.

(سورۃ الحجر، آیت:45-46)

(بیشک پرہیزگار لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ انہیں حکم ہوگا کہ تم ان باغات میں سلامتی اور حفاظت کے ساتھ داخل ہو جاؤ)

(15) غیبی رزق ملنا: تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.

(سورۃ الطلاق، آیت: 2-3)

(تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے کہ اس کا گمان بھی نہیں ہوتا)

(16) برکات کا حصول: تقویٰ اختیار کرنے کا ایک بڑا فائدہ اللہ رب العالمین کی جانب سے برکات کا ملنا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ.

(سورۃ الاعراف، آیت: 96)

(اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے)

(17) خدا کے عرش کے سایہ میں جگہ ملنا: قیامت کے دن اللہ پاک کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ تقویٰ اختیار کرنے والے قیامت کے روز ان خوش نصیب لوگوں میں شمار ہوں گے، جنہیں اللہ پاک اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ كَانَ قَلْبُهُ مُعَلَّقًا بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ فَاجْتَمَعَا عَلَى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ

حَسَبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:281)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس دن اللہ تعالیٰ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، اس روز اللہ تعالیٰ سات اشخاص کو اپنے سائے میں جگہ دے گا۔

(i) عدل کرنے والا حکمران۔

(ii) وہ جوان، جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے عمر بڑی کی۔

(iii) وہ شخص جو مسجد سے نکلتا ہے تو واپس مسجد جانے تک اس کا دل اسی میں لگا رہتا ہے۔

(iv) ایسے دو شخص جو آپس میں اللہ پاک کے لیے محبت کرتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں۔

(v) وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

(vi) وہ شخص جسے حسین اور اچھے خاندان والی عورت بلائے اور وہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں

(vii) ایسا شخص جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

9 تقویٰ کے حصول کے طریقے

قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ احوال اور معاملات تقویٰ کے حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(1) ایمان: ایمان اور تقویٰ دونوں آپس میں جڑے ہوئے ہیں، پس جس میں ایمان ہوگا وہ تقویٰ ضرور اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کی علامات میں سب سے پہلے علامت ایمان بیان فرمائی ہے ارشاد ربانی ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ.

(سورۃ البقرہ: آیت:2-3)

(اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ یہ پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں)

(2) نماز کی ادائیگی: توحید کے بعد اسلام کا بنیادی رکن نماز ہے۔ قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر نماز کو تقویٰ کے حاصل کرنے کے ذریعہ کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ

(i) وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ. (سورۃ الانعام، آیت:72)

(اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اللہ پاک کا تقویٰ اختیار کرو)

(ii) وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ. (سورۃ الروم، آیت:31)

(اور اس کا تقویٰ اختیار کرو اور نماز قائم کرو)

(3) روزے رکھنا: روزہ اسلامی عبادات میں سے ایک اہم عبادت ہے۔ اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب میں روزے کے فرض ہونے کا مقصد تقویٰ قرار دیا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:183)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ)

(4) انفاق فی سبیل اللہ: اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا تقویٰ کا سبب بنتا ہے۔ قرآن پاک میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورۃ التغابن، آیت:16)

(پس جتنا ممکن ہو تقویٰ اختیار کرو اور اس کی بات سنو اور اطاعت کرو اور خدا کی راہ میں خرچ کرو کہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے اور جو اپنے ہی نفس کے بخل سے محفوظ ہو جائے وہی لوگ فلاح (نجات) پانے والے ہیں)

(5) تقویٰ کے فرض ہونے کا احساس: اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب کی بہت سی آیات میں اپنے

بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث مبارکہ سے بھی اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس بات کو سمجھنا اور یاد رکھنا ایمان دار شخص کو متقی بنانے میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ بندہ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی فوری تعمیل کے بغیر چارہ کار نہیں اور یہ احساس انسان کو متقی بننے پر مائل کرتا ہے۔

(6) تقویٰ سے حاصل ہونے والی برکت کو پیش نظر رکھنا: انسان فائدہ دینے والی چیز کو پسند کرتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کی رغبت رکھتا ہے۔ اسی طرح نقصان دینے والی چیز کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ تقویٰ کی دنیا و آخرت میں کتنی ہی برکات ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت پانا، اللہ تعالیٰ کا ولی بننا، رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوستی کا حاصل ہونا، محبوب الٰہی بننا، رحمت حاصل کرنے والوں میں شامل ہونا، گناہوں کا معاف ہونا وغیرہ۔ اگر تقویٰ کے یہ فائدے انسان کی نگاہوں کے سامنے رہیں تو ہر عقل مند اس صورت میں ان برکات کے حصول کی خاطر تقویٰ کی راہ پر چلنے کی کوشش کرے گا۔

(7) معرفت خداوندی: معرفت خداوندی بھی پرہیزگاری میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ اس کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ، اس کے کرم، فضل، احسان، قدرت اور بڑائی، اس کے شدید غضب (غصہ) اور سنگین عذابوں سے آگاہ ہو جاتا ہے اور یہ سب کچھ انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجالانے پر ابھارتا ہے۔

(8) نیکی کا راستہ اختیار کرنا: جب انسان نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے پرہیزگاری اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ یہ سنت الٰہیہ (اللہ تعالیٰ کا طریقہ) ہے جو کوئی راہ ہدایت پر آئے، اللہ تعالیٰ اس کو مزید ہدایت عطا فرماتا ہے اور اس کے لیے نیکی پر عمل کرنا آسان فرما دیتا ہے۔

(9) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا: اللہ پاک کی عبادت کرنے سے انسان کے تقویٰ کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس سلسلے میں نماز کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی

سے روکتی ہے اور روزہ فرض ہونے کی وجہ بھی لوگوں کو متقی بنانا بتلایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا صحیح معنوں میں متقی ہوجاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ.

(سورۃ البقرہ، آیت:21)

(اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ)

(10) عدل کرنا: انسان جس قدر زیادہ عدل (انصاف) کرنے کی کوشش کرتا ہے اور عدل کے مطابق عمل کے لیے جدوجہد کرتا ہے اتنا ہی اس کا دل تقویٰ کے قریب ہوجاتا ہے۔ گویا کہ عدل (انصاف) کرنا تقویٰ کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ. (سورۃ المائدہ، آیت:8)

(اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوجاؤ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو انصاف کرو یہی بات تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے)

(11) عفو و درگزر: بندے کو تقویٰ کے قریب کرنے والی ایک بات عفو و درگزر (معاف کر دینا) بھی ہے کیونکہ ایسا کرنا احسان ہے جس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔

(12) مشکوک کو چھوڑنا: تقویٰ تک پہنچانے والے امور میں سے ایک یہ ہے کہ انسان شک و شبہ والی چیز کو بھی چھوڑ دے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ "لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَرًا لِمَا بِهِ الْبَأْسُ" (جامع ترمذی، ج:۲، رقم الحدیث:۲۳۴۹). (بندہ اس وقت تک تقویٰ حاصل نہیں کر پاتا جب تک کہ وہ حرام سے بچنے کی خاطر شک و شبہ والی اشیا سے بھی پرہیز نہیں کر لیتا)

(13) حلال رزق کھانا: تقویٰ والی زندگی اختیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا رزق حلال ہو۔ قرآن پاک میں اللہ پاک کا ارشاد مبارک ہے:

كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ.

(سورۃ المائدہ، آیت:88)

(حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو اللہ نے تمہیں دی ہیں اور اس اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو جس پر تمہارا ایمان ہے)

(14) اہل تقویٰ کی سیرتوں کو مدنظر رکھنا: متقی حضرات کی سیرتوں کو پیش نظر رکھنا، اس سے دل میں تقویٰ پر چلنے کا سچا جذبہ اور ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے۔

(15) متقی لوگوں کی صحبت اختیار کرنا: اچھی صحبت کے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں اور انسان تقویٰ والی زندگی کا رخ کر لیتا ہے۔

(16) دعا کرنا: تقویٰ حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ دعا کرنی چاہیے کیونکہ بندہ مومن دعا سے وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے جو کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر پاتا۔

(17) امر بالمعروف ونہی عن المنکر: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا بھی تقویٰ کے حاصل کرنے کی وجہ بنتا ہے کیونکہ دعوت کی برکت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دعوت دینے والے کو بھی نیکی کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

10 تقویٰ کے بارے میں اقوال

تقویٰ (ورع) کے بارے میں بزرگوں نے بہت خوبصورت قول بیان کیے ہیں:

(1) حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ ہر شک وشبہ والی چیز کو چھوڑنا تقویٰ ہے۔

(2) حضرت امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ شک وشبہ والی، فضول اور بے مقصد چیزوں کو چھوڑ دینا تقویٰ ہے۔

(3) حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں: تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ تم ہر اس شے سے بچو جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ موجود ہے۔

(4) حضرت اسحاق بن خلفؒ نے فرمایا کہ گفتگو میں احتیاط برتنا، سونے چاندی میں احتیاط برتنے

سے زیادہ مشکل ہوتا ہے اور ریاست کی نگہداری (خیال رکھنا)، سونے اور چاندی کی نگہداری (خیال رکھنا) سے بھی زیادہ مشکل ہوتی ہے۔

(5) حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے، انسان ہر اس چیز کو برا سمجھے جو اسے اللہ تعالیٰ سے دور کردے۔

(6) حضرت ابوعثمانؒ فرماتے ہیں: تقویٰ کا اجر یہ ہوگا کہ حساب و کتاب میں نرمی برتی جائے گی۔

(7) حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں: تقویٰ یہ ہے کہ حلال وحرام کے بارے میں انسان کو جتنا علم ہو اسی پر عمل کرے۔ حرام کام کرنے کے لیے بہانہ نہ کرے۔

(8) حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے فرمایا کہ جو شخص تقویٰ کی باریکی پر غور نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ عنایات (فضل و کرم) حاصل نہیں کرسکتا۔

(9) حضرت ابن جلاؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص فقر کی حالت میں تقویٰ کا خیال نہیں کرتا، وہ حرام کھاتا ہے۔

(10) حضرت یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں، تقویٰ یہ ہے کہ انسان دینی معاملات میں شبہات (شک) میں نہ پڑے۔ ہر وقت نفس کا محاسبہ (حساب و کتاب) جاری رکھے۔

(11) حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تقویٰ سے زیادہ کامل چیز نہیں دیکھی۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ جو چیز دل میں شبہ پیدا کرے، اسے چھوڑ دو۔

(12) حضرت ابوسعید خرازؒ نے تقویٰ کے بارے میں فرمایا، تقویٰ یہ ہے کہ لوگوں پر تم سے ادنیٰ سا ظلم بھی نہ ہونے پائے اور کوئی تمہیں ظلم و زیادتی کرنے والا نہ کہے۔

(13) حضرت سہل بن عبداللہؒ سے حلال کی تعریف بیان کرنے کے لیے کہا گیا تو فرمایا، حلال کی تعریف یہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اللہ کی نافرمانی کا اندیشہ نہ ہو۔

(14) حضرت ابوعبداللہ روذباریؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ ہر اس چیز سے دور رہنے کا نام ہے، جو انسان کو اللہ سے دور کردے۔

(15) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہوتا ہے، جو اپنے ظاہری معاملات کو شریعت سے

ٹکرانے والی چیزوں کے ذریعے گندا نہ کرے۔ برائیوں کے ذریعے اپنے باطن کو ناپاک نہ کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلے۔

(16) شیخ ابونجیب ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ شک والی چیزوں کو چھوڑنے کا نام ہے۔

(17) خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ ورع کا مفہوم پرہیز اختیار کرنا ہے:

(i) ناپسندیدہ کاموں سے پرہیز تین چیزوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے: (ا) خود کو عیب بینی (عیب نکالنا) سے باز رکھنا، (ب) اپنے دین کو نقصان سے بچانا اور (ج) حرص (نفسانی خواہشات) کو اپنی ذات سے دور رکھنا اور پسندیدہ راستہ پر چلنا۔

(ii) کثرت دنیا سے پرہیز تین چیزوں کو پیش نظر رکھ کر کیا جا سکتا ہے: (ا) روز حساب کی رسوائی، (ب) دشمنوں کی خوشی اور (ج) وارثوں کا غبن۔

(iii) خراب اور منتشر دل سے پرہیز تین چیزوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے: (ا) قرآن کریم میں تدبر (سوچ و بچار) کے ساتھ، (ب) قبرستان کی زیارت سے اور (ج) حکمت الٰہی میں تفکر (غور و فکر) سے۔

(18) حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی اصل (بنیاد، جڑ) یہ ہے کہ انسان کفر سے بیزار ہو اور ایمان میں داخل ہو جائے اور تقویٰ کی فرع (شاخیں) یہ ہے کہ تمام اوامر (احکامات) پر عمل کیا جائے اور تمام نواہی (منع کیے گئے کاموں) سے پرہیز کیا جائے۔

11 اہل تقویٰ کے واقعات

دل کی نرمی کے لیے تقویٰ والوں کے چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(1) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک خادم تھا۔ جو اپنی کمائی سے کچھ حصہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیا کرتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس خادم کی لائی ہوئی چیز کو استعمال کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ خادم کوئی چیز لایا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اسے کھا لیا۔ خادم نے کہا کہ حضرت کیا آپ رضی اللہ عنہ جانتے ہیں یہ چیز کیسی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

مجھے کیا معلوم تم خود ہی بتاؤ؟ خادم نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت (اسلام لانے سے پہلے) میں کہانت (غیب کی باتیں بتانا) کیا کرتا تھا اور لوگوں کو غیب کی باتیں بتایا کرتا تھا۔ ان لوگوں میں سے ایک شخص سے آج میری ملاقات ہوگئی تو اس نے مجھے یہ چیز دی تھی جو آپ رضی اللہ عنہ نے کھالی۔

یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق (گلے) میں انگلی ڈال کر قے کردی۔

(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:1075)

(2) حضرت بشر حافیؒ کی بہن حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ہم رات کو چھت پر سوت کاتتے۔ وہاں سے کچھ لوگ ایک مقررہ وقت پر مشعل لے کر گزرتے ہیں۔ اس مشعل کی روشنی ہم پر پڑتی ہے، تو کیا ہم اس روشنی میں سوت (yarn) کات سکتی ہیں؟ اس پر امام احمد بن حنبلؒ نے کہا تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ بشر حافیؒ کی بہن ہوں۔ یہ سنتے ہی امام احمدؒ رونے لگے اور کہا کہ کسی نے سچا اور حقیقی تقویٰ دیکھنا ہو، تو وہ تمہارے گھر کو دیکھے۔

(3) حضرت علی عطارؒ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کی ایک سڑک سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ بوڑھے بیٹھے ہیں اور بچے ان کے سامنے کھیل رہے ہیں۔ میں نے بچوں سے پوچھا تمہیں ان بوڑھوں سے حیا نہیں آتی؟ ان میں سے ایک بچے نے کہا کہ ان بوڑھوں میں چونکہ تقویٰ کی کمی ہے، اس لیے ان کا رعب بھی نہیں ہے۔

(4) حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے پوچھا گیا کہ آپؒ آبِ زم زم کیوں نہیں پیتے؟ آپؒ نے فرمایا کہ میرے پاس اپنا ڈول نہیں، جس سے میں آبِ زم زم نکال کر پی سکوں۔

(5) حضرت ابوعلی دقاقؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حارث محاسبیؒ جب کسی شبہ والے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے، تو آپؒ کی انگلی کا پٹھا (muscle) پھڑک جاتا۔ جس سے آپؒ کو پتہ چل جاتا کہ کھانا حلال نہیں۔

(6) حضرت حسن بصریؒ مکہ پہنچے تو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ایک لڑکا دیکھا۔ وہ خانہ کعبہ سے ٹیک لگائے، وعظ کر رہا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ ان کی طرف بڑھے اور پوچھا کہ دین کا

دارومدار کس چیز پر ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا! تقویٰ پر۔ آپؒ نے پھر پوچھا کہ دین کے لیے مصیبت کیا چیز بنتی ہے؟ تو اس نے کہا طمع اور لالچ۔ یہ سن کر حضرت حسن بصریؒ حیران رہ گئے۔

(7) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس مال غنیمت میں سے کستوری آئی، تو آپؒ نے ناک پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا کہ اس کی خوشبو سے بھی فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ بغیر مسلمانوں کے اکیلا ہی اسے سونگھوں۔

(8) حضرت کہمس بن حسن بصریؒ نے بتایا کہ میں نے ایک گناہ کیا تھا، جس پر چالیس سال سے روئے جا رہا ہوں۔ گناہ یہ تھا کہ میرے پاس میرا ایک بھائی ملنے آیا۔ میں نے اس کے لیے بھنی ہوئی مچھلی خریدی۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو میں نے ہمسائے کی دیوار سے بغیر اس کی اجازت کے، اپنے ہاتھوں کی صفائی کے لیے مٹی کا ایک ڈھیلا اتار لیا۔

(9) حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ایک سبزی بیچنے والے کے پاس اپنا ایک برتن گروی رکھا۔ جب آپؒ نے برتن چھڑانے کا ارادہ کیا، تو دکاندار نے دو برتن آپؒ کے سامنے پیش کر کے کہا، جو چاہو لے لو۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ مجھے اپنے برتن پہچاننے میں دشواری ہو رہی ہے۔ لہٰذا برتن بھی تمہارا اور درہم بھی اپنے پاس رکھو۔ یہ دیکھ کر سبزی بیچنے والے نے کہا، آپؒ کا برتن یہ ہے۔ میں تو صرف آپؒ کی آزمائش کر رہا تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ اب میں نہیں لوں گا۔ آپؒ وہاں سے چل دیے اور برتن اسی کے پاس رہنے دیا۔

(10) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنا ایک قیمتی گھوڑا کھلا چھوڑ دیا اور خود نماز پڑھنے لگے۔ گھوڑا سرکاری زمین میں چرنے لگا۔ چنانچہ آپؒ نے اسے وہیں چھوڑ دیا اور اس پر دوبارہ سوار نہ ہوئے۔

(11) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے شام کے قیام دوران کسی سے قلم ادھار لیا اور بھول گئے اور مرو (ترکمانستان) پہنچ کر یاد آیا۔ آپؒ یہ قلم واپس کرنے کے لیے واپس شام آئے۔

(12) حضرت رابعہ بصریؒ نے سرکاری مشعل کی روشنی میں اپنی قمیض پر پیوند لگایا، تو ایک عرصہ تک آپؒ کے دل میں بے چینی رہی۔ آپؒ نے وہ قمیض پھاڑ دی تو دل کو اطمینان ہوا۔

(13) حضرت سفیان ثوریؒ خواب میں کسی کو ملے کہ وہ جنت میں اپنے دو پروں سے اس درخت سے اڑ کر اس درخت کو جاتے تھے۔آپؒ سے خواب ہی میں پوچھا گیا کہ یہ مرتبہ کس بنا پر ملا؟ آپؒ نے فرمایا تقویٰ کی بنا پر۔

(14) ایک شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قرض دار تھا۔اسی علاقے میں کسی کی موت واقع ہوگئی۔جب امام ابوحنیفہؒ نماز جنازہ کے لیے وہاں پہنچے تو ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور موسم بہت گرم تھا لیکن آپؒ کے مقروض (قرض لینے والا) کی دیوار کے پاس کچھ سایہ تھا۔لوگوں نے کہا کہ آپؒ یہاں سایہ میں تشریف لائیں۔آپؒ نے فرمایا، صاحب خانہ (گھر والا) میرا مقروض ہے۔ اس لیے اس کے مکان کے سایہ سے فائدہ حاصل کرنا میرے لیے جائز نہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ قرض کی وجہ سے جو نفع بھی حاصل ہو وہ سود ہے۔

(15) ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ بازار سے گزر رہے تھے کہ ناخن کے برابر کیچڑ ان کے کپڑوں پر لگ گئی۔آپؒ نے دریا پر جا کر کپڑوں کو خوب دھویا اور پاک کیا۔لوگوں نے پوچھا کہ آپؒ کے نزدیک تو اتنی کم نجاست (گندگی) جائز ہے۔پھر آپؒ نے کپڑا دھونے کے لیے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی؟ آپؒ نے فرمایا کہ اتنی کم نجاست (گندگی) جائز تو ہے، مگر تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اسے بھی دھو لیا جائے۔

(16) ایک روز حضرت ابوالعباس سیاریؒ ایک دوکان پر اخروٹ خریدنے گئے، تو دوکاندار نے اپنے ملازم سے کہا کہ شیخ کو اچھے اچھے اخروٹ دینا۔آپؒ نے پوچھا کیا تم تمام گاہکوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہو؟ دوکاندار نے جواب دیا نہیں حضرت۔یہ تو میں آپؒ کے علمی مرتبے کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔آپؒ نے فرمایا کہ میں اپنے علم کی فضیلت کو چند اخروٹوں کے بدلے نہیں بیچتا اور بغیر اخروٹ خریدے واپس چلے گئے۔

(17) ایک دفعہ حضرت ابویزیدؒ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ جنگل میں تھے کہ آپؒ نے اپنا کپڑا دھویا تو ان کے ساتھی نے کہا کپڑے کو انگور کی بیل کے لیے بنائی گئی دیوار پر لٹکا دیں تا کہ خشک ہو

جائے۔آپؒ نے فرمایا کہ نہیں،لوگوں کی دیوار سے اجازت کے بغیر فائدہ نہ اٹھاؤ۔ساتھی نے کہا تو ہم اس کپڑے کو درخت پر ڈال دیتے ہیں تو آپؒ نے جواب دیا کہ نہیں، اس سے درخت کی ٹہنیاں ٹوٹنے کا خطرہ ہے۔اس نے کہا تو پھر ہم اسے گھاس پر بچھا دیتے ہیں۔آپؒ نے جواب دیا کہ یہاں جانور چر رہے ہیں اور یہ گھاس ان کی خوراک ہے، ہمارا کپڑا اڈالنے کی وجہ سے یہ جانوروں سے چھپ جائے گی۔ پس حضرت ابو یزیدؒ نے اس گیلے کپڑے کو اپنے اوپر اوڑلیا حتیٰ کہ وہ خشک ہو گیا۔

(18) حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات بیت المقدس میں مقام صخرہ[1] میں گزاری۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو دو فرشتے اترے۔ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ یہاں کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا حضرت ابراہیم بن ادھمؒ ہیں۔

فرشتے نے کہا یہ وہی ہیں جن کے درجات میں اللہ عزوجل نے ایک درجہ کم کر دیا ہے۔ دوسرے فرشتے نے پوچھا کیوں؟ تو پہلے فرشتے نے جواب دیا، اس لیے کہ انہوں نے بصرہ میں کھجوریں خریدیں تو پھل بیچنے والے کی ایک کھجور ان کی کھجوروں میں چلی گئی اور انہوں نے وہ کھجور اس کے مالک کو واپس نہیں کی۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ (عراق کا شہر) کی طرف چلا اور اس شخص سے کھجوریں خرید کر ایک کھجور اس دکاندار کی کھجوروں میں گرا کر واپس بیت المقدس پہنچا اور مقامِ صخرہ میں رات بسر کی۔فرماتے ہیں کہ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو دو فرشتے آسمان سے اترے اور ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ یہاں کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا حضرت ابراہیم بن ادھمؒ ہیں۔فرشتے نے کہا یہ وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پہلے والا مرتبہ عطا فرما دیا ہے اور ایک درجہ اور بلند کر دیا ہے۔

۱۔صخرہ بیت المقدس میں ایک مقام ہے جس پر قبۃ الصخرہ (Dome of Rocks) بنایا گیا ہے۔یہ وہ مقام ہے جہاں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے۔

(19) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین آدمی چل رہے تھے کہ انہیں بارش نے گھیر لیا۔ انہوں نے پہاڑ میں ایک غار میں پناہ لی۔ غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک پتھر آ کر گر گیا۔ اس سے اس غار کا منہ بند ہو گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا، اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو، جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے ہوں اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، شاید وہ تم سے اس مصیبت کو ٹال دے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا، اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میری بیوی بھی تھی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے اور میں جانور چرایا کرتا تھا۔ جب میں ان کے پاس شام کو واپس آتا دودھ دھوتا، تو میں اپنے والدین کو اپنے بچوں سے پہلے پلاتا۔ ایک دن جنگل کے دور ہونے کی وجہ سے مجھے دیر ہو گئی اور میں رات کو آیا، تو میں نے اپنے والدین کو سویا ہوا پایا۔ میں نے پہلے کی طرح دودھ دھویا اور دودھ کا برتن لے کر والدین کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ انہیں ان کی نیند سے اٹھانا مجھے مناسب نہیں لگا اور ان سے پہلے اپنے بچوں کو پلانا اچھا نہ لگا۔ بچے میرے قدموں کے پاس چلا رہے تھے، مگر میں نے انہیں دودھ نہیں دیا۔ صبح ہونے تک میرا معاملہ یونہی رہا۔ اے خدا! تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا۔ اے میرے پروردگار! ہمارے لیے کچھ آسانی فرما دے، جس سے ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ پس اللہ پاک نے ان کے لیے اتنی کشادگی فرما دی کہ انہوں نے آسمان دیکھا۔

دوسرے نے عرض کیا، اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی۔ اس سے میں محبت کرتا تھا۔ جس طرح مردوں کو عورتوں سے سخت محبت ہوتی ہے۔ میں نے اس سے اس کی ذات کو طلب کیا۔ بدکاری کا اظہار کیا، تو اس نے ایک سو دینار لانے تک انکار کر دیا۔ میں نے بڑی محنت کر کے سو دینار جمع کئے اور اس کے پاس لایا۔ جب میں اس کے قریب بیٹھ گیا، تو اس نے کہا، اے اللہ کے بندے! اس سے ڈر، مہر ادا کر اور رشتہ قائم کر۔ میں اس سے کھڑا ہو گیا۔ یا اللہ! تجھے یقیناً علم ہے کہ میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لیے کیا۔ ہمارے لیے اس غار سے کچھ

کشادگی فرما دے۔ان کے لیے مزید کشادگی فرما دی گئی۔

تیسرے نے عرض کیا، اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو ایک فرق [1] چاول مزدوری پر رکھا۔ جب اس نے اپنا کام پورا کرلیا، تو کہا کہ میرا حق مجھے دے دو۔ میں نے اسے فرق دینا چاہا، تو وہ منہ پھیر کر چلا گیا۔ میں اس کے پیچھے زراعت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس سے گائے اور ان کے چرواہے میرے پاس جمع ہوگئے۔ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا، اللہ سے ڈر اور میرے حق میں مجھ پر ظلم نہ کر۔ میں نے کہا، وہ گائے اور ان کے چرواہے لے جاؤ۔اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کررہا۔ وہ بیل اور ان کے چرواہے لے جاؤ۔اس نے انہیں لیا اور چلا گیا۔اے میرے پروردگار! اگر تیرے علم میں میرا یہ عمل تیری رضامندی کے لیے تھا، تو ہمارے لیے باقی راستہ بھی کھول دے۔اللہ نے باقی راستہ بھی کھول دیا اور وہ غار سے نکل کر چل دیئے۔

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:2235)

(20) حضرت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں ایک چرواہا پہاڑی کی ڈھلوان سے اترتا ہوا نظر آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے آزمانے کے لئے کہا کہ اے چرواہے! ان بکریوں میں سے ایک مجھے فروخت کردے۔ چرواہے نے جواب دیا کہ میں مالک نہیں بلکہ خادم ہوں۔ مجھے فروخت (بیچنے) کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، مجھے فروخت کرکے اپنے مالک سے کہہ دینا کہ اس بکری کو بھیڑیے نے کھالیا ہے۔اس پر چرواہے نے جواب دیا کہ حضرت رضی اللہ عنہ! تو پھر اللہ کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چرواہے کی بات سن کر رو پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پرہیزگاری کی بنا پر اس غلام کو خرید کر آزاد کردیا اور اس غلام سے فرمایا کہ تیرے تقویٰ نے

---

[1] فرق زمانہ قدیم میں وزن کا ایک پیمانہ تھا جو موجودہ تقریباً آٹھ کلو کے برابر ہوتا تھا۔

تجھے دنیاوی غلامی سے نجات دلائی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہی تقویٰ آخرت میں بھی تجھے دوزخ کے عذاب سے نجات دلائے گا۔

(21) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک رات مدینہ منورہ میں گشت کر رہے تھے تا کہ لوگوں کے حالات سے باخبر ہوں۔ ایک گھر سے کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ آپؓ نے غور سے سنا کہ ایک ماں اپنی جوان لڑکی سے کہہ رہی ہے، بیٹی! آج رات اونٹنیوں نے دودھ کم دیا ہے اس لیے تم تھوڑا سا پانی ملا دو تا کہ گاہکوں کو دودھ برابر مل جائے۔ بیٹی نے جواب دیا کہ امّی جان! امیر المومنین (مسلمانوں کا حکمران) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ہے کہ فروخت کرنے کے دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔ ماں نے کہا، اس رات کے اندھیرے میں کون سا امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہے جو تجھے دیکھ رہا ہے؟ بیٹی نے جواب دیا کہ اگر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کا رب تو ضرور دیکھ رہا ہے۔ پس میں یہ جرم ہرگز نہیں کر سکتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس لڑکی کی یہ بات سنی تو رو پڑے۔ دوسرے دن اس لڑکی کے متعلق معلومات جمع کیں، پتہ چلا کہ لڑکی غیر شادی شدہ ہے۔ پھر اپنے بیٹوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا: میرے بچو! گذشتہ رات میں نے ایک دین دار لڑکی کی یہ باتیں سنیں۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ میں جوانی ہوتی تو ضرور میں اسے اپنے گھر میں بیوی بنا کر لاتا لیکن میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اب مجھ میں یہ صلاحیت نہیں کہ میں کسی جوان لڑکی سے شادی کروں لیکن میں نہیں چاہتا کہ وہ لڑکی ضائع ہو جائے۔ میری خواہش ہے کہ وہ میری بہو بن کر میرے گھر میں آئے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں سن کر حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابّا جان! اس لڑکی سے میں شادی کروں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس نیک لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے سے کر دیا۔ ان سے ایک بچی ہوئی اور پھر اس بچی کی شادی عبدالعزیز سے ہوئی۔ ان سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ پیدا ہوئے۔ جنہیں امت اسلامیہ نے پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اپنے دواڑھائی

سال کے مختصر دورِ حکومت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

(22) حضرت امام محمد بن سیرینؒ کا شمار پاک ہستیوں میں ہوتا ہے۔ آپؒ معاش کے لیے زیتون کے تیل کا کاروبار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؒ نے اسّی ہزار درہم کا زیتون کا تیل خریدا۔ جب تیل کا ایک مشک کھولا تو اس سے ایک مری ہوئی چوہیا برآمد ہوئی۔ آپؒ کو یہ شبہ ہوگیا کہ شاید چوہیا تیل کے ذخیرہ میں گر کر مری ہو اور اس سے سارا تیل مشکوں میں بھرا گیا ہو۔ اس شک کی وجہ سے آپؒ نے یہ گوارا نہیں کیا کہ اس تیل کو بیچا جائے۔ آپؒ نے غلاموں کو حکم دیا کہ سارا تیل بہا دیا جائے۔

حکم کے مطابق تیل بہا دیا گیا لیکن جہاں سے تیل خریدا گیا تھا وہاں وقت پر ادائی نہیں ہوسکی۔ اس نے حاکم وقت کے دربار میں شکایت کردی۔ جس کی وجہ سے آپؒ کو ادائی تک قید کردیا گیا۔ داروغہ نے آپؒ سے کہا کہ مجھے پتہ ہے کہ آپؒ بے قصور ہیں۔ میری جانب سے آپؒ کو اجازت ہے کہ ہر رات گھر چلے جائیں اور صبح کے وقت قید خانہ پہنچ جائیں۔ آپؒ نے فرمایا میں تمہاری اس خیانت (بددیانتی) میں، تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ کل قیامت کے دن میں اللہ پاک کو کیا جواب دوں گا۔ آپؒ نے قید خانے کی سختیوں کو گوارا کرلیا۔ قاضی کے سامنے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہونا برداشت کیا لیکن یہ گوارا نہیں کیا کہ غلط مال بیچ کر فائدہ حاصل کیا جائے۔

(23) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے دودھ پیش کیا تو آپؓ نے اسے پی لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ دودھ بہت پسند آیا۔ جس شخص نے آپ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا اس سے آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ دودھ تم نے کہاں سے لیا تھا؟ اس نے بتایا کہ میں سفر کر رہا تھا کہ راستے میں ایک پانی کی جگہ پر اترا، وہاں سرکاری اونٹوں میں سے کچھ اونٹ پانی پینے کے لیے آئے تو ان کے گلہ بانوں (اونٹ چرانے والوں) نے ان کا دودھ نکال کر مجھے دیا، جسے میں نے اپنی مشک میں ڈال لیا۔ یہ وہی دودھ ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منہ میں انگلی ڈالی اور اسے قے کردیا۔

واضح رہے کہ صدقہ کے سرکاری اونٹوں کا دودھ اس مسافر کے لیے بالکل جائز تھا اور اس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدیہ کرنا بھی بالکل درست تھا۔ اس میں کوئی شرعی یا اخلاقی برائی نہیں تھی لیکن آپ رضی اللہ عنہ کا یہ کمال احتیاط تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:3، رقم الحدیث:30)

(24) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے اور وہاں سے واپسی پر وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ کے پاس گئے تو وہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان کی خوب خدمت مدارت کی۔ پھر ان سے کہا کہ اگر تمہیں نفع پہنچانے والا کوئی کام میرے اختیار میں ہوتا تو ضرور کرتا۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں، یہاں بیت المال (حکومت کا خزانہ) کا کچھ روپیہ ہے جسے مجھے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنا ہے۔ اس سے تمہارے لیے نفع کی صورت ہو سکتی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے وہ رقم ان کو دے دی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ یہ رقم ان سے وصول کر لیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے اس رقم سے وہاں سے کچھ مال خرید لیا اور جب واپس پہنچے تو اسے بیچ دیا اور اس سے ان کو نفع ہوا۔ پھر جب انہوں نے بیت المال کی رقم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پیش کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا سارے لشکر کو اسی طرح رقم دی گئی تھی؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم امیر المومنین کے بیٹے ہو، اس لیے تم دونوں پر یہ مہربانی ہوئی۔ لاؤ سارا مال اور اس کا نفع بیت المال میں جمع کراؤ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تو یہ سن کر خاموش رہے لیکن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ یہ مناسب نہیں ہے۔ اگر مال برباد ہو جاتا تو ہم تو اس کے ضامن اور ادا کرنے کے ذمہ دار تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، لاؤ، سارا مال بیت المال میں جمع کراؤ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پھر بھی خاموش رہے اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وہی بات دہرائی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ یا اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہمارے خیال میں یہ شراکت (مل کر

کاروبار کرنا) کا معاملہ ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراکت کی صورت کو مان کر اپنے دونوں بیٹوں سے پوری رقم اور آدھا نفع وصول کر کے بیت المال میں جمع کروادیا اور آدھا نفع حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے لے لیا۔ اس سارے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کس قدر محتاط طبیعت کے مالک خلیفہ تھے۔

(کنزالعمال، ج:8، رقم الحدیث:677)

3

مقام زہد

1 زہد کا مفہوم

(1) زہد کے لغوی (لفظی) معنی بے رغبتی کے ہیں۔ انسان کا اپنی دنیاوی خواہشات چھوڑ کر خود کو عبادتِ الٰہی کے لیے فارغ کر دینا زہد کہلاتا ہے۔ زہد کے معنی ہیں کہ آدمی کی رغبت کا کسی ایک چیز سے ہٹ کر کسی دوسری چیز سے وابستہ ہو جانا اور جس چیز سے آدمی کی رغبت پھر گئی ہے اس کا آدمی کی نظر میں کم وقعت (عزت) ہو جانا ہے۔

(2) زہد ایک ذہنی اور قلبی کیفیت کا نام ہے۔ ایسی کیفیت جس میں ہر وہ شے بے وقعت معلوم ہو، جس کی کوئی قدر و قیمت ہو۔ مثلاً ہمارے سامنے مٹی کا ڈھیر پڑا ہے تو اس کو بے قیمت جاننا زہد نہیں کہلائے گا لیکن اگر ہمارے سامنے پڑا سونے کا ڈھیر ہماری نگاہ میں بے وقعت ہو گیا ہے تو اس کو زہد کہیں گے۔

(3) زہد آخرت کی کنجی اور جہنم کی آگ سے نجات کا سبب ہے اور زہد ان تمام چیزوں کے چھوڑنے کا نام ہے جو یادِ خدا سے غافل کر دیتی ہیں بغیر اس کے کہ

(i) ان چیزوں کے چھوڑنے پر افسوس ہو۔

(ii) ان چیزوں کے واپس ہونے کا انتظار ہو۔

(iii) اپنے عمل کی خوشامد چاہتا ہو۔

(iv) اپنے کام کے اجر کا طالب ہو۔

جو اپنے زہد میں سچا ہو گا، دنیا خود بخود اس کی طرف کھنچی چلی آئے گی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اگر آسمان سے ٹوپی گرتی ہے، تو صرف اس شخص کے سر پر گرے گی، جو خود اس کی تمنا نہ رکھتا ہو۔

(4) زاہد وہ شخص ہے جو آخرت کو دنیا پر، ذلت کو عزت پر، سختی کو آرام پر، بھوک کو شکم سیری پر، آخرت کی سلامتی کو دنیا کی محبت پر اور توجہ کو غفلت پر ترجیح دے اور اس کا نفس دنیا میں ہو اور اس کا قلب آخرت میں۔

(5) بہترین زہد، زہد کا چھپا کر رکھنا ہے۔ زاہد حقیقی وہ ہے جو اپنے زہد کو چھپا کر رکھے اور ہر جگہ ظاہر نہ

کرتا پھرے۔ وہ افراد جو زہد کو چھپاتے نہیں، زہد کا اعلان کرتے پھرتے ہیں، اپنے آپ کو زاہد کہلانے میں دوسروں کو استعمال کرتے ہیں اور بھاری رقوم خرچ کرتے ہیں ایسے لوگ زاہد نہیں بلکہ ریا کار ہیں۔ جاہ طلبی (عہدے کی خواہش) اور شہرت کی محبت نے انہیں بیمار بنا دیا ہے اور ایسے لوگوں میں تکبر اور نمائش کی بیماری بھی موجود ہوتی ہے۔ یہ لوگ زاہد نہیں بلکہ زاہد نما ہیں۔

(6) حقیقی زہد جس چیز کا نام ہے وہ دراصل ایمان کے بنیادی حقائق پر محنت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی ایک نعمت ہے۔ یہ درحقیقت دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ زہد کا کوئی تعلق آدمی کے غریب یا مالدار ہونے کے ساتھ سرے سے ہے ہی نہیں۔ ایک آدمی ارب پتی ہو کر بھی زاہد اور آخرت کا چاہنے والا ہو سکتا ہے، جبکہ ایک دوسرا آدمی بالکل غریب ہوتے ہوئے بھی دنیا پرست اور آخرت سے غافل ہو سکتا ہے کیونکہ زہد اور دنیا پرستی کا تعلق سراسر ہاتھ یا جیب کے ساتھ نہیں بلکہ دل کے ساتھ ہے اور آدمی کی زندگی کے مقصد کے ساتھ ہے۔

(7) زندگی میں سب سے کم امید رکھنے والے ہی سب سے زیادہ زاہد ہوا کرتے ہیں اور وہ آئندہ کل کے لیے بھی کچھ جمع کرنے کے لیے پریشان نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک وہ چیز اصل میں کل تک کے لیے باقی رہنے والی نہیں ہے اور لوگوں میں دنیا کی سب سے زیادہ رغبت رکھنے والے سب سے لمبی امید باندھنے والے ہوتے ہیں، کیونکہ دنیا میں ان کی رغبت بہت زیادہ ہوتی ہے اور زندگی میں طویل امیدوں کی وجہ سے دنیا میں ان کی لالچ بڑھتی جاتی ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ مومن کی شان میں فرماتے ہیں کہ

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

2 زہد قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں بار بار دنیا کے سروسامان کو چندروزہ، عارضی، آزمائش اور محض دنیا کی زینت قرار دیا ہے۔ انسان کو زہد سے متعلق ان قرآنی آیات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے جن میں زہد اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے یا پھر دنیاوی مال واسباب کو محض عارضی قرار دیا گیا ہے۔ ان آیات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(1) لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ. (سورۃ آلِ عمران، آیت: 196-197)

(تجھے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے۔ یہ چندروزہ زندگی کا لطف ہے پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جو بہت برا ٹھکانا ہے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ تجارتی وسائل، دولت کی زیادتی اور کاروبار کی وسعت یہ سب کچھ عارضی اور چندروزہ فائدہ کی چیزیں ہیں۔ اس سے اہل ایمان کو دھوکا میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اصل انجام، آخرت پر نظر رکھنی چاہیے۔

دنیا اور اس کی ہر چیز عارضی، ناپائیدار اور بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔ نادان انسان اس کی خوبصورتی پر فریفتہ (قربان) ہو کر اپنی زندگی کے اصل مقصد کو کھو بیٹھتا ہے۔ اس دنیا کی ترقی اور حسن، نظر کا فریب اور دماغ کا دھوکا ہے جس کے پیچھے لگ کر آدمی اپنی ہمیشہ رہنے والی زندگی اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو فراموش کرتا اور نہ ختم ہونے والے مستقبل کو تاریک کر کے جہنم کا خریدار بن سکتا ہے۔ زندگی گزارنے کا یہ طریقہ ایک مومن کا نہیں ہوتا۔

اس آیت شریفہ میں ایمانداروں کو تاریک مستقبل اور جہنم کے خوفناک حالات سے بچنے کا احساس دلایا گیا ہے کہ دنیا کا سامان اور عیش نہایت مختصر ہے۔ لہٰذا کافروں کی شان وشوکت اور ان کی زندگی کی چہل پہل مومنوں کو عظیم مقصد سے غافل اور اس غلط فہمی کا شکار نہ کر دے کہ شاید اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہے جس کی وجہ سے انہیں دنیا کی ترقی سے نوازا گیا ہے۔

(2) وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ. (سورۃ القصص، آیت:60- 61)

(تم لوگوں کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو اور وہ اسے پانے والا ہو، کبھی اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے صرف حیات دنیا کا سامان دے دیا ہو اور پھر وہ قیامت کے روز سزا کے لیے پیش کیا جانے والا ہو)

ان آیات میں سچے مومنین کا مقام اور ان کی شان کو بیان کیا گیا ہے۔ دنیا ایک عارضی امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کسی کو نعمتوں کی زیادتی سے اور کسی کو کم نعمتیں دے کر آزماتے ہیں۔ دنیا کی ساری نعمتیں عارضی ہیں۔ یہ کسی محنت کے نتیجے میں نہیں ملتیں بلکہ بطور آزمائش دی جاتی ہیں۔ اس لیے مومنین کے لیے آخرت کی نعمتیں تیار کی گئی ہیں۔ سب سے بڑھ کر جنت کا انعام تیار کیا گیا ہے۔ ایسی نعمتیں تیار کی گئی ہیں جنہیں کسی انسان نے کبھی نہیں دیکھا۔ مومنین سے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ رہنے والی بادشاہی کا وعدہ فرما رکھا ہے۔

پس ایسا شخص جسے دنیا کی عارضی نعمتیں دی گئیں اور وہ ان میں کھو کر خدا کو بھول گیا اور وہ شخص جسے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دیا اور وہ اس میں زہد اختیار کرتا ہے، یہ دونوں شخص آخرت میں اجر کے اعتبار سے برابر نہیں ہو سکتے۔

(3) كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ.

(سورۃ آلِ عمران، آیت:185)

(آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں دوزخ کی آگ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے

اور دنیاوی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں موت کو یاد کرنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ دنیا کا یہ جلال اور مال آخرکار ختم ہونے والا ہے۔ دنیاوی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے۔ اس کی ظاہری چمک دمک، وقتی فائدے اور عارضی لذتوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ اپنی اصلی منزل اور حقیقی کامیابی کو یاد رکھنا چاہیے۔ اس آیت پاک پر غور کرنے سے ہمارے سامنے مندرجہ ذیل نکات روشن ہوتے ہیں:

(i) ہر کسی کو موت آ کر رہے گی۔

(ii) یہ دنیا دھوکے کا سامان ہے

(iii) قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

(iv) جہنم کی آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہونے والا ہی حقیقی کامیاب ہے۔

(v) اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔

(vi) اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

(4) اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا. (سورۃ الکہف، آیت:46)

(مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں ثواب میں بہتر اور امید کی رو سے زیادہ اچھی ہیں)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ مال و اولاد صرف دنیاوی زینت کا سامان ہے جبکہ ان سے مقصد دنیا ہی کا مفاد ہو۔ اگر ان چیزوں کو آخرت کی کمائی کا ذریعہ بنایا جائے تو پھر یہ سب کچھ دنیا نہیں، دین بن جاتا ہے اور ان کے ذریعے آخرت کی وہ نیکیاں کمائی جاسکتی ہیں جو ان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ مال و دولت اور اولاد وغیرہ کی یہ نعمتیں دودھاری تلوار کی طرح ہیں کہ اگر خیر (نیکی) کے ذریعے مل گئیں اور خیر کی راہ پر لگ گئیں تو بہتر ورنہ عذاب ہے۔

ہمیں اپنے مال، اولاد اور سامان زینت میں الجھ کر اپنے انجام اور آخرت کو نہیں بھولنا چاہیے کیونکہ یہ سب کچھ تو دنیاوی زندگی کا چند روز سامان ہے۔ اصل چیز تو آخرت اور اس کے لیے کی جانے والی کوشش ہے۔ اسی کو اپنا اصل مقصد بنانا چاہیے۔ صرف نیکیاں ہی باقی رہ جانے والی ہیں۔

(5) اِنَّمَآ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ. (سورۃ التغابن، آیت: 15)

(تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لیے ایک آزمائش کی چیز ہے اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ دنیاوی مال اور اولاد انسان کو آزمانے کے لیے دی جاتی ہے کہ کون ان کی محبت میں گرفتار ہو کر آخرت اور اپنے انجام کو بھول جاتا ہے اور کون ان کے تقاضوں کے باوجود حق کے راستے پر ثابت قدم رہتا ہے۔ ان کی محبت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی محبت پر غالب اور مقدم (پہلے) رکھنا اللہ پاک کی آزمائش میں ناکام ہونے کی دلیل ہے۔ اگر ہم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع رکھا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا تو ہم اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے۔

ایسے ہی فرمانبرداروں کے لیے خوشخبری کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پاک کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ اتنا بڑا کہ الفاظ وکلمات کے تنگ دائرے پوری طرح اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ ازواج واولاد کے تقاضوں میں الجھ کر ہمیں اس اجر عظیم سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔ آخرت کے اجر عظیم کو ہمیشہ اپنی نظر میں رکھنا چاہیے۔

دنیا اور اس کی ہر شے فنا ہونے والی ہے۔ اصل اجر (ثواب) تو آخرت ہی کا اجر (ثواب) اور وہیں کی کامیابی ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی فرمانبرداری کے تقاضوں کو مال واولاد کی محبت کے تقاضوں کو مقدم رکھے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

(6) اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ. (سوۃ المومنون، آیت: 55- 56)

(کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال واولاد سے مدد دیے جا رہے ہیں، تو گویا انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم ہیں؟ نہیں، اصل معاملے کا انہیں شعور نہیں ہے)

ان آیات مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں انسان کو جو مال دولت دیا جاتا ہے یہ انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات نہیں بلکہ آزمائش ہوتی ہے۔ دنیا میں کسی کا بہت زیادہ مال دار ہونا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے۔ بلکہ اصل صورت حال کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

ان آیات سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i) زیادہ مال یا اولاد کا ہونا اللہ تعالیٰ کی رضا کی نشانی نہیں۔

(ii) دنیاوی مال و دولت انعام کی بجائے آزمائش کے لیے بھی دی جاتی ہے۔

(iii) نیک لوگ مال واولاد کی وجہ سے اپنے درجے بلند کرتے ہیں۔

(iv) گناہ گار کے لیے مال اور اولاد گناہ میں اضافے کی وجہ بنتی ہے۔

(v) بعض لوگوں کا مال و دولت خیر کی بجائے انہیں برے انجام سے دوچار کرتا ہے۔

(vi) اللہ تعالیٰ کے نافرمان کو حقیقی شعور (اصلی سمجھ بوجھ) نہیں ہوتا۔

(7) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا. (سورۃ النساء، آیت:77)

(تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو؟ اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہا ہے جیسا خدا سے ڈرنا چاہیے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ کہتے ہیں خدایا! یہ ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی؟ ان سے کہو، دنیا کا سرمایہ تھوڑا ہے اور آخرت ایک خدا سے ڈرنے والے انسان کے لیے زیادہ اچھی ہے اور تم پر ظلم ایک ذرہ برابر بھی نہ کیا جائے گا)

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ ہمیں نصیحت فرماتا ہے کہ دنیا کی متاع (سامان) بہت تھوڑی ہے۔ ساری دنیا کا سامان اتنا تھوڑا ہے کہ جس دنیاوی مال و دولت کی پوجا کی جاتی ہے اور اسے

حاصل کرنے کے لیے ہر طرح کی جائز و ناجائز کوششیں کی جاتی ہیں، اس پوری دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں۔

جب پوری دنیا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے، تو پھر اس تھوڑے سے حصے کی اہمیت کیا ہوگی جو ہمیں دنیاوی زندگی گزارنے کے لیے دیا جاتا ہے؟ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کس قدر محروم، بدنصیب اور کم نظر ہیں وہ لوگ جو آخرت کو بھول کر اور اس سے منہ موڑ کر صرف اسی دنیاوی زندگی کیلئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔ یہ دنیا اور اس کا یہ چندروزہ سامان کچھ بھی نہیں۔ اصل چیز تو آخرت اور وہاں کی سدا بہار نعمتیں ہیں، جو خوش نصیب لوگوں کو ملیں گی۔

ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی یقیناً دنیاوی کامیابی سے بہتر ہے۔ انسان کو اپنے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کی پکڑ سے ڈرنا چاہیے۔ کفر و شرک اور نافرمانی سے بچنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ سے ہر حال میں راضی رہنا چاہیے۔ اس سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ کیونکہ تقویٰ ہی نجات اور حقیقی کامیابی کا ذریعہ ہے۔

قیامت کے دن ہر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ انصاف اور اپنے فضل و کرم کا معاملہ کرے گا۔ کسی پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کسی کی نیکی کا انکار نہیں کیا جائے گا نہ ہی کسی دوسرے کے گناہ ہمارے ذمے ڈالے جائیں گے۔ نیکی کا اجر کئی گناہ بڑھا کر دیا جائے گا۔

(8) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ. (سورۃ التوبہ، آیت:38)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ دنیاوی زندگی اور اس کا سامان آخرت کے مقابلے میں اتنا قلیل ہے کہ اس کی کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں۔ پس جو لوگ آخرت کے مقابلے

میں دنیا کو پہلے رکھتے اور اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی فانی لذتوں کی بنا پر وہ آخرت اور اس کے تقاضوں سے غفلت اور لاپرواہی برتتے ہیں، وہ بڑے ہی ہولناک خسارے میں ہیں۔ اس حقیقت کا علم قیامت کے دن ہوگا۔ اس دن خسارے کی تلافی و تدارک کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اس دن کوئی نیکی قبول نہیں کی جائے گی۔ قیامت کا دن جزا و سزا کا دن ہوگا۔

ہمیں دنیاوی مال و دولت میں الجھ کر خدا کو نہیں بھولنا چاہیے۔ دنیا کی حیثیت کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرنی چاہیے تاکہ آخرت کی حقیقی کامیابی نصیب ہو سکے۔

(9) **فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ** (سورۃ التوبہ، آیت:55)

(ان کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ)

اس آیت پاک میں ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں۔ جن سے وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔ انہی کے ذریعے انسان اپنی دنیا بھی سنوار سکتا ہے اور اپنی آخرت بھی بنا سکتا ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ انسان کے پاس ایمان اور اخلاق ہو۔ انسان ان کو اپنے خالق (پیدا کرنے والے) اور مالک کی تعلیمات کے مطابق عمل میں لائے۔

اگر انسان خدائے پاک کے احکامات کو نہ مانے تو یہی چیزیں اس کے ہاتھوں کے بندھن اور اس کے گلے کا پھندا بن جاتی ہیں اور انسان ان کے حصول اور بڑھاوے کے جال میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ دنیا میں طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا رہتا ہے۔ ظاہری اسباب اور وسائل کی موجودگی کے باوجود زندگی ایک سخت قسم کی گھٹن کا شکار ہو جاتی ہے۔ حیات دنیا کی یہ مختصر فرصت یونہی گزارنے کے بعد ایسے لوگ آخرت کے ابدی (ہمیشہ رہنے والے) خسارے کا شکار ہو جاتے ہیں، جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ اس لیے ہمیں ان دونوں نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق عمل میں لانا چاہیے۔

(10) اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ

حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ. (سورۃ الحدید، آیت:20)

(خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا، زینت اور آپس میں فخر (وغرور) اور مال اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ میں اس کو تم دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی نہیں ہے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی کھیل، تماشا، زیب وزینت، فخر وغرور، مال اور اولاد میں مقابلے اور فخر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس دنیا کی مثال بارش کی طرح ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو اس سے فصلیں اُگتی اور لہلہا اٹھتی ہیں، جس سے زمیندار خوش ہوتا ہے۔ اس کے سامنے اس کی فصل بہت اچھی ہو جاتی ہے۔ اچھا رنگ پکڑتی ہے پھر اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے پھر وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے یہی مثال دنیا دار شخص کی ہے کہ وہ زندگی بھر کماتا رہتا ہے لیکن موت کے وقت اس کے پاس حسرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وہ بڑی حسرتوں کے ساتھ خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور جونہی اس کی آنکھ بند ہوتی ہے وہ آخرت کے شدید عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جس نے دنیا اور اس کی لذتوں پر قربان ہونے کی بجائے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں زندگی بسر کی۔ اس کے لیے اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی رضامندی ہے۔

اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ یہ دنیا کا سروسامان تو محض کھیل تماشے کی جگہ ہے، جو وقت گزارنے اور دل بہلانے کے لیے ہوتا ہے۔ ان میں بہتر سے بہتر کھیل تماشا بھی ہمیشہ رہنے والا نہیں ہوتا۔ کھیل، تماشا ظاہر میں کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو پوری زندگی کھیل میں نہیں گزاری جاسکتی۔ یہی دنیا اور اس کے اسباب کی حقیقت ہے کہ اگر انسان کی زندگی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

میں نہ ہوتو پوری کی پوری زندگی بے مقصد ہو جاتی ہے۔

اس آیت پاک سے ہمیں درج ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i) دنیا کی زندگی کھیل تماشا، زینت، فخر، غرور اور مال و اولاد میں فخر کے سوا کچھ نہیں۔

(ii) دنیا کی زندگی ان فصلوں کی مانند ہے جو بارش کے بعد اگتی ہیں لیکن ایک وقت کے بعد خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہیں۔

(iii) دنیا کے مال واسباب پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔

(iv) آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی بے معنی ہے۔

(v) دنیا عارضی اور آخرت پائیدار (مستقل رہنے والی) ہے۔

(vi) مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔

(vii) مال اور اولاد ہمارے لیے آزمائش ہیں۔

(viii) دنیا کے مال پر فخر کرنے والے کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے۔

(ix) دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔

(x) جس نے اپنے آپ کو دنیا کے اس دھوکے سے بچا لیا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرے گا اور اس پر راضی ہوگا۔

3 زہد احادیث کی روشنی میں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو بار بار زہد اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، جس کا اندازہ درج ذیل چند احادیث سے لگایا جا سکتا ہے:

(1) عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ، وَلَا فِي إِضَاعَةِ الْمَالِ، وَلَكِنِ الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْثَقَ مِنْكَ بِمَا فِي يَدِ اللّٰهِ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:980)

(حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کا زہد یہ نہیں کہ آدمی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے اور نہ یہ ہے کہ اپنا مال تباہ کر دے۔ بلکہ زہد اور درویشی یہ ہے کہ آدمی کو اس مال پر جو اس کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جتنا اس مال پر ہے جو اللہ کے ہاتھ میں ہے)

(2) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوَى هَذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَسْكُنُهُ، وَثَوْبٌ يُوَارِي عَوْرَتَهُ، وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:227)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ابن آدم کا دنیا میں ان چیزوں کے علاوہ اور کوئی حق نہیں:

(i) رہنے کے لیے گھر

(ii) تن ڈھانپنے کے لیے مناسب کپڑا

(iii) روٹی اور پانی کے برتن

(3) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللّٰهُ، وَأَحَبَّنِي النَّاسُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّوكَ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:982)

(حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جسے میں کرنے لگوں تو میں اللہ کو پسند آؤں اور لوگوں کو بھی پسند آؤں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کے معاملہ میں زہد اختیار کر لو، تم اللہ کو پسند آنے لگو گے۔ جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے، اس کی بابت زہد اختیار کر لو، تم لوگوں کو پسند آنے لگو گے)

(4) عَنْ أَبِي خَلَّادٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ أُعْطِيَ زُهْدًا فِي الدُّنْيَا، وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ، فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلَقِّي الْحِكْمَةَ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:981)

(حضرت ابوخلاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جس نے دنیا سے زہد اختیار کیا تو اس کی صحبت اختیار کرو کیونکہ اس کی باتوں میں حکمت ہوتی ہے)

(5) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَنْدَقِ، وَهُمْ يَحْفِرُونَ وَنَحْنُ نَنْقُلُ التُّرَابَ عَلَى أَكْتَادِنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةْ فَاغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ". (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:1321)

(حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خندق کے موقع پر موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خندق کھودتے جاتے تھے، ہم مٹی اٹھاتے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے فرماتے: اے اللہ! زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے۔ اے اللہ! تو مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرمادے)۔

(6) عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1364)

(حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ، دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہے اور اللہ کے راستے میں صبح کو یا شام کو تھوڑا سا چلنا بھی دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سے بہتر ہے)

(7) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2916)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے[۱])

(8) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِالسُّوقِ دَاخِلًا مِنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ وَالنَّاسُ كَنَفَتَيْهِ فَمَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهِ ثُمَّ قَالَ: "أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هَذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ؟ فَقَالُوا: مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ وَمَا نَصْنَعُ بِهِ. قَالَ: "أَتُحِبُّونَ أَنَّهُ لَكُمْ؟ قَالُوا: وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ حَيًّا كَانَ عَيْبًا فِيهِ لِأَنَّهُ أَسَكُّ فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ. فَقَالَ: "فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هَذَا عَلَيْكُمْ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2917)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ بازار سے گزرتے ہوئے کسی بلندی سے مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں طرف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیڑ کا ایک بچہ جو چھوٹے کانوں والا تھا، اسے مرا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا کان پکڑ کر ارشاد فرمایا: تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا! ہم میں سے کوئی بھی اسے کسی چیز کے بدلے میں لینا پسند نہیں کرتا اور ہم اسے لے کر کیا کریں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں مل جائے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کا کان چھوٹا ہے، اب تو یہ مردہ حالت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ کے ہاں یہ دنیا اس سے بھی زیادہ کم عزت والی ہے جتنا تمہارے نزدیک یہ مردار کم عزت والا ہے[۲])

۱۔ اس سے مراد ہے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے گزارنی ہے یہاں انسان کو مکمل آزادی حاصل نہیں ہے۔

۲۔ اگر یہ دنیا اپنی مرضی سے گزاری جائے تو یہ مردار بن جاتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی سے گزاری جائے تو یہ اللہ پاک کی برکات کا سبب ہے۔

(9) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، فَإِذَا هُوَ بِشَاةٍ مَيِّتَةٍ شَائِلَةٍ بِرِجْلِهَا، فَقَالَ: "أَتُرَوْنَ هَذِهِ هَيِّنَةً عَلَى صَاحِبِهَا، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هَذِهِ عَلَى صَاحِبِهَا، وَلَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ، مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا قَطْرَةً أَبَدًا".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:990)

(حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ذوالحلیفہ میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا، تو ایک مردہ بکری پیر اٹھے ہوئے پڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو یہ اپنے مالک کے نزدیک عزت والی ہے۔ خدا کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، البتہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ کم عزت والی ہے، جتنا کہ یہ بکری اپنے مالک کے نزدیک ہے۔ اگر دنیا اللہ پاک کے نزدیک ایک مچھر کے برابر بھی اہمیت رکھتی تو اللہ تعالیٰ اس میں سے ایک قطرہ پانی کا کافر کو پینے نہ دیتا)

(10) عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "مَا مَثَلُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ، إِلَّا مَثَلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:988)

(حضرت مستورد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈالے پھر دیکھے کہ کتنا پانی اس کی انگلی میں لگتا ہے)

(11) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: اضْطَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَصِيرٍ فَأَثَّرَ فِي جِلْدِهِ، فَقُلْتُ: بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لَوْ كُنْتَ آذَنْتَنَا فَفَرَشْنَا لَكَ عَلَيْهِ شَيْئًا يَقِيكَ مِنْهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا أَنَا وَالدُّنْيَا، إِنَّمَا أَنَا وَالدُّنْيَا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:989)

(حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بوریئے پر لیٹے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن میں اس کا نشان پڑ گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! کاش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو حکم دیتے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے بستر کر دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تو دنیا میں ایسا ہوں جیسے ایک سوار ایک درخت تلے سایہ کے لیے اتر پڑے پھر تھوڑی دیر میں وہاں سے چل دے)

(12) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ، إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ تَابَ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1384)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر انسان کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو تیسری کا خواہش مند ہوگا اور انسان کا پیٹ مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو سچی توبہ کرتا ہے)

(13) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا ابْنَ آدَمَ، إِنَّكَ إِنْ تَبْذُلِ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ، وَإِنْ تُمْسِكْهُ شَرٌّ لَكَ، وَلَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:229)

(حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابن آدم! تم اگر اپنی ضرورت سے زائد مال کو محاسن میں خرچ کر دو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو یہ تمہارے لیے برا ہوگا۔ ضرورت کے مطابق اپنے اوپر خرچ کرنے پر برا بھلا نہیں کہا جائے گا۔ صدقات وخیرات کی ادائیگی میں ابتدا اس سے کرو جس کی تم کفالت کرتے ہو اور جان لو کہ اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے)

(14) قَالَ أَبُو ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَرَّةِ

الْمَدِينَةِ، فَاسْتَقْبَلَنَا أُحُدٌ، فَقَالَ: "يَا أَبَا ذَرٍّ، قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: مَا يَسُرُّنِي أَنَّ عِنْدِي مِثْلَ أُحُدٍ هٰذَا ذَهَبًا تَمْضِي عَلَيَّ ثَالِثَةٌ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ إِلَّا أَنْ أَقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ اللّٰهِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ شِمَالِهِ، وَمِنْ خَلْفِهِ، ثُمَّ مَشٰى، فَقَالَ: إِنَّ الْأَكْثَرِينَ هُمُ الْأَقَلُّونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا مَنْ قَالَ: هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ شِمَالِهِ، وَمِنْ خَلْفِهِ، وَقَلِيلٌ مَا هُمْ ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1391)

(حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے شمالی طرف چلا جا رہا تھا۔ احد کا پہاڑ ہمارے سامنے آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخاطب کیا: ابوذر! میں نے عرض کی: لبیک اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو تو پھر بھی میں ہرگز پسند نہ کروں کہ تیسری رات مجھ پر اس حالت میں آئے کہ اس میں سے ایک دینار[1] بھی میرے پاس بچ گیا ہو۔ اپنے پاس اگر کچھ رکھوں گا تو وہ صرف قرض لوٹانے کے لیے۔ میں دامن بھر بھر کر ایسے دائیں، بائیں اور پیچھے، وہ سارا سونا خیرات کر دوں گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر چلے اور بولے: آج جن کی دولت زیادہ ہے، قیامت کے روز وہ غریب نکلیں گے، سوائے ان کے جو ایسے دائیں اور ایسے بائیں اور ایسے پیچھے مال لٹاتے ہوں۔ مگر ایسے ہیں بہت تھوڑے)

(15) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: اشْتَكٰى سَلْمَانُ، فَعَادَهُ سَعْدٌ فَرَآهُ يَبْكِي، فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ: مَا يُبْكِيكَ يَا أَخِي، أَلَيْسَ قَدْ صَحِبْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ أَلَيْسَ أَلَيْسَ، قَالَ سَلْمَانُ: مَا أَبْكِي وَاحِدَةً مِنَ اثْنَتَيْنِ، مَا أَبْكِي ضِنًّا لِلدُّنْيَا، وَلَا كَرَاهِيَةً لِلْآخِرَةِ، وَلٰكِنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ إِلَيَّ عَهْدًا فَمَا أُرَانِي إِلَّا قَدْ تَعَدَّيْتُ، قَالَ: وَمَا عَهِدَ إِلَيْكَ؟ قَالَ: "عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ يَكْفِي أَحَدَكُمْ مِثْلُ زَادِ الرَّاكِبِ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:984)

---

[1] ۔ دینار، زمانہ قدیم میں سونے کا سکہ ہوتا تھا جسے بطور کرنسی استعمال کیا جاتا تھا۔

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کو گئے، دیکھا وہ رو رہے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا! تم کیوں روتے ہو؟ بھائی کیا تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت نہیں اٹھائی، کیا یہ بات تم میں نہیں ہے؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا! ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی میرے رونے کی وجہ نہیں ہے، نہ تو دنیا کی حرص ہے اور نہ یہ کہ میں آخرت کو برا جانتا ہوں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو ایک نصیحت کی تھی اور مجھے لگتا ہے کہ میں نے اس میں کوتاہی کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا نصیحت کی تھی؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: تم میں سے ہر ایک کو دنیا میں اسی قدر کافی ہے جتنا سوار (مسافر) کو کافی ہوتا ہے)

(16) قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ الْمَعَادِ، كَفَاهُ اللّٰہُ هَمَّ دُنْيَاهُ، وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ فِي أَحْوَالِ الدُّنْيَا، لَمْ يُبَالِ اللّٰہُ فِي أَيِّ أَوْدِيَتِهِ هَلَكَ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:986)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص سب فکروں کو چھوڑ کر ایک فکر لے گا، یعنی آخرت کی فکر، تو اللہ تعالی اس کی دنیا کی فکریں اپنے ذمہ لے لے گا اور جو شخص طرح طرح کی دنیا کی فکروں میں لگا رہے، تو اللہ تعالیٰ پرواہ نہ کرے گا۔ وہ چاہے جس وادی میں ہلاک ہو)

(17) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يَقُولُ: "الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ، مَا فِيهَا إِلَّا ذِكْرَ اللّٰہِ، وَمَا وَالَاهُ أَوْ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:992)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے، مگر (سوائے) اللہ تعالیٰ کی یاد اور اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں اور عالم اور علم سیکھنے والے کے)

(18) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "وَيْلٌ لِلْمُكْثِرِينَ، إِلَّا مَنْ قَالَ: بِالْمَالِ هَكَذَا وَهَكَذَا، وَهَكَذَا وَهَكَذَا" أَرْبَعٌ عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ شِمَالِهِ، وَمِنْ قُدَّامِهِ، وَمِنْ وَرَائِهِ.

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1009)

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خرابی ہے، بہت مال والوں کے لیے مگر جو کوئی مال کو اس طرف لٹا دے اور اس طرف اور اس طرف اور اس طرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاروں طرف اشارہ فرمایا: دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے)

(19) عَنْ خَبَّابٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ: "هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُرِيدُ وَجْهَ اللَّهِ، فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللَّهِ، فَمِنَّا مَنْ مَضَى لَمْ يَأْخُذْ مِنْ أَجْرِهِ مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ وَتَرَكَ نَمِرَةً، فَإِذَا غَطَّيْنَا رَأْسَهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ، وَإِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ بَدَا رَأْسُهُ، فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ وَنَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ شَيْئًا مِنَ الْإِذْخِرِ، وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1395)

(حضرت خباب بن ارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہجرت کی۔ چنانچہ ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ رہا۔ ہم میں سے کوئی تو گزر گیا اور اپنا اجر نہیں لیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (انہی) میں سے تھے۔ وہ جنگ احد کے موقع پر شہید ہو گئے تھے اور ایک چادر چھوڑی تھی۔ اس چادر سے ہم اگر ان کا سر ڈھانکتے، تو ان کے پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانکتے تو سر کھل جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کا سر ڈھانک دیں اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دیں اور کوئی ہم میں سے ایسے ہوئے، جن کے پھل خوب پکے اور وہ مزے سے چن چن کر کھا رہے ہیں)

(20) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: "لَمْ يَأْكُلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ حَتَّى مَاتَ، وَمَا أَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتَّى مَاتَ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1397)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی میز پر کھانا نہیں کھایا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور نہ وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی باریک چپاتی کھائی)

(21) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: "لَقَدْ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فِي رَفِّي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ، إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ فِي رَفٍّ لِي، فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ فَكِلْتُهُ، فَفَنِيَ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1398)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو میرے سٹور میں کوئی غلہ نہ تھا جو کسی جاندار کے کھانے کے قابل ہوتا، تھوڑے سے جو میرے سٹور میں تھے۔ میں انہی میں سے کھاتی رہی۔ جب بہت دن ہو گئے، تو آخر اکتا کر میں نے انہیں ماپا، تو وہ ختم ہو گئے)

(22) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنِ أُخْتِي: "إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ، وَمَا أُوقِدَتْ فِي أَبْيَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ"، فَقُلْتُ: مَا كَانَ يُعِيشُكُمْ؟ قَالَتْ: "الْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ، إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِيرَانٌ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ لَهُمْ مَنَائِحُ، وَكَانُوا يَمْنَحُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَبْيَاتِهِمْ فَيَسْقِينَاهُ".
(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1406)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، انہوں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا، بیٹے! ہم دو مہینوں میں تین چاند دیکھ لیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ میں نے پوچھا! پھر آپ لوگ زندہ کیسے رہتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ صرف دو کالی چیزوں کھجور اور پانی پر۔ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ انصاری پڑوسی تھے، جن کے پاس دودھ دینے والی اونٹنیاں تھیں۔ وہ اپنے گھروں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دودھ بھیج دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں وہی دودھ پلا دیتے تھے)

(23) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: "مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ

قَدِمَ الْمَدِينَةَ مِنْ طَعَامِ بُرٍّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا حَتَّى قُبِضَ".
(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:395)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں کو مدینہ آنے کے بعد کبھی تین دن تک برابر گندم کی روٹی کھانے کے لیے نہیں ملی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح قبض ہوگئی)

(24) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: "كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَدَمٍ وَحَشْوُهُ مِنْ لِيفٍ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1403)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی)

(25) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: "كَانَ يَأْتِي عَلَيْنَا الشَّهْرُ مَا نُوقِدُ فِيهِ نَارًا، إِنَّمَا هُوَ التَّمْرُ وَالْمَاءُ، إِلَّا أَنْ نُؤْتَى بِاللُّحَيْمِ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1405)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ہمارے اوپر ایسا مہینہ بھی گزر جاتا تھا کہ آگ نہیں جلتی تھی۔ صرف کھجور اور پانی ہوتا تھا۔ ہاں اگر کبھی کسی جگہ سے کچھ تھوڑا سا گوشت آجاتا، تو اس کو بھی کھا لیتے تھے)

(26) قَالَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَسْبِقُونَ الْأَغْنِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى الْجَنَّةِ بِأَرْبَعِينَ خَرِيفًا". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2962)

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں! ہم مہاجرین فقرا (فقیر) قیامت کے دن مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے)

(27) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهُ جَالِسٍ: مَا رَأْيُكَ فِي هَذَا، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ: هَذَا وَاللَّهِ حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ، وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ، قَالَ: فَسَكَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ آخَرُ، فَقَالَ لَهُ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا رَأْيُكَ فِي هَذَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ، هَذَا حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ لَا يُنْكَحَ، وَإِنْ شَفَعَ أَنْ لَا يُشَفَّعَ، وَإِنْ قَالَ أَنْ لَا يُسْمَعَ لِقَوْلِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هَذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِثْلِ هَذَا". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1000)

(حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گزرا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرے شخص سے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا! کہ اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ عزت والے لوگوں میں سے ہے اور اللہ کی قسم یہ اس قابل ہے کہ اگر یہ پیغام نکاح بھیجے تو اس سے نکاح کر دیا جائے۔ اگر یہ سفارش کرے تو ان کی سفارش قبول کر لی جائے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد ایک دوسرے صاحب گزرے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کے متعلق بھی پوچھا! کہ ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ صاحب مسلمانوں کے غریب لوگوں میں سے ہیں اور یہ ایسے ہیں کہ اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجیں تو ان سے نکاح نہ کیا جائے۔ اگر یہ کسی کی سفارش کریں تو ان کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر کچھ کہیں تو ان کی بات نہ سنی جائے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد ارشاد فرمایا: اللہ کے نزدیک یہ پچھلا (غریب)، اگلے (مالدار) شخص سے بہتر ہے اگرچہ ویسے آدمی زمین بھر کر ہوں)

(28) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَدْخُلُ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِينَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ، بِنِصْفِ يَوْمٍ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:243)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں میں جو فقیر ہیں، وہ مال داروں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے اور آدھا دن پانچ سو برس کا ہے)

(29) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا أُخْبِرُكَ عَنْ مُلُوكِ الْجَنَّةِ؟". قُلْتُ: بَلٰى، قَالَ: "رَجُلٌ ضَعِيفٌ مُسْتَضْعَفٌ ذُو طِمْرَيْنِ، لَا يُعْبَأُ لَهُ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:995)

(حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تجھ سے بیان نہ کروں جنت کا بادشاہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا! جی ہاں بیان فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کمزور ہو، لوگ اس کو کم سمجھیں اور دو پرانے کپڑے پہنتا ہو، وہ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بھروسے پر قسم کھائے، تو اللہ تعالیٰ اس کو سچا کرے گا)

(30) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ، كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ، أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ، كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:996)

(حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تجھ کو نہ بتاؤں کہ جنت والے لوگ کون ہیں؟ ہر ایک ضعیف (کمزور) جس کو لوگ کمزور جانیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو نہ بتلاؤں، دوزخ والے لوگ کون ہیں؟ ہر ایک سخت مزاج، بہت روپیہ جوڑنے والا اور اکڑ والا)

(31) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْبَذَاذَةُ مِنَ الْإِيمَانِ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:998)

(حضرت ابو امامہ حارثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سادگی ایمان میں سے ہے)

(32) عَنِ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:264)

(حضرت ابن کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد

نقل کرتے ہیں: اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں میں چھوڑ دیے جائیں تو بھی وہ اتنا فساد برپا نہ کریں، جتنا مال وشرف (عہدہ/ بڑھائی) کی حرص، انسان کے دین کو خراب کرتی ہے)

4 زہداور زاہدوں کی اقسام

(1) زہد کی کئی صورتیں ہیں جن میں سے تین صورتیں زیادہ اہم ہیں:

(i) خدا کی رضا کے لیے حرام کام کو چھوڑ دینا، یہ عوام کا زہد ہے۔ زہد کی یہ صورت اختیار کرنا تمام مسلمانوں پر فرض (فرض زہد) ہے۔

(ii) حلال میں سے ضرورت سے زائد کو چھوڑ دینا، یہ خاص لوگوں کا زہد ہے۔ اسے نفل زہد بھی کہتے ہیں۔

(iii) حلال میں سے ایسی اشیا کو چھوڑ دینا جو بندے کو خدا سے غافل کر دیتی ہوں۔ یہ عارفین کا زہد ہے۔ اسے سلامت زہد بھی کہتے ہیں۔

(2) زہد کے درجات

زہد کے کئی درجے ہیں۔ یہ تین درجے زیادہ اہم ہیں:

(i) زہد کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان تکلف کے ساتھ دنیا سے بے رغبتی (دلچسپی نہ لینا) اختیار کرے اور اپنی خواہشات کے باوجود اسے چھوڑنے کی کوشش کرے۔ یہ درجہ اس شخص کے حق میں زہد کی ابتدا جو کوشش سے بہتر ہوسکتا ہے۔ ایسا زاہد ہروقت خطرات میں گھرا رہتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا نفس اس پر غالب آجاتا ہے اور خواہشات اسے اپنی طرف موڑ لیتی ہیں اور وہ خوشی پانے کے لیے دنیا کی طرف منہ کرلیتا ہے۔

(ii) دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی خوشی سے دنیا سے بے رغبتی (دلچسپی نہ لینا) اختیار کرے اور اسے آخرت کے مقابلے میں حقیر (کم عزت) سمجھے۔ وہ ایک کم عزت والی چیز کو ایک اہم چیز کو حاصل کرنے کے لیے چھوڑ دے۔ یہ بھی زہد ہے لیکن اس میں نقصان کا ڈر ہے۔ یہ زاہد اپنے زہد سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے اور اس کی طرف توجہ کرتا رہتا ہے۔ اس سے زاہد میں تکبر پیدا ہوسکتا ہے۔

(iii) زہد کا تیسرا اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی خوشی سے زہد اختیار کرے اور اپنے زہد میں شدت اختیار کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ اس نے کوئی اہم چیز چھوڑی ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ دنیا کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے پتھر کو چھوڑا اور موتی لے لیا، وہ اس چیز کو اس کا بدلہ نہیں سمجھتا اور اس کے نزدیک دنیا کی آخرت کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں۔

(3) زاہدوں کے درجات

جس طرح زہد کے تین درجے ہیں بالکل اسی طرح زاہدوں کے بھی تین درجے ہیں جو یہ ہیں:

(i) بعض زاہد ابتدائی درجہ میں ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو کچھ نہیں رکھتے۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے زہد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا، ہاتھوں کا ملکیت سے اور دلوں کا لالچ سے خالی ہونا زہد ہے، اور جب حضرت سری سقطیؒ سے زہد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا زہد یہ ہے کہ جن چیزوں سے زاہد کا ہاتھ خالی ہو ان سے اس کا دل بھی خالی ہو۔

(ii) دوسرا گروہ ان زاہدوں کا ہے جن کا زہد کامل (پکا) ہو۔ ان کی صفت وہ ہے جو حضرت رویم بن احمدؒ نے بیان کی۔ جب ان سے زہد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: دنیا میں پائی جانے والی تمام اشیاء اور ان کی خواہش کو چھوڑ دینا زہد ہے۔ دنیا سے زہد اختیار کرنے میں بھی نفس کا مزہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ زہد کے اندر راحت، تعریف، نیک نامی اور لوگوں کے ہاں عزت کی خواہش پائی جاتی ہے لہٰذا جو شخص دل سے ان خواہشات سے آزادی اختیار کرے گا وہی حقیقی زاہد کہلائے گا۔

(iii) تیسرا گروہ وہ ہے جس نے یہ معلوم کر لیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اگر تمام دنیا جائز طور پر اس کی ملکیت بن جائے اور پھر آخرت میں اس سے اس کا حساب بھی نہ کیا جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ انعامات میں کمی بھی واقع نہ ہو اور پھر بھی وہ دنیا سے اللہ کی خاطر بے نیازی اختیار کرے۔ جب یہ لوگ اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں تو اپنے زہد سے بھی زہد

اختیار کرتے ہیں اور اپنے زہد سے توبہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت شبلیؒ سے زہد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا زہد تو غفلت کا نام ہے اس لیے کہ دنیا لاشیء (کوئی چیز نہیں) ہے اور لاشیء سے زہد کرنا غفلت ہے۔

5 زہد اور دنیا کا تعلق

(1) زہد کا عمومی تصور، غربت، دنیا سے بیزاری اور پھٹے پرانے کپڑوں میں قید کر دیا گیا ہے، حالانکہ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ اسلام کے نزدیک زہد، دولت کے ساتھ بھی جمع ہوسکتا ہے اور غربت کے ساتھ بھی۔ ایک دولت مند بھی زاہد ہوسکتا ہے اگر اس کی دولت گناہ کا سبب نہ بنے اور غریب بھی زاہد ہوسکتا ہے اگر وہ دنیا کے ہاتھ سے نکل جانے پر پریشان نہ ہو۔

(2) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پر نگاہ ڈالیں تو زہد ہی زہد نظر آتا ہے، آخرت کے اندر مقامِ محمود (1) اور بہشت میں سب سے اونچے درجے کا مالک، سب سے عظیم انسان اپنے پھٹے ہوئے لباس پر خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتا ہے اور پھر خدا کا شکر کر کے اسے پہن لیتا ہے۔ اپنے جوتے خود مرمت کرتا ہے۔ اپنی بکری کا دودھ خود دوہتا ہے۔ جو کے آٹے سے مسلسل دو روز تک سیر ہونے کا واقعہ اس کی زندگی میں کبھی پیش آتا ہی نہیں، ایک کے دوسرا چاند گزر جاتا ہے، تیسرا چاند نکل آتا ہے، گھر میں مسلسل چولہا نہیں جلتا۔ چند کھجوریں، کچھ گھونٹ پانی پھر خدا کی حمد، قیام، طویل سجدے اور جہاد۔ غزوہ خندق میں اس کے پیروکار پیٹ پر پتھر باندھ کر نکلتے ہیں تو اس کے پیٹ پر دو پتھر بندھے دیکھتے ہیں، خندق کھودتے ہوئے اِس کے ساتھی پسینے میں شرابور ہیں تو یہ بھی پتھر توڑنے میں مصروف۔ مگر اس پر کبھی غم نہیں کرتے بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

1۔ مقام محمود جنت میں ایک مقدس مقام کا نام ہے۔ یوم الحشر کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مقام عطا کیا جائے گا۔ قرآن پاک میں یوں آیا ہے: عسىٰ أَن يَبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُودًا (امید ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود پر کھڑا کرے گا)۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت: 79

(3) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو عین جوانی میں موت آتی ہے تو ان کی زبان پر یہ کلمات سنے جاتے ہیں: خدایا! تو جانتا ہے دنیا سے میرا لگاؤ اور یہاں رہنے کی خواہش، زمینیں آباد کرنے اور نہریں نکالنے کے لئے کبھی نہ تھی۔ دنیا سے میری رغبت اس لئے تھی کہ میں گرم دوپہروں میں روزے کی پیاس میں لذت ڈھونڈوں، تنہائی کی گھڑیوں میں عبادت کے لئے محنت کروں اور علم و ذکر کی محفلوں میں شامل ہونے کے لئے سب سے آگے بڑھ کر نشست پاؤں۔

(4) زہد یہ نہیں کہ آدمی حلال اور پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلے۔ حلال کمائی کے معاملہ میں بے رغبتی پیدا کر لینا اور کاروبارِ دنیا میں حصہ نہ لینا زہد کا ایک نہایت غلط تصور ہے۔ حلال کمانا، خدا کے پاکیزہ رزق کی تلاش میں نکلنا اور اس کے لیے صبح سے شام کرنا، اور اپنی اس کمائی سے والدین اور اہل خانہ کے حقوق پورے کرنا لازم ہے۔ دنیا میں اس مال سے، استطاعت کے مطابق، جہاد اور خدا کے مشن کی بھرپور مدد کرنا زہد ہے اور اپنی کوشش سے امت کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا زہد ہے۔ اسلامی معاشرے کو ایک بیروزگار اور غیر پیداواری معاشرہ نہ رہنے دینا اور مسلم معاشرے کو ایک باعزت، خودکفیل اور ایک غیر دست نگر معاشرہ بنانے میں زیادہ سے زیادہ کردار ادا کرنا زہد ہے۔

(5) اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں دو طرح کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک وہ گروہ جو صرف دنیا کا چاہنے والا ہے اور دوسرا وہ جو دنیا و آخرت دونوں کا چاہنے والا ہے۔ اس گروہ کا ذکر خیر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ.

(سورۃ البقرہ، آیت: 200-202)

(بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے، ایسے لوگوں کا آخرت

میں کوئی حصہ نہیں۔ بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچائے رکھ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے)

(6) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام روانہ فرمایا کہ اپنا (جنگی) لباس اور ہتھیار پہن کر میرے پاس پہنچو۔ میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو آپ وضو کر رہے تھے۔ آپ نے مجھ پر اوپر سے لے کر نیچے تک نگاہ ڈالی، پھر فرمایا: میں تمہیں ایک لشکر کی کمان دے کر مہم پر روانہ کرنا چاہتا ہوں، اللہ تمہیں صحیح سلامت واپس لائے اور کامیابی و مالِ غنیمت[1] دے اور میں تمہارے مال پانے کے لئے بھی خواہش رکھتا ہوں۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں مال پانے کی خاطر اسلام نہیں لایا، بلکہ اس لیے اسلام لایا ہوں کہ اسلام ہی مجھے پسند ہے اور اس لیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و ساتھ پاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا عمرو! **نِعمَ المَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرءِ الصَّالِحِ** (مسند احمد، ج:7، رقم الحدیث:889)۔ (اے عمرو!، کیا ہی خوب ہے کہ پاک مال ہو اور نیک آدمی کے ہاتھ میں ہو)

(7) زہد دنیا کو رد کر دینا نہیں بلکہ دنیا کو دل میں بٹھانے سے انکار کرنا ہے۔ ورنہ ہم جانتے ہیں ایک نبی علیہ السلام اپنے دور کا سب سے بڑا زاہد ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مویشی پوری ایک وادی میں آتے تھے۔ مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا تھا، یہاں تک کہ آپ کا لقب ہی ابو الضیفان (مہمانوں کا باپ) پڑ جاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ تھے جن کے پاس مال دولت کے ڈھیر تھے۔

(8) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی زاہد نہیں ہوسکتا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی گھر بسا رکھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں سو بکریاں بھی رہیں۔ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ

---

[1]۔ وہ مال جسے میدان جنگ میں دشمن فوجیں چھوڑ کر بھاگ جاتی ہیں، مال غنیمت کہلاتا ہے۔

بکریاں سو سے بڑھ جاتیں تو آپ ﷺ ان میں سے کوئی ایک ذبح کر لیتے۔ آپ ﷺ کے اخراجات کے لئے فدک (۱) میں زرعی زمین کا ایک ٹکڑا مخصوص تھا۔ گھر میں کئی کئی دن تک کچھ نہیں پکتا تھا تو یہ اس وجہ سے نہ تھا کہ ہاتھ خالی تھا بلکہ اس لئے کہ دل بڑا تھا۔ آپ ﷺ خدا کے نبی ﷺ تھے جن کو مومنوں کی اس سے کہیں بڑھ کر فکر تھی جتنی کہ خود ان کو اپنی یا اپنے گھر والوں کی فکر ہو سکتی تھی۔ اس لئے آپ ﷺ صدقہ خیرات کر دیتے تھے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھتے تھے۔

(9) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں ہم ایسے صحابہ کو بھی جانتے ہیں جو مشکل سے دو کپڑوں میں صفہ پر بیٹھے تھے اور کاروبارِ زندگی میں بھی کچھ بہت سرگرم نہیں تھے۔ ان کی زندگی مسجد، علم اور جہاد وغیرہ کی سرگرمیوں تک ہی محدود تھی اور زیادہ تر ان کی گزر صدقات وغیرہ پر ہی ہوتی تھی۔ اسی طرح اصحابِ رسول ﷺ میں ہم ایسے اصحاب کو بھی دیکھتے ہیں جو کروڑ پتی تھے اور کاروبارِ زندگی میں بھی خوب سرگرم تھے، بلکہ فضیلت میں کئی کروڑ پتی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، کئی غیر کاروباری صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت بلند تر درجے پر تھے، بلکہ عشرہ مبشرہ (۲) قریب قریب سبھی کے سبھی مالی طور پر مضبوط تھے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن

۱۔ فدک مدینہ منورہ کے مغرب میں 30 میل کے فاصلے پر خیبر کے پاس ایک علاقہ کا نام ہے۔

۲۔ عشرہ مبشرہ سے مراد وہ دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جنہیں حضور نبی کریم ﷺ نے ایک ہی حدیث میں جنتی ہونے کی بشارت عطا فرمائی: حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، حضرت سعید رضی اللہ عنہ (سعید بن زید) جنتی ہیں اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جنتی ہیں۔ (جامع ترمذی، ج: 2، رقم الحدیث: 1713)

عباس رضی اللہ عنہ جیسے بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو خوب تجارت کرتے تھے۔ مال ودولت کی ریل پیل تھی مگر دل میں خدا بستا تھا اور زبان پر صرف آخرت کا سوال تھا۔

(10) حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، ان کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم تھے۔ اس کے علاوہ اریس وخیبر اور وادی القرٰی کے درمیان میں کچھ زمینیں تھیں جن کی ملکیت دو لاکھ دینار تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ترکہ کا آٹھواں حصہ پچاس ہزار دینار تھا اور پورا ترکہ چار لاکھ دینار ہوئے۔ ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار خادم/ کام کرنے والے مزدور اس کے علاوہ تھے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تین لاکھ دینار چھوڑے اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا غنی ہونا اتنا مشہور ہے کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا ان کے ہاتھ میں تھی، دل میں نہ تھی۔ جب نہ ملی تھی صبر کیا، جب ملی تو شکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں انہیں فاقے میں مبتلا فرمایا یہاں تک کہ ان کے ایمان، کمال کو پہنچ گئے۔

(11) مادی اشیا اور زہد کے تعلق کو مولانا جلال الدین رومیؒ نے بہت سادگی اور خوبصورتی کے ساتھ یوں بیان کیا ہے:

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نہ قماش و نقدہ، میزان و زن
(دنیا کیا ہے؟ اللہ سے غافل ہونا دنیا ہے)
(کپڑا اور مال اور ترازو اور عورت نہیں)

(12) دنیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھ میں تھی نہ کہ دلوں میں۔ وہ دنیا سے علیحدہ رہتے تھے اور دوسروں کو فوقیت دیتے، خود فاقہ سے ہوتے۔ یہاں تک کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بکری کی سری ہدیہ آئی تو اس نے فرمایا کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ حق دار ہے۔ اس نے کسی اور کا نام بتلا دیا۔ انہوں نے کسی اور کا نام لے دیا، یوں ایک دوسرے کے پاس بھیجتے رہے یہاں تک کہ سات آٹھ آدمیوں میں گھوم پھر کر وہ سری پہلے صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ آئی۔ اسی طرح

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جنگ تبوک میں نصف مال اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سارا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سات سو اونٹ لدے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیے اور اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے غیر معمولی سامان پیش کیا۔

(13) زہد یہ ہے کہ دنیا آدمی کے ہاتھ میں ہو اور دل میں نہ ہو، چاہے وہ کروڑوں کا مالک کیوں نہ ہو۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب اس دل میں کوئی ایسی بڑی اور اعلیٰ حقیقت بس گئی ہو جس کے ہوتے ہوئے دنیا اور دنیا کے بڑے سے بڑے مال و اسباب کے لیے آدمی کے دل میں کوئی جگہ نہ ہو۔ غیر معمولی دولت بھی ہو تو دل میں نہیں ہاتھ ہی میں ہی رہے۔ اس صورت حال کی مثال مولانا جلال الدین رومیؒ نے اس شعر میں دی ہے:

آب در کشتی، ہلاک کشتی ست
آب اندر زیر کشتی، پشتی است
(پانی کشتی کے اندر چلا جائے تو کشتی ڈوب جاتی ہے)
(اگر پانی کشتی کے نیچے رہے تو کشتی محفوظ رہتی ہے)

(14) زہد ایک نہایت ہی اعلیٰ حقیقت ہے، یہ اس وقت دل میں جاگزیں ہوتی ہے، جب انسان اللہ پاک کی تعظیم سیکھ لے، شان جان لے، زندگی اور موت کے اصل مالک کا علم پالے اور آخرت سے واقف ہو جائے۔

(15) زہد سے آدمی کی نگاہ میں دنیا غیر اہم ہو جاتی ہے، چاہے جتنی بھی ہو اور دنیا دل سے بے دخل کر دی جاتی ہے، چاہے ہاتھ میں جتنی بھی ہو۔ ایک چیز کا چھوٹا اور کم اہم ہو جانا صرف اس صورت ممکن ہے کہ کوئی اور چیز دل میں اس سے زیادہ بڑا ہونے کا مرتبہ حاصل کر گئی ہو۔ وہ ہے اللہ کی ذات عالی شان اور اس کے ساتھ تعلق کے عملی تقاضے۔

(16) زہد ایک نفسی اور روحانی حالت ہے اور چونکہ زاہد کا تعلق آخرت سے ہوتا ہے، اس لئے وہ زندگی کی مادی اور ظاہری چیزوں سے زیادہ رغبت نہیں رکھتا اور یہ بے توجہی صرف فکر، احساس

اور قلبی لگاؤ ہی میں نہیں ہوتی، بلکہ زاہد اپنی عملی زندگی میں بھی سادگی اور قناعت کو اپنا طریقہ قرار دیتا ہے۔ بناؤ سنگھار اور دنیاوی لذتوں سے پرہیز کرتا ہے اور اپنا مال اوروں پر زیادہ خرچ کرتا ہے۔ اگر اپنے اوپر بھی خرچ کرے تو شکر کے احساس میں ڈوبا رہتا ہے۔

(17) زہد کسی مردہ دلی یا محرومیت کا نام نہیں۔ یہ ایک عالی شان عمل کا نام ہے جو پوری انسانی زندگی اور انسانی نسل کو آخرت کے دھارے میں رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ زہد نہ تو دنیا ترک کرنے، اس سے نفرت و فرار اختیار کرنے کا نام ہے۔ زہد کا مطلب دنیا سے ہاتھ اٹھانا نہیں بلکہ زہد تو درحقیقت دنیا کو آخرت کے لیے بھرپور استعمال کرنا ہے۔

6 زہد اور رہبانیت

(1) زہد مسلم معاشرے کی ایک نہایت بامقصد، عملی اور قربانی سے بھرپور اعلیٰ حقیقت ہے نہ کہ دنیا میں خدا کے نام پر پسماندگی، کم ہمتی، سستی اور بزدلی کا مارا ہوا طبقہ یا تھکا ہارا معاشرہ وجود میں لانے والا کوئی مذہبی طرزِ عمل ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ زہد نہیں ہے بلکہ رہبانیت ہے جو اسلام کی روح کے سراسر خلاف ہے۔

(2) اسلامی زہد کا رہبانیت (دنیا چھوڑ دینا) سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اسلامی زہد اور رہبانیت دو مختلف رویے ہیں۔ رہبانیت لوگوں سے قطع تعلق کرنے اور صرف عبادت کی طرف رخ موڑ لینے کا نام ہے۔ رہبانیت، زندگی اور اجتماعی معاشرہ کی ضد اور مخلوق سے کنارہ کشی، گوشہ نشینی، لوگوں سے قطع تعلق اور ہر طرح کی اپنی مسئولیت اور ذمہ داریوں سے فرار کا نام ہے، لیکن اسلامی زہد کی بنیاد سادہ زندگی بسر کرنے اور لذتوں سے دور رہنے (چھوڑنے) پر ہے لیکن اس میں دنیا سے کنارہ کشی نہیں ہوتی۔ راست فکر زاہد دنیا میں رہتا ہے۔ دنیا کو فتح کرتا ہے مگر اس سے دل نہیں لگاتا۔

(3) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لا خزام ولا زمام ولا سیاحة، ولا تبتل ولا ترهب في الإسلام".

(کنز العمال، ج:1، رقم الحدیث:1108)

(اسلام میں جبر نہیں اور نہ آبادیوں سے دور جانے کا حکم اور نہ ہی دنیا سے کنارہ کشی اور رہبانیت کا حکم ہے)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ، فَجَاءَهُ فَقَالَ: "يَا عُثْمَانُ، أَرَغِبْتَ عَنْ سُنَّتِي؟" قَالَ: لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَلَكِنْ سُنَّتَكَ أَطْلُبُ، قَالَ: "فَإِنِّي أَنَامُ، وَأُصَلِّي، وَأَصُومُ، وَأُفْطِرُ، وَأَنْكِحُ النِّسَاءَ، فَاتَّقِ اللّٰهَ يَا عُثْمَانُ فَإِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَصَلِّ وَنَمْ".

(مسند احمد، ج:9، رقم الحدیث:6218)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کیا تو میرے طریقہ کو ناپسند کرتا ہے؟ وہ بولے یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے طریقہ کو تلاش کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس اے عثمان! تو اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ تجھ پر تیری بیوی کا حق ہے، تیرے مہمان کا حق ہے اور خود تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ پس کبھی کبھی روزہ بھی رکھ اور کبھی نہ رکھ، نماز بھی پڑھ اور سویا بھی کر) اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اسلام میں عبادت و ریاضت وہی معتبر ہے جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہو۔ اگر اس میں مبالغہ اور رہبانیت ہوگی تو اس کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے)

7 زہد کی علامات

سوال پیدا ہوتا ہے کہ زہد کی علامات کیا ہیں؟ بعض اوقات یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مال کو چھوڑنے والا زاہد ہے، بہت سے راہب (دنیا چھوڑنے والے) ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے خود کو انتہائی معمولی غذا کا عادی بنا لیا ہے اور خود کو ایسے عبادت خانوں میں قید کر لیا ہے

جہاں سے باہر آنے کا کوئی راستہ نہیں۔ لیکن وہ اس خوشی کے سہارے زندہ ہیں جو انہیں اس وقت میسر آتی ہے جب لوگ عقیدت و محبت کے ساتھ ان کی زیارت کرنے آتے ہیں اور ان کی خوشامد کرتے ہیں۔ اس لیے مال ترک کر کے یکسو ہو جانا زہد کی قطعی (آخری) دلیل نہیں، بلکہ زہد مال اور جاہ دونوں میں چاہیے۔ زہد کی معرفت ایک مشکل کام ہے۔ اس لیے ذیل میں زہد کی کچھ علامات بیان کی جاتی ہیں:

(1) انسان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جو عطا کرے اس پر خوشی سے دیوانہ نہ ہو اور جس چیز سے محروم کرے اس پر غمگین نہ ہو۔ یہ علامت زہد فی المال (مال کے زہد) کی ہے۔ جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ. (سورۃ حدید، آیت:23)

(جو نقصان تمہیں پہنچے اس پر تم دل برداشتہ نہ ہو اور جو تمہیں اللہ عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ)

(2) زہد یہ ہے کہ آدمی موجود پر خوش نہ ہو اور مفقود (موجود نہ ہونے) پر افسوس نہ کرے۔ دوسری چیزوں کے معاملہ میں بھی یہ درست ہے، مگر مال و دولت اور عیش و آسائش کے معاملہ میں زہد کا یہ اہم معیار ہے۔

(3) انسان کے نزدیک مذمت اور تعریف کرنے والا دونوں برابر ہو جائیں۔ ستائش اور مذمت ہماری نگاہ میں دونوں برابر ہو جائیں۔ یہ جاہ اور مقام کے معاملہ میں زہد ہے۔ اسے عہدے/مقام کا زہد (زہد فی الجاہ) کہتے ہیں۔

(4) زہد کی علامت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جائے، دل پر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی مٹھاس غالب ہو جائے۔ انسان کا دل محبت کی مٹھاس سے خالی نہیں رہتا یا تو اس میں دنیا کی محبت رہتی ہے یا اللہ کی محبت۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانوس ہوتا ہے وہ اسی کے ساتھ مشغول رہتا ہے، غیر کے ساتھ مشغول نہیں ہو سکتا۔

(5) سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمیں خدا سے کتنا انس ہے؟ خدا کے ساتھ خلوت (تنہائی) کی کچھ

گھڑیاں گزارنے میں لطف کتنا آتا ہے؟ عبادت میں مٹھاس اور فرماں برداری میں حلاوت (شرینی) کہاں تک ہے؟ آخرت کی سمت چلنے میں سکھ کتنا ملتا ہے؟

8 ضروریات زندگی اور زہد

زندگی کے لیے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ چھ ہیں: غذا، لباس، رہائش، خانہ داری کے اسباب، اہل وعیال۔

(1) ضروریات زندگی میں سے سب سے پہلی ضرورت غذا ہے۔ زہد کا تقاضا ہے کہ آدمی اتنی ہی غذا کھائے جو اس کی جسمانی طاقت اور توانائی بحال رکھ سکے۔ انسان اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرے کہ خوراک کا ضیاع نہ ہو۔

جہاں تک سامانِ خورد ونوش کو ذخیرہ کر کے رکھنے کا تعلق ہے تو اس میں زہد کے اعتبار سے تین درجے ہیں:

(i) پہلا درجہ یہ ہے کہ ایک دن رات کے لیے ذخیرہ کرے۔

(ii) دوسرا درجہ یہ ہے کہ چالیس دن کے لیے غذا ذخیرہ کر لی جائے۔

(iii) تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایک سال کے لیے کھانے پینے کے سامان کا ذخیرہ کر لیا جائے۔

اگر کسی شخص کے پاس مستقل آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے اور لوگوں سے بھیک مانگنے پر اس کی طبیعت آمادہ نہ ہو تب ایک برس سے زائد عرصے کے لیے بھی مال ذخیرہ کر لینے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ حضرت داؤد طائیؒ کو وراثت میں بیس دینار ملے۔ آپؒ نے وہ دینار سنبھال کر رکھ لیے اور بیس برس بعد انہیں اپنی ضرورت میں استعمال کیا۔ ان کا یہ فعل زہد کے خلاف نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ذخیرہ کرنا زہد کے خلاف نہیں البتہ دل کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف رہنا چاہیے۔

(2) انسان کی دوسری ضرورت لباس ہے۔ لباس میں زہد یہ ہے کہ انسان ایسے لباس پر گزارہ کرے جو اسے سردی اور گرمی سے محفوظ رکھ سکے۔ لباس خوبصورت اور درمیانی قیمت کا ہو،

زیادہ مہنگا نہ ہو اور کپڑوں کی تعداد اتنی ہونی چاہیے کہ جو انسانی ضروریات کو پورا کر سکے۔ ضروریات زندگی سے زیادہ لباس کا ہونا (جسے ایک دفعہ پہن لیا اسے دوبارہ پہنا ہی نہ جائے، کپڑوں سے الماریوں کا بھرا ہوا ہونا یا کپڑوں کا بہت زیادہ قیمتی ہونا) زہد کے خلاف ہے۔ لباس کی حالت ایسی ہونی چاہیے جس سے دل میں کسی قسم کی برتری (بڑائی) کا احساس پیدا نہ ہو۔ احادیث شریف میں آتا ہے:

(i) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: "مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا، أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ أَلْهَبَ فِيهِ نَارًا".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:487)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو دنیا میں شہرت کی خاطر لباس پہنے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کو ذلت کا لباس پہنائیں گے پھر اس میں آگ دہکائیں گے)

(ii) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ، أَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ حَتَّى يَضَعَهُ مَتَى وَضَعَهُ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:488)

(حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شہرت کی خاطر لباس پہنے اللہ تعالیٰ اس سے اعراض فرماتے ہیں یہاں تک کہ جب چاہیں اسے رسوا فرمادیں)

(iii) قرآن پاک میں خوبصورت لباس پہننے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. (سورۃ الاعراف، آیت:31)

(اے آدم کی اولاد! ہر نماز کے وقت اپنی زینت (خوبصورتی) اختیار کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ گزرو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں کرتا)

(3) انسان کی تیسری ضرورت رہنے کے لیے رہائش ہے۔ رہائش کے اعتبار سے زہد کا سب سے ادنیٰ

درجہ یہ ہے کہ اپنی ضرورت کے مطابق گھر حاصل کرلیا جائے لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ یہ گھر ضرورت سے زیادہ نہ ہو اور نہ ہی اس میں غیر ضروری آرائش کو اختیار کیا گیا ہو۔ لیکن وسائل کے مطابق عمدہ مکان بنایا جاسکتا ہے مگر اس شرط پر کہ دل آخرت کی طرف مائل رہے۔

(4) انسان کی چوتھی ضرورت گھریلو سامان ہے۔ گھریلو سامان میں زہد کے کئی درجات ہیں:

(i) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ صرف ایک کنگھی اور پیالہ رکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ علیہ السلام نے ایک شخص کو اپنی انگلیوں سے داڑھی میں کنگھی کرتے ہوئے دیکھا تو آپ علیہ السلام نے کنگھی صدقہ کردی۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی ہتھیلیوں کے ذریعے پانی پی رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے پیالہ بھی صدقہ کردیا۔ زہد کا یہ غیر معمولی رویہ ہے اور ہمارے لیے اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ یہ صرف سکھانے کے لیے ہے اور صرف انبیا کرام علیہم السلام کے لیے ممکن ہے۔

(ii) زہد کا ایک درجہ یہ ہے کہ گھریلو ضروریات کے مطابق حسب ضرورت مناسب سامان موجود ہو لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اگر ایک چیز کئی کاموں کے لیے استعمال ہوسکتی ہو تو الگ الگ سامان نہ رکھا جائے۔

(iii) گھریلو سامان کے اعتبار سے انسان کے زہد کا ایک درجہ یہ ہے کہ ہر کام کے لیے الگ الگ سامان رکھا جائے لیکن وہ سامان بہت زیادہ قیمتی نہ ہو۔

(5) انسان کی پانچویں ضرورت خاندان (نکاح) ہے۔ بزرگانِ دین کے مطابق نکاح زہد کے خلاف نہیں ہے کیونکہ تمام زاہدوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نکاح کرنا پسند تھا۔

(i) حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز بھی انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کردے وہ بری اور زہد کے خلاف ہے، وہ چاہے بیوی ہو یا مال و اولاد۔ انسان کا نکاح میں زہد صرف یہی ہے کہ وہ ایسی عورت سے نکاح کرے جو اسے یادِ خداوندی سے غافل نہ کرے بلکہ اسے مزید اللہ تعالیٰ کے قریب کردے۔

(ii) جو آدمی قدرت رکھنے اور ضرورت کے باوجود نکاح نہیں کرتا دراصل وہ رہبانیت (دنیا چھوڑ

دینا) اختیار کرنا چاہتا ہے اور اسلام کا رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں۔

(iii) حضرت سیدنا ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہیے، اپنے گھر والوں کو زہد اختیار کرنے پر مجبور نہ کرے بلکہ انہیں سمجھا بجھا کر زہد اختیار کرنے کی ترغیب دلائے۔ اگر وہ ایسا کر لیں تو ٹھیک ورنہ انہیں تنگ نہ کرے اور اپنی ذات کے معاملے میں جو چاہے کرے۔

9 زہد حاصل کرنے کا طریقہ

چند باتیں ایسی ہیں جو زہد اختیار کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہیں:

(1) روز کچھ وقت دنیا کی اصل حقیقت پر غور و فکر میں صرف کرنا چاہیے کہ دنیا تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ اس کا زوال قریب ہے۔ یہ فانی ہے۔ یہ ناقص اور عیب والی ہے۔ یہ کمتر اور حقیر ہے۔ اس کی اندھی دوڑ میں آدمی کے ہاتھ حسرت کے سوا کوئی چیز نہیں آتی اور یہ سب کچھ بار بار ذہن میں تازہ کرنا چاہیے تاکہ دنیا کی تلاش پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب رہے۔

(2) آخرت کے بارے میں سوچنا ہر وقت کا معمول ہونا چاہیے۔ آخرت کس طرح روز بروز قریب آ رہی ہے، اس کا آ جانا کس قدر یقینی ہے۔ اس کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہنا کیسا جاندار تصور ہے۔ اس کی پائیداری (ہمیشہ رہنا) کیسی دلکش ہے۔ اس کی وسعت کیسی بے اندازہ ہے۔ اس کی نعمتیں کیسی پر لطف ہیں اور اس کی صحبتیں کیسی اعلیٰ ہیں۔ یہ سب وہ باتیں ہیں جو بار بار سوچ میں آنی چاہئیں بلکہ ہمیں اسی سوچ میں ہی رہنا چاہیے۔

(3) موت کا بکثرت تذکرہ کرنا چاہیے۔ حضور نبی پاک ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ موت کا تذکرہ دنیا کی لذتوں کو خراب کرتا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

موت کے آئنے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے

(4) کسی جنازے کو جاتے ہوئے بڑے غور سے دیکھنا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے پاس ابھی وہ موقع باقی ہے جو اس شخص کے پاس نہیں رہا جو ابھی قبر میں جا اترے گا اور یہ کہ یہ مردہ

خواہش کرتا ہوگا کہ اسے ایک بار یہاں واپس آنے دیا جائے تاکہ وہ سچے دل سے توبہ کرے، یہ موقع ہمیں ابھی پوری طرح حاصل ہے۔ یہ دیکھ کر ہم وہ کام کریں جو وہ مردہ اس وقت نہیں کرسکتا۔ سچے دل سے توبہ کریں۔ خدا پاک کے ساتھ اپنے تعلق کو از سرنو جوڑ لیں۔ زندگی کے مقاصد اور ترجیحات کا ایک بار پھر جائزہ لے لیں۔ ہمارا وہ رشتہ جو دنیا کے ساتھ ہے اور وہ رشتہ جو آخرت کے ساتھ ہے، اس پر نظر ثانی کرلیں۔

(5) ہم اپنے گھر میں ہوں یا کسی عزیز کے گھر میں، ان بھلی صورتوں کو ذہن میں لانے کی کوشش کریں جو ان گھروں میں رہتے تھے مگر اب نہیں رہتے۔ اپنے آبا کو تصور میں لائیں جو یہاں بسا کرتے تھے مگر اب ان کا صرف ذکر ہوتا ہے۔ کچھ بھی یہاں سے ان کے ساتھ نہ جاسکا سوائے ان اشیا کے جن کو ساتھ لے جانے کیلئے باقاعدہ تیار کیا گیا تھا، باقی سب یہیں پڑا ہے۔ اس گھر کی کون سی چیز تھی جو ان کو پیاری نہ تھی؟ لیکن حق یہ ہے کہ اصل جو چیز ان کو پیاری تھی وہ تو ساتھ لے گئے ہیں۔

(6) ہمارے پاس موجود ہر شے فنا ہونے والی ہے خواہ وہ کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہیں۔ ہمیں صبح شام خود کو اس بات کی یاددہانی کرانی چاہیے۔ بے شک ہم کسی محل میں رہیں، نہایت اعلیٰ گاڑی استعمال کریں، مگر دن میں ایک آدھ بار اس کو اس نظر سے ضرور دیکھیں کہ محل اور ہمارا ساتھ چند گھڑیوں کا ہے، پھر یہ کسی اور کے پاس ہوگا اور یہ کہ نہایت خوبصورت گاڑی اور یہ سوار ہمیشہ اکٹھے نظر نہیں آئیں گے۔

(7) ہمیں اس شخص کو دیکھنا چاہیے جو ہم سے مال و دولت میں کم ہو اور اس شخص کو نہیں دیکھنا چاہیے جو ہم سے مال و دولت میں بڑھا ہوا ہے (صحیح بخاری، ج: 3، رقم الحدیث: 1437)۔ اس سے موجودہ صورت پر صبر واطمینان حاصل ہوگا اور نعمتوں پر شکر کی کیفیت پیدا ہوگی۔

10 زہد کے بارے میں اقوال

زہد سے متعلق اللہ والوں نے سے مختلف اقوال (باتیں) بیان کی ہیں:

(1) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نظر میں زہد کے چار پہلو ہیں:

(i) **ایثار:** خود پر دوسروں کو ترجیح دینا، دوسروں کو خود سے پہلے جاننا اور دوسروں کی خاطر خود کو زحمت میں

ڈالنا۔ اپنے نفس کو مفلس و نادار لوگوں کی سطح پر رکھنا تا کہ مفلس احساس محرومی میں مبتلا نہ ہوں۔

(ii) **مواسات:** محروم لوگوں کے غم میں ہر دم شریک رہنا۔

(iii) آزادی: نفسی و مادی خواہشات سے آزاد ہونا۔ کسی کے غلام نہ بنو! اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔

(iv) **اعتدال:** ریاضتِ نفس کرنے والوں کی گفتگو جچی تلی، لباس درمیانہ اور ان کا چلنا عاجزی ہے۔

(2) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تمام زہد قرآن مجید کے دو فقروں کے اندر سمٹا ہوا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے (جو چیز ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر خوش نہ ہو) لہٰذا جو شخص کوئی چیز ہاتھ سے نکل جانے/ ماضی پر افسوس نہ کرے اور جو چیزیں مل جائیں ان پر مغرور نہ ہو، اس نے سارا زہد سمیٹ لیا ہے۔

(3) حضرت ابن جلاءؒ فرماتے ہیں کہ زہد یہ ہے کہ تو دنیا کی طرف دیکھے تو اس طرح دیکھے کہ یہ ایک زوال پانے والی چیز ہے تا کہ دنیا تمہاری نگاہ میں حقیر (کم قیمت) ہو جائے اور تمہارے لیے اس سے اعراض کرنا (منہ موڑنا) آسان ہو جائے۔

(4) حضرت ابوعثمانؒ فرماتے ہیں کہ زہد یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑ دیا جائے پھر اس بات کی پرواہ نہ کی جائے کہ اسے کون حاصل کرتا ہے۔

(5) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ زہد ہاتھوں اور دل کا طمع (دنیاوی لالچ) سے پاک ہونا ہے۔

(6) حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں سے تمہارا ہاتھ خالی ہو، ان سے دل کے خالی ہونے کا نام زہد ہے۔

(7) حضرت ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں کہ اگر صوف (پشمینہ) پہننا زہد کی علامت ہے تو زاہد کے لیے مناسب نہیں کہ تین درہموں کا لباس پہنے اور دل میں پانچ درہموں کی خواہش رکھے۔

(8) حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ اس چیز کو چھوڑنا زہد ہے جو اللہ سے غافل کر دے۔

(9) حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز سے بے رغبتی اختیار کرنا ہی زہد ہے۔

(10) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ زہد دنیا سے اعراض (منہ موڑنے) کرنے اور اپنی آخرت کی فکر کرنے کا نام ہے۔

(11) حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ دنیا ایک دلہن کی مانند ہے مگر زاہد اپنے حقیقی محبوب کی محبت میں اس قدر مصروف ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا کی سجی سجائی صورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

(12) حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ زہد یہ ہے کہ انسان لمبی لمبی امیدیں نہ لگایا کرے، زہد کا یہ مفہوم نہیں کہ انسان سادہ کھانا کھاتا رہے اور عبا پہن لیا کرے۔

(13) حضرت ابن حفیفؒ فرماتے ہیں کہ اپنے قبضے میں مال کے نکل جانے پر تم سکھ کا سانس لو تو پہچان لو کہ یہ زہد ہے۔

(14) حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے لیے درہم و دینار (مال و دولت) چھوڑنا ہی زہد ہے۔

(15) حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں: زہد ایک فرشتہ ہے جو دنیا کی محبت سے خالی دلوں میں رہائش کرتا ہے۔

(16) حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شر کو ایک گھر میں رکھ دیا ہے اور اس کی چابی دنیا کی محبت ہے۔ پھر ہر بھلائی ایک گھر میں رکھ کر زہد کو اس کی چابی قرار دیا ہے۔

(17) حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ زہد دنیا کی غیر ضروری حلال چیزوں کو ترک کرنا اور اس کی شہوتوں سے علیحدہ ہونا ہے۔

(18) سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ زہد

(i) اللہ تعالیٰ کے ہر مدمقابل اور سرکش سے تعلق توڑ لینا اور

(ii) ہر تعلق کو اللہ پاک سے تعلق کے تابع کر دینا ہے۔

(19) حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ زہد کی اصل متاع دنیا کا چھوڑنا اور اس سے علیحدگی نہیں ہے بلکہ دل کو اس کی محبت سے خالی اور بے نیاز کرنا ہے۔ زاہد وہ ہے جو دنیا کی متاع (دولت)

سے بالکل بے نیاز ہو۔ اس کے پاس خواہ سرے سے کچھ موجود نہ ہو یا اس کے پاس دنیا کے سارے اسباب موجود ہوں۔ دونوں میں سے کسی حالت میں اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے۔ نہ کسی چیز کے نہ ہونے سے اسے کوئی پریشانی لاحق ہو اور نہ سارے اسباب موجود ہونے سے وہ اپنے آپ کو غنی اور دولت مند محسوس کرے۔ گویا کہ دنیا کی متاع کا ہونا یا نہ ہونا اس کے نزدیک یکساں ہو۔

(20) خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ زہد تین چیزوں میں ہوتا ہے:

(i)۔ دنیا میں زہد: جو شخص دنیا کا مال و دولت اپنے دشمن پر خرچ کرنے سے بھی نہیں گھبراتا، وہ اس عالم میں زاہد ہے۔ دنیا میں زہد کی تین نشانیاں ہیں: (ا) موت کا یاد رکھنا، (ب) اپنی روزی پر قناعت کرنا اور (ج) درویشوں کے ساتھ محبت رکھنا۔

(ii) خلق میں زہد: جس شخص کو مخلوق کے حقوق کی پاسداری اللہ پاک کے حقوق ادا کرنے میں سست نہ کرے، وہ خلق میں زاہد ہے۔ خلق میں زہد کی تین نشانیاں ہیں: (ا) حکم الٰہی کے منشا کا دیکھنا، (ب) اللہ پاک کے احکامات پر ثابت قدمی اور (ج) عاجزی کرنا۔

(iii) اپنی ذات میں زہد: جو انسان خود کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا، وہ اپنی ذات میں زاہد ہے۔ اپنی ذات میں زہد تین چیزوں سے عبارت ہے: (ا) شیطان کے مکر و فریب کو پہچاننا، (ب) اپنی ذات کی کمزوری کو پہچاننا اور (ج) استدراج کی ظلمت کو پہچاننا۔

11 اہلِ زہد کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے زہد سے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعینؒ اور بزرگوں کے چند واقعات درج کیے جاتے ہیں:

(1) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زہد کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بوریے پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن میں اس کا نشان پڑ گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! کاش

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو حکم دیتے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے بچھونا کر دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! میں تو دنیا میں ایسا ہوں جیسے ایک سوار ایک درخت تلے سایہ کے لیے اتر پڑے پھر تھوڑی دیر میں وہاں سے چل دے۔

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:989)

(2) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنے گھر والوں میں سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کرتے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ سے تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دروازے پر ایک ٹاٹ یا پردہ لٹکا رکھا تھا اور حضرت حسن و حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین دونوں کو چاندی کے دو کنگن پہنا رکھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو گھر میں داخل نہیں ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر آنے سے یہی چیز رکاوٹ ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہا نے دروازے سے پردہ اتار دیا۔ پھر دونوں صاحبزادوں کے کنگن کو اتار لیا اور کاٹ کر ان کے سامنے ڈال دیا۔ حضرت حسن اور حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین دونوں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کٹے ہوئے ٹکڑے لے کر فرمایا: ثوبان! اسے مدینہ منورہ میں فلاں گھر والوں کو دے آؤ۔ پھر ارشاد فرمایا: یہ لوگ میرے اہل بیت (گھر والے) ہیں۔ مجھے یہ ناپسند ہے کہ یہ اپنے مزے دنیا ہی میں لوٹ لیں۔ اے ثوبان! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے مونگوں والا ایک ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید کر لے آؤ۔

(سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:821)

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زہد اور دنیا سے دوری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا کو ہمیشہ حقیر، چھوٹا اور پست تصور کیا اور یہ سمجھا کہ پروردگار نے اس دنیا کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الگ رکھا ہے اور دوسروں کے لیے فرش قرار دیا ہے،

لہذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دل سے کنارہ کشی اختیار کی اور اس کی یاد کو دل سے بالکل نکال دیا اور یہ چاہا کہ اس کی زینتیں نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ وہ دنیا سے بھوکے چلے گئے، لیکن آخرت میں سلامتی کے ساتھ وارد ہوئے۔ انھوں نے (تعمیر کے لیے) پتھر پر پتھر نہیں رکھا اور دنیا سے رخصت ہو گئے اور اپنے پروردگار کی دعوت پر لبیک کہہ دیا۔ پروردگار کا کتنا احسان ہے کہ اس نے ہمیں آپ جیسا راہنما عطا فرمایا ہے، کہ جس کی پیروی کی جائے اور قائد دیا ہے کہ جس کے نقش قدم پر قدم جمائے جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے دل ہٹا لیا تھا اور اس کی یاد تک اپنے ذہن سے مٹا ڈالی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ اس کی شان نگاہوں سے پوشیدہ رہے تا کہ نہ عمدہ لباس پہنیں اور نہ اسے اپنی منزل خیال کریں اور نہ اس میں زیادہ قیام کی آس لگائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خیال نفس سے نکال دیا تھا اور دل سے اسے ہٹا دیا تھا اور نگاہوں سے اوجھل رکھا تھا۔

(4) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں میری بڑی قدر و منزلت تھی۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمران! ہم تیری عزت کرتے ہیں۔ کیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لیے چل سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہوں میں ضرور چلوں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ چلا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی اور سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تشریف لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا، میں اور جو شخص میرے ساتھ آیا ہے دونوں آئیں؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: عمران! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنا کر بھیجا، میرے بدن پر صرف ایک عبا

ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کو اس طرح لپیٹ لو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں نے اپنا جسم ڈھانپ لیا ہے، لیکن اپنا سر کیسے چھپاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرانی چادر تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ چادر ان کی طرف پھینکی اور فرمایا اسے اپنے سر پر لپیٹ لو۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اندر آنے اجازت دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لے گئے، سلام کیا اور ان کی مزاج پرسی کی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: خدا کی قسم! میں بھوکی ہوں۔ میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ بھوک نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ یہ سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: اے بیٹی! گھبرا مت! خدا کی قسم میں نے بھی تین دن سے کھانا نہیں کھایا حالانکہ میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ رتبے والا ہوں۔ اگر میں اپنے رب سے سوال کرتا تو وہ مجھے ضرور کھانا کھلاتا مگر میں نے آخرت کو ترجیح دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: تجھے مبارک ہو کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ فرعون کی بیوی آسیہ علیہا السلام اور عمران کی بیٹی مریم علیہا السلام کا درجہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آسیہ علیہا السلام اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہوں گی، حضرت مریم علیہا السلام بھی اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہوں گی اور تو اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہوگی۔ تم جنت کے ایسے مکانوں میں رہوگی جو یاقوت سے بنے ہوں گے نہ ان میں کسی طرح کی تکلیف ہوگی اور نہ شور ہوگا۔

(5) حضرت رافع بن ابی رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زہد کا یہ حال تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک فدک سے ملنے والا کپڑا تھا، جس کو کناروں سے کانٹوں کی مدد سے جوڑا گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کپڑے کو استعمال کرتے تھے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا یہ کپڑا فوت ہونے کے بعد دھو لینا اور اس کے ساتھ دو اور چادریں ملا کر مجھے کفن دینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، کیا اسی پرانے کپڑے

میں کفن دیا جائے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زندہ لوگ وفات پا جانے والے کی نسبت نئے کپڑے کے زیادہ حق دار ہوتے ہیں۔

(6) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ بیت المقدس میں جب عیسائی افواج بے بس ہوگئیں تو صلح کے لئے شرط رکھی کہ مسلمانوں کے خلیفہ خود تشریف لائیں۔ اس وقت کے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی یہ شرط تسلیم کرتے ہوئے جب مسلم افواج کی چھاؤنی میں پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی وہی قمیص زیب تن کر رکھی تھی جس پر جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے مقامی کمانڈر درخواست کرتے ہیں کہ یہ ایک تاریخی موقع ہے، اس پھٹے ہوئے لباس میں وہ بیت المقدس میں داخل نہ ہوں اور اپنی سواری بھی ذرا بہتر کرلیں۔ وہاں بڑی بڑی شخصیات آپ کو دیکھیں گی۔ فرمایا: سنو! ہم دنیا کی سب سے ذلیل قوم تھے۔ خدا نے ہمیں عزت اور سربلندی دی تو اسلام کی بدولت۔ خدا کی قسم! یہ عزت اور سربلندی ہم اسلام کے سوا کسی اور چیز میں تلاش نہ کریں گے۔

(7) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ امیر المومنین بننے کے بعد بھی صوف کا لباس پہنتے تھے جس میں پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ راستے سے گزرتے ہوئے دھاگے اور کھجور کی گٹھلیاں اکٹھی کرتے جاتے اور انہیں لوگوں کے گھروں میں ڈال دیتے تاکہ گھر والے اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

(8) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھانے پینے میں بھی سادگی اختیار کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ہم دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ میں نے آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے کا ایک لقمہ کھایا تو فرمایا: میں اس کھانے میں ایسی چکنائی کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں جو گوشت کی چکنائی سے مختلف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ میں آج بازار گیا تاکہ اچھا گوشت خریدوں! لیکن اچھا گوشت مہنگا پایا تو میں نے

ایک درہم کا دبلا گوشت خریدا اور ایک درہم کا گھی خرید کر شامل کر دیا اور یہ خوشبو اسی گھی کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عبداللہ! کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو کبھی جمع کر کے نہیں کھایا۔ اگر کبھی کھانے کی دو چیزیں مل گئیں تو ایک کو استعمال فرمایا اور دوسری کو صدقہ کر دیا۔ پس میں بھی اسی سنت پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہوں لہٰذا تم بھی ان دونوں کو کبھی جمع نہ کیا کرو۔ (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:242)

(9) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہجرت کی۔ چنانچہ ہمارا اجر اللہ پاک کے ذمہ رہا۔ پس ہم میں سے کوئی تو گزر گیا اور اپنا اجر نہیں لیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (انہی) میں سے تھے، وہ جنگ احد کے موقع پر شہید ہو گئے تھے اور ایک چادر چھوڑی تھی، اس چادر سے ہم اگر ان کا سر ڈھانکتے، تو ان کے پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانکتے، تو سر کھل جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا، کہ ہم ان کا سر ڈھانک دیں اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دیں۔

(10) حمص کے حاکم حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اے عمیر رضی اللہ عنہ تیرے پاس دنیا کس قدر ہے؟ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک لاٹھی ہے جس پر سہارا لیتا ہوں اور اگر سانپ دیکھ لوں تو اس سے اسے قتل کرتا ہوں اور میرے پاس چمڑے کا برتن ہے جس میں کھانا رکھتا ہوں اور میرے پاس پیالہ ہے، جس میں کھاتا ہوں۔ اسی میں پانی ڈال کر اپنا سر اور کپڑے دھو لیتا ہوں اور میرے پاس ایک مشک ہے جس میں پینے اور وضو کے لیے پانی رکھتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تم نے سچ کہا، اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔

(11) ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل حمص کو لکھا کہ فقراء کے نام بھیجو۔ انہوں نے رقعہ میں کچھ نام بھیجے اور ان میں عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ عمیر رضی اللہ عنہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہ ہمارے حاکم ہیں۔ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا یہ فقیر ہیں؟ اہل حمص نے جواب دیا حضرت رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ فقیر ہم میں سے کوئی نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وظیفہ کا کیا کرتے ہیں؟ بتایا گیا کہ وہ سارا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔ اپنے لیے اور اپنے گھر کے لیے کچھ نہیں رکھتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار انہیں بھیجے اور کہا کہ انہیں اپنے آپ پر اور اپنے گھر والوں پر خرچ کریں۔ جب یہ رقم پہنچی تو وہ اپنی بیوی کے پاس روتے ہوئے آئے۔ بیوی نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ کیا امیر المومنین کی وفات ہوگئی۔ فرمایا، اس سے بھی بڑی آفت ہے۔ فرمایا میرے سامنے دنیاوی مال و دولت آ گیا۔ آخر کار اپنی بیوی کے مشورے سے تمام دینار لے کر باہر نکلے۔ مسلمانوں کا ایک لشکر ملا جو جہاد پر جا رہا تھا تو ان کے حال کے مطابق پانچ پانچ دینار تقسیم کر دیے پھر واپس آ گئے اور اپنے گھر والوں کے لیے ایک دینار بھی نہ رکھا۔

(12) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنا جوتا جوڑ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! اس جوتے کی قیمت کیا ہوگی؟ میں نے کہا کہ اس کی کوئی قیمت نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میرے سامنے حق کا قیام اور باطل کا مٹانا نہ ہو تو تم لوگوں پر حکومت کرنے سے یہ جوتا کہیں زیادہ عزیز ہے۔

(13) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر سات آسمانوں کے نیچے موجود سب چیزیں سمیت مجھے دے دی جائیں اور کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی نافرمانی کرو کہ چیونٹی سے جو کا ایک چھلکا چھین لو، تو میں کبھی ایسا نہ کروں گا۔ یہ دنیا تو میرے نزدیک اس پتی سے بھی زیادہ بے قدر ہے جو ٹڈی کے منہ میں ہو، جسے وہ چبا رہی ہو۔ علی کو فنا ہونے والی نعمتوں اور مٹ جانے والی لذتوں سے کیا واسطہ؟

(14) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اللہ پاک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں بھوک کے مارے زمین پر اپنے پیٹ کے بل لیٹ جاتا تھا اور کبھی میں بھوک کے مارے اپنے پیٹ

پر پتھر باندھا کرتا تھا۔ ایک دن میں اس راستے پر بیٹھ گیا، جس سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نکلتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گزرے اور میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا! میرے پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلا دیں، مگر وہ چلے گئے اور کچھ نہیں کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے، میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی اور میرے پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلا دیں، مگر وہ بھی گزر گئے اور کچھ نہیں کیا۔

اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مجھے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دل کی بات سمجھ گئے اور میرے چہرے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھانپ لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھ آجاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلنے لگے۔ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چل دیا۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر گھر میں تشریف لے گئے۔ پھر میں نے اجازت چاہی اور مجھے اجازت ملی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے تو ایک پیالے میں دودھ ملا۔ دریافت فرمایا! کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ کہا کہ فلاں یا فلانی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تحفہ میں بھیجا ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں بھی میرے پاس بلا لاؤ۔ کہا کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان ہیں، وہ نہ کسی کے گھر پناہ ڈھونڈ ھتے ہیں، نہ کسی کے مال میں اور نہ کسی کے پاس۔ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صدقہ آتا، تو اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہیں رکھتے۔ البتہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تحفہ آتا تو انہیں بلا بھیجتے اور خود بھی اس میں سے کچھ کھاتے اور انہیں بھی شریک کرتے۔

چنانچہ مجھے یہ بات ناگوار گزری اور میں نے سوچا کہ یہ دودھ ہے ہی کتنا کہ سارے صفہ والوں

میں تقسیم ہو۔ اس کا حق دار میں تھا کہ اسے پی کر کچھ قوت حاصل کرتا۔ جب صفہ والے آئیں گے، تو حضور نبی کریم ﷺ مجھ سے فرمائیں گے اور میں اسے انہیں دے دوں گا۔ مجھے تو شاید اس دودھ میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ماننے کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں ان کے پاس آیا اور رسول کریم ﷺ کی دعوت پہنچائی، وہ آ گئے اور اجازت چاہی۔ انہیں اجازت مل گئی، پھر وہ گھر میں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! میں نے عرض کیا، لبیک یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا! لو اور اسے ان سب حاضرین کو دے دو۔ بیان کیا کہ پھر میں نے پیالہ پکڑ لیا اور ایک ایک کو دینے لگا۔ ایک شخص دودھ پی کر جب سیراب ہو جاتا تو مجھے پیالہ واپس کر دیتا، پھر دوسرے شخص کو دیتا، وہ بھی سیر ہو کر پیتا، پھر پیالہ مجھ کو واپس کر دیتا اور اسی طرح تیسرا پی کر، پھر مجھے پیالہ واپس کر دیتا۔ اس طرح حضور نبی کریم ﷺ تک پہنچا، لوگ پی کر سیراب ہو چکے تھے۔

آخر میں پیارے نبی کریم ﷺ نے پیالہ پکڑا اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر، آپ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا! بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پیا اور حضور نبی کریم ﷺ برابر فرماتے رہے کہ اور پیو! آخر مجھے کہنا پڑا، نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، بالکل گنجائش نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! پھر مجھے دے دو۔ میں نے پیالہ آپ ﷺ کو دے دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا، خود پی لیا۔ (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1399)

4

مقام صبر

1 صبر کا مفہوم

(1) صبر کے لغوی معنی رکنا اور روکنا ہیں اور اصطلاحی معنی میں، نفس کو شریعت کا پابند بنانا، صبر کہلاتا ہے۔ اللہ پاک کی اطاعت پر اپنے نفس کو روکنا اور شریعت کی حرام کردہ چیزوں سے باز رہنا صبر ہے۔

(2) صبر کے دو مفہوم ہیں: ایک یہ کہ آدمی مشکلات میں حوصلہ و برداشت سے کام لے، مایوس نہ ہو، چیخے چلائے نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر حالت میں حق و انصاف پر قائم رہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے یہ دینی رویے کا ایک جز ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ پورے دین پر قائم رہنے کی ایک جدوجہد کا نام ہے۔

(3) صبر ایک لحاظ سے شکر کے مقابل مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ صبر و شکر دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ اچھے حالات میں نیکی کرتے رہنا اور تکبر و غرور وغیرہ سے بچنا شکر ہے۔ اور برے حالات میں نیکی پر قائم رہنا اور مایوسی و بدگمانی سے بچنا صبر ہے۔

(4) صبر مشکلات میں ثابت قدمی کا نام ہے، مگر جس طرح مشکلات میں صبر کرنا پڑتا ہے، ایسے ہی انعامات کے وقت بھی صبر کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح مشکل کی وجہ سے اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ آدمی حق سے ہٹ جائے، اسی طرح نعمتیں بھی اس بات کا امکان پیدا کر دیتی ہیں کہ آدمی ان میں مگن ہو کر دین سے دور اور مغرور ہو جائے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ○ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ.

(سورۃ ہود، آیت: 9- 11)

(اگر کبھی ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد پھر اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس ہو جاتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اگر اس مصیبت کے بعد جو اس پر آئی تھی ہم اسے نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہتا ہے میری تو ساری سختیاں دور ہو گئیں۔ پھر وہ پھولا نہیں سماتا اور اکڑنے

لگتا ہے۔صرف صبر کرنے والے اور نیکوکار لوگ ہی اس عیب سے پاک ہیں۔پس ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے)

(5) دراصل انسان کے اندر دو قوتیں پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک قوت دین پر ابھارتی ہے اور دوسری قوت نفسانی خواہشات پر۔سو دین پر ابھارنے والی قوت کو خواہشاتِ نفسانی پر ابھارنے والی قوت پر غالب کر دینا صبر ہے۔مشاہدے سے یہ ثابت ہے کہ جیسے مصیبت کے اندر ناگواری ہوتی ہے ویسے ہی عبادت کے اندر بھی ناگواری ہوتی ہے۔صبر کا تعلق دو چیزوں سے ہے: مصیبت سے بھی اور عبادت سے بھی۔مصیبت میں تو صبر یہ ہے کہ رونا دھونا نہ کرے اور عبادت میں صبر یہ ہے کہ ناگواری کی پروا نہ کرے اور عبادت کرتا رہے۔

(6) دین کا بڑا حصہ صبر پر قائم ہے۔اگر آدمی کے اندر یہ صفت نہ ہو تو کوئی طمع، کوئی ترغیب اور کوئی آزمائش بھی اس کو حق سے ہٹا کر باطل کے آگے جھکا سکتی ہے۔جو شخص سچائی کے راستے پر چلنا چاہے اور اس پر چل کر اس پر قائم رہنے کا خواہش مند ہو تو اسے سب سے پہلے اپنے اندر صبر کی صفت پیدا کرنی چاہیے کیونکہ اس راہ میں ہر قدم پر مزاحمتوں سے مقابلہ ہوتا ہے۔مزاحمتوں کے مقابلے کے لیے اصل ہتھیار یہی صبر ہے۔فلسفۂ دین کے نقطۂ نظر سے دین، نصف شکر اور نصف صبر ہے، لیکن اگر آدمی میں صبر نہ ہو تو شکر کا حق بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

بہ ملکِ جم ندہم مصرعِ نظیری را
کسے کہ کشتہ نہ شد، از قبیلہ ما نیست

(میں جمشید بادشاہ کی سلطنت کے بدلے
میں بھی نظیری کا یہ مصرع نہ دوں)
(جو قتل نہ ہوا وہ ہمارے قبیلے سے نہیں ہے)

(7) یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑانا صبر کے منافی نہیں۔یہ ایک فطری اور غیر اختیاری امر ہے۔اس پر کوئی گناہ نہیں۔مصیبت کے وقت رونا پیٹنا، چیخنا

چلانا وغیرہ جاہلیت کے کام ہیں جو اسلام میں منع ہیں ورنہ صرف غمگین ہونا صبر کے خلاف نہیں ہے بلکہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔

(i) حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں خدا کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگتے مانگتے سفید ہو گئی تھیں۔ اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ. (سورۃ یوسف، آیت: 56)

(میں تو اپنی پریشانی اور غم کا اظہار اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے کرتا ہوں)

(ii) حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صابر کہا ہے حالانکہ انہوں نے حق تعالیٰ سے اپنی بیماری کی شفا کی دعا مانگی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ا) اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ. (سورۃ ص، آیت: 44)

(بیشک ہم نے انہیں (حضرت ایوب علیہ السلام) کو صابر پایا۔ وہ بڑے اچھے بندے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے)

(ب) وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ. (سورۃ الانبیاء، آیت: 83)

(اور جب حضرت ایوب علیہ السلام اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے)

(iii) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: أَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ فَوَجَدَهُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ، فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهُ فِي حِجْرِهِ فَبَكَى، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: أَتَبْكِي، أَوَلَمْ تَكُنْ نَهَيْتَ عَنِ الْبُكَاءِ، قَالَ: "لَا، وَلَكِنْ نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ: صَوْتٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ، وَخَمْشِ وُجُوهٍ، وَشَقِّ جُيُوبٍ، وَرَنَّةِ شَيْطَانٍ".

(جامع ترمذی، ج: 1، رقم الحدیث: 1001)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ وہ اس

وقت نزع کی حالت میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں اپنی گود میں لیا اور رونے لگے۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی روتے ہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رونے سے منع نہیں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ بیوقوفی اور نافرمانی کی دو آوازوں سے منع کیا ہے۔ ایک تو مصیبت کے وقت کی آواز جب چہرہ نوچا جائے اور گریبان چاک کیا جائے؛ دوسری شیطان کی طرح رونے کی آواز۔

(iv) حضرت سخی سلطان باہوؒ ایک دفعہ بہت زیادہ بھوک کی وجہ سے رونے لگے، تو لوگوں نے پوچھا: آپؒ کیوں رو رہے ہیں؟ آپؒ نے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لیے بھوکا رکھا ہے کہ میں روؤں اور فرمایا کہ بدن کی وہ کیفیات جو انسان کے اختیار میں نہیں ہیں وہ صبر کے منافی نہیں ہیں۔

(8) صبر کا ایک مفہوم ثابت قدم رہنا اور ڈٹے رہنا بھی ہے۔ حالات جتنے بھی مشکل ہوں انسان اپنی سوچ اور عمل پر قائم رہے۔ اس کا ایمان اور عمل متزلزل نہ ہو۔ جو مقام اور مرتبہ اس نے حاصل کر لیا ہے اس کو مت چھوڑے۔ طوفان ہو یا آندھی، خوشی ہو یا غمی، آسانی ہو یا مشکل، انسان اپنے عقیدے اور عمل پر ثابت قدمی اور اپنی خوشی سے قائم رہے۔ یہ برداشت سے اونچا مقام ہے۔ صبر سے مراد مشکل کو خوش دلی سے قبول کرنا ہے جبکہ ثابت قدمی سے مراد اپنی جگہ پر جمار ہنا ہے۔ اگر اپنے مقام سے ہٹنا ہے تو صرف آگے بڑھنے کے لیے ہٹنا ہے وگرنہ کوہِ گراں (بڑے پہاڑ) کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہنا ہے، یہ بھی مقام صبر ہے۔

2 صبر قرآن پاک کی روشنی میں

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا ہے۔ ان میں سے چند آیات یہاں درج کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دیا ہے یا پھر صبر کرنے والوں کے بلند درجات کا ذکر فرمایا ہے:

(1) يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

(سورۃ آلِ عمران، آیت: 200)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے)

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے:

(i) ایمان لانے والوں کے لیے صبر لازم ہے۔

(ii) اللہ پاک کے راستے میں چلتے ہوئے مشکلات آئیں گی، مخالفت ہو گی۔ اس کا صبر سے مقابلہ کرنا ہے، دل نہیں ہارنا، مایوس نہیں ہونا۔

(iii) حق کے لیے کوشش کرتے رہنا ہے، جم کر کام کرنا ہے، بے صبری نہیں دکھانی۔

(iv) صبر اللہ پاک کی ذات کے شعور کے ساتھ کرنا ہے۔ صبر میں اس کی رضا طلب کرنی ہے اور اس سے دعا کرنی ہے کہ وہ صبر کی توفیق دے اور صبر کو قبول فرمائے۔

(v) صبر کا انجام یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں دنیا و آخرت میں کامیابی ملے گی۔

(2) وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. (سورۃ انفال، آیت:46)

(صبر سے کام لو، یقیناً اللہ پاک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

اس آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

(i) تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم صبر سے کام لو، نیکی پر جمے رہو، باطل اور مشکلات سے مت گھبراؤ۔

(ii) یہ یقین رکھو کہ اللہ پاک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، ان کی مدد کرے گا، ان کی مشکلات دور کرے گا اور انہیں مزید صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

(3) وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ. (سورۃ ہود، آیت:115)

(اور صبر کر، اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا)

اس آیت کریمہ میں صبر کی تلقین کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ صبر ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کا اجر ملتا ہے۔ اللہ پاک صبر کا بھی اجر دے گا اور صبر کا اجر اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اور دین و دنیا کی کامیابی ہے۔

(4) وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ.
(سورۃ النحل، آیت:127)

(صبر سے کام کیے جاؤ اور تمہارا یہ صبر اللہ پاک ہی کی توفیق سے ہے ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چال بازیوں پر دل تنگ ہو)

اس آیت میں چار اصول بیان کیے گئے ہیں:

(i) زندگی کی جدوجہد اور دین کی محنت میں صبر سے کام لیا جائے۔

(ii) صبر اللہ پاک کا انعام ہے۔ یہ اللہ پاک کی توفیق سے ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ سے صبر مانگتے رہنا چاہیے اور صبر عطا ہونے پر اس ذاتِ کریم کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

(iii) ماضی کی تکالیف پر غم زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ جو مل گیا ہے اس پر شکر کرنا چاہیے اور جو نہیں ملا اس پر افسوس نہیں کرنا چاہیے۔

(iv) دشمنوں کی مکاریوں پر دل تنگ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان کا حکمت اور صبر کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس کے لیے اللہ پاک سے مدد کی درخواست کرنی چاہیے۔

(5) فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِہَا ۚ وَمِنۡ اٰنَآیِٔ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّہَارِ لَعَلَّکَ تَرۡضٰی۔ (سورۃ طٰہٰ، آیت:130)

(جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں پر بھی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہو جائیں)

اس آیت کریمہ میں نصیحت کی گئی ہے کہ

(i) زندگی کی مشکلات اور دشمنوں کی طرف سے دی گئی تکالیف اور خاص طور پر دشمنوں کی فضول باتوں کو صبر اور ہمت سے برداشت کرنا چاہیے۔

(ii) ہر وقت اللہ پاک کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ صبر بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔ اس لیے ادا کرنا ہے کہ وہ صبر کی نعمت بڑھا دے۔

(iii) شکر تسبیح ہے اور تسبیح کے لیے کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ ہر لمحہ اللہ پاک کا لمحہ ہے۔ خاص طور پر

رات پڑنے سے پہلے اور دن کی ابتدا کے وقت اللہ پاک کی تسبیح اور شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس طرح دن کے خاتمے پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے کہ اچھا گزر گیا اور اسی طرح رات گزرنے پر بھی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اس وقت کا حساب کیا دوں
جو تیرے بغیر کٹ گیا

حضرت سلطان باھوؒ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں:

جو دم غافل سو دم کافر سانوں مرشد ایہہ پڑھایا ہو
سنیاں سخن گئیاں کھل اکھیں اساں چت مولے ول لایا ہو
(ہم کو مرشد نے یہ سبق پڑھایا ہے کہ انسان کا جو سانس یاد الٰہی کے بغیر غفلت میں گزرتا ہے وہ کفر کا لمحہ ہے)
(میں نے جس وقت یہ بات سنی میری غفلت کی آنکھیں کھل گئیں اور میں نے یاد الٰہی میں اپنا رخ اللہ پاک کی طرف پھرلیا)

(iv) صبر اور پھر شکر کی تسبیح سے مقام رضا حاصل ہو جائے گا۔ بندہ اللہ پاک سے راضی اور بندے۔ صبر و شکر پر نفس مطمئنہ [1] حاصل ہو جائے گا۔ ایسے لوگوں کو وفات کے وقت کہا جائے گا:

يَآاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ. (سورۃ الفجر، آیت: 27-30)

(اے اطمینان والی روح چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اپنے انجام سے خوش اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں۔ داخل ہو جا میری جنت میں)

---

[1]۔ وہ نفس جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور ذکر فکر میں مطمئن اور حیوانی خواہشات کی کشمش اور گناہوں کے خطرات سے دور رہتا ہے نفس مطمئنہ کہلاتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ الفجر کی آیت: 27 میں نفس مطمئنہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

(6) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ. (سورۃ الروم، آیت:60)

(پس (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صبر کرو۔ یقیناً اللہ پاک کا وعدہ سچا ہے اور ہرگز ہلکا نہ پائیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے)

اس آیت پاک سے کئی باتیں واضح ہوتی ہیں:

(i) صبر کرنا لازم ہے۔

(ii) صبر انبیا علیہم السلام کا شیوہ ہے۔

(iii) صبر پر اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ وہ انعامات دے گا۔

(iv) صبر کرنے سے زندگی کا ہلکا پن اور کمزوری ختم اور مضبوطی وقوت پیدا ہوجاتی ہے۔

(v) دشمنوں پر صبر کی طاقت غالب آتی ہے، اس کا رعب پڑتا ہے۔

(7) يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (سورۃ لقمان، آیت:17)

(بیٹا، نماز قائم کرنے کا حکم دے، بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے)

اس آیت پاک میں حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو ان چیزوں کی نصیحت کرتے ہیں:

(i) خود بھی نماز پڑھنی ہے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی تلقین کرنی ہے۔

(ii) نیکی کا حکم دینا ہے۔

(iii) برائی سے منع کرنا ہے۔

(iii) مشکلات اور مصائب پر صبر کرنا ہے۔

(iv) اس کے ساتھ ساتھ یہ تبصرہ بھی کہ یہ عظیم المرتب لوگوں کے کام ہیں اور اگر عظمت کے راستے پر چلنا چاہتے ہو تو یہ کرو۔ یہ اعلیٰ زندگی کا نچوڑ ہے۔

(8) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ.
(سورۃ غافر، آیت:55)

(صبر کر، بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہ کی معافی مانگ اور شام اور صبح اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کر)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ

(i) صبر کرنا اللہ پاک کا حکم ہے۔

(ii) صبر پر اللہ پاک کا وعدہ سچا ہے۔ صبر میں ہی اللہ تعالیٰ کی مدد، فلاح وعظمت کا راز پوشیدہ ہے۔

(iii) صبر کے ساتھ ساتھ انسان کو اپنی کوتاہیوں پر ندامت اور استغفار بھی کرنا چاہیے۔

(iv) صبر کے وعدے پر یقین اور استغفار کے ساتھ ساتھ، صبح وشام اللہ کی حمد وثنا کرنی چاہیے کہ اس عظیم ذات نے صبر کی توفیق دی، انعامات دیے، استغفار کی توفیق دی۔ ان نعمتوں پر شکر اور تسبیح لازم ہے۔

(9) فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِیۡلًا. (سورۃ المعارج، آیت:5)

(آپ اچھی طرح سے صبر کیے رہیں)

اس آیتِ پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو صبر کرنے کا حکم تو دیا گیا ہے مگر صبر کیسا ہونا چاہیے؟ انسان کو ایسا صبر کرنا چاہیے جو عیوب سے پاک ہو۔ جس میں حسن اور وقار ہو۔ انسان کو تھکنا اور گھبرانا نہیں چاہیے۔ شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔

(10) وَلِرَبِّكَ فَاصۡبِرۡ. (سورۃ المدثر، آیت:7)

(اپنے رب کے لیے صبر کرو)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ صبر کیوں کرنا چاہیے؟ دولت میں اضافے کے لیے؟ دنیاوی تعریف کے لیے یا انا کے لیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صبر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے۔ ریا کاری اور دکھلاوا اللہ پاک کے ہاں قبول نہیں۔ نیکی کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ صرف اور صرف اللہ کے لیے ہو۔

(11) وَالَّذِیۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عُقۡبَى الدَّارِ.

(سورۃ الرعد، آیت:22)

(وہ جنھوں نے اپنے رب کی رضامندی کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہمارے دیے ہوئے (مال) میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا اور برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں انھیں کے لیے آخرت کا گھر ہے)

ان آیات میں جنت کے رہنے والوں کی چار صفات (خوبیاں) بیان کی گئی ہیں:

(i) وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کرتے ہیں۔

(ii) نماز قائم کرتے ہیں یعنی خود بھی پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور لوگوں کو بھی نماز ادا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

(iii) اللہ پاک کے عطا کردہ مال میں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حق داروں خفیہ اور اعلانیہ پر خرچ کرتے ہیں۔

(iv) جب ان سے برائی کی جائے تو اس کے جواب میں وہ برائی نہیں کرتے بلکہ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔ وہ محروم کرنے والے کو عطا کرتے ہیں۔ رشتہ توڑنے والے سے رشتہ جوڑتے ہیں۔ یعنی وہ برتر اخلاق کے مالک ہیں۔

جنت کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں، جن میں صبر ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کریں۔ نماز قائم کریں اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دیں۔ ایسے لوگ ان خوبیوں کے انعام کے طور پر خوشی خوشی جنت میں رہیں گے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ یہ انعام ان سے کبھی بھی چھینا نہیں جائے گا۔

(12) اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا. (سورۃ الفرقان، آیت: 75-76)

(ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا و سلام کے ساتھ ملاقات کریں گے۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے)

صبر کا اجر بہت بڑا ہے۔ صبر کرنے پر جنت عطا ہو گی۔ جنت میں اعلیٰ محلات عطا ہوں گے۔ صرف

یہی نہیں بلکہ فرشتے ان سے مصافحہ کریں گے۔انہیں دعائیں دیں گے،سلامتی بھیجیں گے۔

(13) وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا.(سورۃ الدہر،آیت:12)

(اور(اللہ تعالیٰ)ان کے صبر کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا)

صبر کی بہت بڑی جزا ہے۔ دنیا میں جنہوں نے لالچ چھوڑا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا،غربت پر صبر کیا اور نیکی پر جمے رہے، آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزا عطا فرمائے گا۔ جنت میں سہولت والی زندگی دے گا۔محلات و باغات اور اعلیٰ ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔

(14) اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ.(سورۃ الزمر،آیت:10)

(جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے حساب ثواب ملے گا)

صبر کا بدلہ دنیا و آخرت میں بے حد و بے حساب اجر و ثواب ہے۔

(15) وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ.

(سورۃ البقرہ،آیت:45)

(صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ یہ بات عاجزی کرنے والوں کے سوا دوسروں کے لیے بہت مشکل ہے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ

(i) اللہ پاک کی مدد حاصل کرنے کے دو ذریعے ہیں: صبر اور نماز۔

(ii) مشکل کے وقت صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

(iii) صبر کرنے پر اللہ پاک کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے۔

(iv) مشکلات میں مدد ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہیے۔

(v) صبر اللہ پاک کی توفیق (مہربانی) کے بغیر ممکن نہیں۔

(vi) اللہ پاک سے صبر کی توفیق حاصل کرنے کا ذریعہ نماز ہے۔

(vii) مشکل کے وقت صبر کرنا اور نماز پڑھنا بھاری کام ہیں مگر اللہ پاک سے ڈرنے والوں کے لیے

آسان ہیں۔

(16) وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ. (سورۃ الروم، آیت:60)

(اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے دشمن کے ڈر، بھوک، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجیے)

اس آیتِ پاک میں ایمان والوں کی آزمائش کا ذکر فرماتے ہوئے یہ نکات بیان کیے گئے ہیں:

(i) اللہ رب العزت اہل ایمان کی آزمائش فرماتا ہے۔

(ii) ایمان کے لیے آزمائش شرط ہے۔

(iii) جنت میں داخلے کے لیے آزمائش ضروری ہے۔

(iv) اس آزمائش میں خوف، غربت، مال کی کمی، پیاروں کی موت اور رزق کی کمی وغیرہ ہو سکتی ہیں۔

(v) مصیبتوں اور آزمائشوں پر صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری کا پیغام ہے۔

(vi) آزمائش میں ثابت قدمی کے بعد اللہ پاک کی مدد یقینی اور قریب ہوا کرتی ہے۔

(vii) مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھنا چاہیے۔

(viii) مصائب اللہ پاک کی طرف سے آزمائش کے لیے ہوتے ہیں۔

(ix) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش مومن کو ذلیل کرنے کے لیے نہیں بلکہ چھپی صلاحیتیں ابھارنے کے لیے آتی ہے۔

(x) آزمائشوں پر صبر کرنا آخرت کے درجوں میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

(xi) ہمیں دنیا و آخرت میں کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا چاہیے۔

(17) لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ۟ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ. (سورۃ لقمان، آیت:17)

(تم ضرور اپنے مالوں اور جانوں کے بارے میں آزمائے جاؤ گے اور تمہیں اپنے سے پہلے والے اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی۔ اگر تم صبر کر لو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بلاشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں)

دشمنوں کی طرف سے مالی، جانی نقصان مسلمانوں کے لیے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اس آیت پاک میں مومنین کو پریشانیوں پر تسلی دیتے ہوئے صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ

(i) مسلمانوں کو مال اور جان کے حوالے سے ضرور آزمایا جاتا ہے۔

(ii) دشمنوں کی طرف سے مسلمانوں کو بڑی بڑی تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں۔

(iii) اہل ایمان کو اللہ پاک کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کے باوجود دشمنوں کی باتیں سننا پڑتی ہیں۔

(iv) تکالیف پر صبر کرنا اور گناہوں سے بچنا عظیم کام ہیں۔

(v) مومنین کو اس لیے آزمایا جاتا ہے تاکہ وہ دوسروں کے لیے نمونہ ثابت ہوں۔

(vi) آزمائش اور امتحان کا مقصد یہ ہے کہ مومنین دین کی سربلندی اور لوگوں کی خیر خواہی کے لیے قربانیاں پیش کریں۔

(vii) صاحب عزیمت اور صبر کرنے والے لوگ ہی دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں گے۔

(18) وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ. (سورۃ آل عمران، آیت:146)

(اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف سے آنے والی آزمائش میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صبر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ایک عظیم کامیابی ہے، جس کے لیے ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے۔

(19) وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ.
(سورۃ النحل، آیت:126)

(اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو یقیناً وہ صبر کرنے

والوں کے لیے بہتر ہے)

اس آیت مبارکہ میں انسان کو اخلاقیات کا سبق دیا گیا ہے کہ یہ دنیا خیر وشر (اچھائی اور برائی) کی جگہ ہے۔ جہاں نیک لوگوں کا برے لوگوں سے بھی سامنا ہوسکتا ہے۔ اگر کسی کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو ہمت والوں کا شیوہ یہ ہے کہ انتقام نہ لیں بلکہ عفوودرگزر کا رویہ اختیار کرتے ہوئے صبر کریں۔ اگر انسان کا اخلاقی معیار اتنا بلند نہیں تو پھر بھی بدلے میں دوسروں کو زیادتی کا نشانہ نہ بنائے۔

(20) اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ. (سورۃ المدثر، آیت:7)

(آج ان کے صبر کا میں نے انہیں یہ صلہ دیا ہے کہ وہ کامیاب ہیں)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں ایمان والوں کے لیے ایک صبر کا مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب دین وایمان پر عمل کرتے ہیں تو دین سے ناواقف اور ایمان سے بے خبر لوگ انھیں ہنسی مذاق وملامت کا نشانہ بناتے ہیں یا پھر ان پر ظلم کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں کچھ لوگ دوسروں کی طرف سے ملنے والی تکلیفوں پر پریشان ہوکر صبر کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر خوش قسمت لوگ ایسے تمام حالات و واقعات میں صبر وتحمل سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان لوگوں کو بہترین جزا عطا فرمائے گا، انہیں کامیابی سے سرفراز کرے گا۔

اس کے علاوہ عمومی زندگی میں بھی صبر کرنے والوں کو بہتر جزا ملے گی۔ اللہ پاک ان سے راضی ہوگا۔ ان کو کامیاب قرار دے گا۔

3 صبر احادیث کی روشنی میں

احادیث شریف میں صبر کی اہمیت کچھ یوں بیان کی گئی ہے:

(1) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى: "مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ، إِلَّا الْجَنَّةُ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1372)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس مومن بندے کا، جس کی میں کوئی عزیز چیز دنیا سے اٹھالوں اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرلے، اس کا بدلہ میرے ہاں جنت کے سوا اور کچھ نہیں)

(2) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ أُنَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَسْأَلْهُ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَّا أَعْطَاهُ حَتَّى نَفِدَ مَا عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُمْ حِينَ نَفِدَ كُلُّ شَيْءٍ: "أَنْفَقَ بِيَدَيْهِ مَا يَكُنْ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ لَا أَدَّخِرْهُ عَنْكُمْ، وَإِنَّهُ مَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللَّهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ، وَلَنْ تُعْطَوْا عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1417)

(حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چند انصاری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مانگا۔ جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیا۔ یہاں تک کہ جو مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا وہ ختم ہوگیا۔ جب سب کچھ ختم ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بھی اچھی چیز میرے پاس ہوگی میں اسے تم سے بچا کر نہیں رکھتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ جو تم میں (سوال سے) بچتا رہے گا، اللہ پاک بھی اسے غیب سے دے گا۔ جو شخص دل پر زور ڈال کر صبر کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اسے صبر دے گا اور جو بے پرواہ رہنا اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اسے بے پروا کردے گا اور اللہ پاک کی کوئی نعمت صبر سے بڑھ کر تم کو نہیں ملی)

(3) عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ".

(صحیح مسلم، ج: 3، رقم الحدیث:2999)

(حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن انسان کا بھی عجیب حال ہے۔ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔ یہ بات مومن کے سوا کسی

دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر اسے کوئی تکلیف بھی پہنچی، اس نے شکر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا اور اس نے صبر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے)

(4) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: " مَنْ أَذْهَبْتُ حَبِيبَتَيْهِ فَصَبَرَ وَاحْتَسَبَ لَمْ أَرْضَ لَهُ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:294)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً حدیث قدسی (1) نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے اگر کسی بندے کی بینائی (دیکھنے کی صلاحیت) زائل کر دی اور اس نے اس آزمائش پر صبر کیا اور مجھ سے ثواب کی امید رکھی تو میں اس کے لیے جنت سے کم بدلہ دینے پر کبھی راضی نہیں ہوں گا)

(5) عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ، دَعَاهُ اللّٰهُ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حَتَّى يُخَيِّرَهُ فِي أَيِّ الْحُورِ شَاءَ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1066)

(حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنا غصہ روک لے اگرچہ وہ اس کو استعمال کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن لوگوں کے سامنے بلائے گا اور اس کو اختیار دے گا کہ وہ جس حور کو چاہے پسند کر لے)

(6) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ، أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:912)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ

1۔ علم حدیث کی اصطلاح میں حدیث قدسی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب اس روایت کو کہتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں۔ یعنی اس کی سند اللہ تعالیٰ تک بیان کی جاتی ہے۔

مومن جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہو اور ان کے تکلیف دینے پر صبر کرتا ہے، اس مومن سے افضل ہے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور ان کے تکلیف پہنچانے پر صبر نہیں کرتا)

(7) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَيُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ". (مجمع الزوائد، رقم الحدیث:198)

(حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صبر کرنا اور نرمی کرنا)

(8) سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الإِيمَانِ؟ قَالَ: "الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ". (کنز العمال، ج:1، رقم الحدیث:1389)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا: صبر اور طبیعت کی نرمی)

(9) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: "طِيبُ الْكَلَامِ، وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ. قُلْتُ مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: "الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:1، رقم الحدیث:42)

(حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا! اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھانا کھلانا اور اچھی گفتگو کرنا۔ میں نے عرض کی! ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبر کرنا اور نرمی کرنا)

(10) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: "مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ عِنْدَ قَبْرٍ وَهِيَ تَبْكِي، فَقَالَ: اتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِي". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1199)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک سے ڈر اور صبر کر)

(11) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى". (سنن نسائی، ج:1، رقم الحدیث:1874)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبر صدمہ کی ابتدا کے وقت ہی افضل ہے۔ (رونے دھونے کے بعد تو صبر آ ہی جاتا ہے))

(12) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَنْصَارِ: " إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي، وَمَوْعِدُكُمُ الْحَوْضُ". (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:1029)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم عنقریب میرے بعد تم (اپنے اوپر دوسروں کی) ترجیح دیکھو گے۔ اس وقت صبر کرنا تاکہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرسکو)

(13) عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ "أَلَا أُرِيكَ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: هَذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَاءُ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: إِنِّي أُصْرَعُ، وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللَّهَ لِي، قَالَ: إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَكِ، فَقَالَتْ: أَصْبِرُ، فَقَالَتْ: إِنِّي أَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللَّهَ لِي أَنْ لَا أَتَكَشَّفَ، فَدَعَا لَهَا".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:629)

(حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھلاؤں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ سیاہ فام عورت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اس نے عرض کیا مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرا ستر (پردہ) کھل جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے اللہ پاک سے دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تو چاہے تو صبر کر، تیرے لیے جنت ہے اور اگر تو چاہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک تجھے صحت وعافیت دے دے۔ وہ عورت کہنے لگی کہ میں صبر کروں گی لیکن میرا ستر (پردہ) کھل جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے دعا فرمائیں کہ میرا ستر نہ کھلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کے

لیے دعا فرمائی)

(14) عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَالصَّلَاةُ نُورٌ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ، وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَايِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا". (صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:534)

(حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طہارت نصف ایمان کے برابر ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میزان (عدل) کو بھر دے گا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ سے زمین وآسمان کی درمیانی فضا بھر جائے گی۔ نماز نور ہے اور صدقہ دلیل ہے اور صبر روشنی ہے۔ قرآن مجید تیرے حق میں یا تیرے خلاف حجت (دلیل) ہوگا۔ ہر شخص جب صبح کو اٹھتا ہے تو اپنے نفس کو فروخت کرنے والا ہوتا ہے، اس کو آزاد کرنے والا ہوتا ہے یا اسے ہلاک کرنے والا ہوتا ہے)

(15) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَقُولُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ: ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى، لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ". (سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:1597)

(حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے: اے آدم کے بیٹے! اگر صدمہ کے شروع میں تو صبر اور ثواب کی امید رکھے تو میں (تیرے لیے) جنت کے علاوہ اور کسی بدلہ کو پسند نہ کروں گا)

(16) عَنْ أَبِي النَّضْرِ السَّلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَيَحْتَسِبُهُمْ إِلَّا كَانُوا لَهُ جُنَّةً مِنَ النَّارِ". فَقَالَتْ امْرَأَةٌ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَوْ اِثْنَانِ؟ قَالَ: "أَوْ اِثْنَانِ". (موطا امام مالک، ج:1، رقم الحدیث:496)

(حضرت ابوالنصر سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان کے تین بچے مرجائیں اور وہ اس پر صبر کرے تو قیامت کے روز وہ بچے اس کو جہنم کے عذاب سے بچائیں گے۔ ایک عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر دو مرجائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے دو مرجائیں، وہ بھی)

(17) عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، قُلْنَا: لَهُ أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلَا تَدْعُو اللّٰهَ لَنَا، قَالَ: "كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ".

(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:863)

(حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چادر کو تکیہ بنا کر کعبہ شریف کے سائے میں آرام کر رہے تھے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پاک میں حاضر ہوئے اور شکوہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے اللہ پاک سے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلی لوگوں میں سے کسی کو سزا کے لیے لایا جاتا تھا اور ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیا جاتا۔ پھر آرا اس کے سر پر رکھ کر اسے دو ٹکڑے کر دیا جاتا، لیکن یہ تکلیف اسے دین سے نہیں پھیرتی تھی)

(18) عَنْ أُسَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ جَاءَهُ رَسُولُ إِحْدَى بَنَاتِهِ، وَعِنْدَهُ سَعْدٌ، وأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، ومُعَاذٌ: أَنَّ ابْنَهَا يَجُودُ بِنَفْسِهِ، فَبَعَثَ إِلَيْهَا: "لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلِلّٰهِ مَا أَعْطَى كُلٌّ بِأَجَلٍ، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1541)

(حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک صاحبزادی رضی اللہ عنہا کا بھیجا ہوا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ان کا ایک بچہ نزع کی حالت (موت کا وقت) میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہلا بھیجا: اللہ تعالیٰ کی ہی چیز

ہے جو اس نے لے لی اور اللہ پاک ہی کی وہ ہر چیز ہے جو اس نے دی۔ ہر شخص کی ایک مدت مقرر ہے۔لہٰذا اسے چاہیے کہ صبر کرے اور اسے ثواب سمجھے)

(19) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1976)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے امیر کی کوئی ناگوار چیز دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہیے۔اس لیے کہ جو شخص امیر کی اطاعت سے ایک بالشت (ہاتھ) بھی باہر ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرا)

(20) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضَى لِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ إِذَا ذَهَبَ بِصَفِيِّهِ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَصَبَرَ وَاحْتَسَبَ، وَقَالَ: مَا أُمِرَ بِهِ بِثَوَابٍ دُونَ الْجَنَّةِ".

(سنن نسائی، ج:1، رقم الحدیث:1876)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے کسی بچے کو لے لیتا ہے اور وہ بندہ اپنے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کرتا ہے، تو جب وہ بندہ اپنے اللہ پاک سے اس کا اجر مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت کے علاوہ کسی اور چیز کے مانگنے سے خوش نہیں ہوتا)

(21) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ".

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:1998)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی بیٹیوں کے ساتھ آزمایا گیا، پھر اس نے ان پر صبر کیا تو وہ (بیٹیاں) اس کے لیے جہنم سے پردہ ہوں گی)

(22) عَنْ أَبِي كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ثَلَاثَةٌ أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ، قَالَ: " مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ، وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً فَصَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ عِزًّا، وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا ". وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ، قَالَ: إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ: عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَيَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَيَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ، يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَلَا يَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا، فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:211)

(حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تین چیزوں کے متعلق قسم کھاتا ہوں اور تم لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہوں تم لوگ یاد رکھنا:

(i) کسی صدقہ (خیرات) کرنے والے کا مال صدقے (خیرات) سے کبھی کم نہیں ہوتا۔

(ii) کوئی مظلوم ایسا نہیں کہ اس نے ظلم پر صبر کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی عزت نہ بڑھائیں۔

(iii) جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر و محتاجی کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

(iv) چوتھی بات یاد رکھو کہ دنیا چار قسم کے لوگوں پر مشتمل ہے:

(ا) ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دونوں دولتوں سے نوازا ہو اور وہ اس میں تقویٰ اختیار کرتا ہو، صلہ رحمی کرتا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہو یہ سب سے افضل ہے۔

(ب) وہ شخص جسے علم تو عطا کیا گیا لیکن دولت سے نہیں نوازا گیا چنانچہ وہ سچے دل کے ساتھ اپنی اس تمنا کا

اظہار کرے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی جس سے میں فلاں شخص کی طرح عمل کرتا۔(اوپر ذکر کردہ نیک شخص کی طرح)ان دونوں شخصوں کے لیے برابر اجر وثواب ہے۔

(ج) ایسا مالدار جو علم کی دولت سے محروم ہو اور اپنی دولت کو ناجائز جگہوں پر خرچ کرے نہ اس کے کمانے میں خدا کے خوف کو ملحوظ رکھے اور نہ اس سے صلہ رحمی کرے اور نہ اس کی زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے یہ شخص سب سے بدتر ہے۔

(د) ایسا شخص جس کے پاس نہ دولت ہے اور نہ علم لیکن اس کی تمنا ہے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی تو میں فلاں کی طرح خرچ کرتا۔ یہ شخص بھی اپنی نیت کا اجر لے گا اور ان دونوں (تیسرے اور چوتھے) کا گناہ بھی برابر ہے۔

(23) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ أَغْبَطَ أَوْلِيَائِي عِنْدِي لَمُؤْمِنٌ خَفِيفُ الْحَاذِ ذُو حَظٍّ مِنَ الصَّلَاةِ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَأَطَاعَهُ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يُشَارُ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافًا فَصَبَرَ عَلَى ذٰلِكَ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:233)

(حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے دوستوں میں سب سے قابل رشک وہ شخص ہے جو کم مال والا، نماز میں زیادہ حصہ رکھنے والا اور اپنے رب کی اچھی طرح عبادت کرنے والا ہے۔ جو تنہائی میں بھی اپنے رب کی اطاعت کرے۔ لوگوں میں چھپا رہے اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کیے جائیں۔ اس کا رزق صرف ضرورت کے لیے کافی ہو اور وہ اسی پر صبر کرتا ہو)

(24) عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "طُوبٰى لِمَنْ هُدِيَ إِلَى الْإِسْلَامِ وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَقَنَعَ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:236)

(حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کے لیے بشارت ہے جسے اسلام کی ہدایت دی گئی۔ ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور اس

پر اس نے صبر کیا)

(25) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا غُلَامُ أَوْ يَا غُلَيِّمُ أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهِنَّ؟ فَقُلْتُ: بَلٰى. فَقَالَ: "احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ تَعَرَّفْ إِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ فَلَوْ أَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَرَادُوا أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ وَإِنْ أَرَادُوا أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلَى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيرًا وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا".

(مسند احمد، ج:2، رقم الحدیث:926)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر سوار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھادوں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ دے؟ میں نے عرض کیا ضرور۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک کے احکام کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرو، تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ تم اسے خوشحالی میں یاد رکھو، وہ تمہیں تکلیف کے وقت یاد رکھے گا۔ جب مانگو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ جب مدد چاہو اللہ تعالیٰ ہی سے چاہو۔ قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے۔ جان رکھو! اگر ساری دنیا مل کر بھی تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ اگر وہ سارے مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ یاد رکھو! مصائب پر صبر کرنے میں بڑی خیر ہے کیونکہ مدد صبر کے ساتھ ہے۔ کشادگی تنگی کے ساتھ ہے اور آسانی سختی کے ساتھ ہے)

(26) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "هَلْ تَدْرُونَ أَوَّلَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ"؟ قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ الْفُقَرَاءُ وَالْمُهَاجِرُونَ الَّذِينَ تُسَدُّ بِهِمُ الثُّغُورُ وَيُتَّقَى بِهِمُ الْمَكَارِهُ وَيَمُوتُ أَحَدُهُمْ وَحَاجَتُهُ فِي صَدْرِهِ لَا يَسْتَطِيعُ لَهَا قَضَاءً. فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ مَلَائِكَتِهِ ائْتُوهُمْ فَحَيُّوهُمْ، فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ نَحْنُ سُكَّانُ سَمَائِكَ وَخِيرَتُكَ مِنْ خَلْقِكَ أَفَتَأْمُرُنَا أَنْ نَأْتِيَ هَؤُلَاءِ فَنُسَلِّمَ عَلَيْهِمْ؟ قَالَ: إِنَّهُمْ كَانُوا عِبَادًا يَعْبُدُونِّي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَتُسَدُّ بِهِمُ الثُّغُورُ وَيُتَّقَى بِهِمُ الْمَكَارِهُ وَيَمُوتُ أَحَدُهُمْ وَحَاجَتُهُ فِي صَدْرِهِ لَا يَسْتَطِيعُ لَهَا قَضَاءً. قَالَ: فَتَأْتِيهِمُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَيَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ".

(مسند احمد، ج:3، رقم الحدیث:2067)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلے جنت میں کون لوگ داخل ہوں گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جنت میں وہ فقرا (فقیر) اور مہاجرین داخل ہوں گے، (دنیا میں) جن کے آنے پر دروازے بند کر دیے جاتے تھے۔ ان کے ذریعے ناپسندیدہ امور سے بچا جاتا تھا اور وہ اپنی حاجات (ضروریات) اپنے سینوں میں لیے ہوئے ہی مر جاتے تھے لیکن انہیں پورا نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جسے چاہیں گے حکم دیں گے کہ ان کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو۔

فرشتے عرض کریں گے کہ ہم آسمانوں کے رہنے والے اور آپ کی مخلوق میں منتخب لوگ ہیں اور آپ ہمیں انہیں سلام کرنے کا حکم دے رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ ایسے لوگ تھے جو صرف میری ہی عبادت کرتے تھے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ دنیا میں

ان پر دروازے بند کر دیے جاتے تھے۔ان کے ذریعے ناپسندیدہ امور سے بچا جاتا تھا اور یہ اپنی ضروریات اپنے سینوں ہی میں لیے مرجاتے تھے لیکن انہیں پورا نہ کر پاتے تھے۔ چنانچہ فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور ہر دروازے سے یہ آواز لگائیں گے تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا، آخرت کا گھر کتنا بہترین ہے)

(27) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ صَبَرَ فَلَهُ الصَّبْرُ وَمَنْ جَزِعَ فَلَهُ الْجَزَعُ".

(مسند احمد، ج:9، رقم الحدیث:3591)

(حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ پھر جو شخص صبر کرتا ہے اسے صبر ملتا ہے اور جو شخص جزع (شور شرابہ) کرتا ہے اس کے لیے جزع (شور شرابہ) ہے)

(28) عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ أَحَدٌ أَوْ لَيْسَ شَيْءٌ أَصْبَرَ عَلَى أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللَّهِ، إِنَّهُمْ لَيَدْعُونَ لَهُ وَلَدًا وَإِنَّهُ لَيُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1052)

(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص تکلیف دینے والی بات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں ہے۔ لوگ اس کے لیے بیٹا بتاتے ہیں اور وہ انہیں معاف کر دیتا ہے اور انہیں رزق دیتا ہے)

(29) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "شَرُّ مَا فِي رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ". (مسند احمد، ج:4، رقم الحدیث:847)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان میں سب سے بدترین چیز، بے صبرے پن کے ساتھ بخل اور حد سے زیادہ بزدلی ہوتی ہے)

(30) ثلاث من كنوز البر: " كتمان الشكوى، و كتمان المصيبة، و كتمان الصدقة".

(کنز العمال، ج:2، رقم الحدیث:1393)

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں نیکیوں کا خزانہ ہیں، شکایت کو چھپانا، مصیبت کو پوشیدہ رکھنا اور صدقہ خفیہ رکھنا)

4 صبر کی اقسام

صبر کی کئی قسمیں ہیں:

(1) **صبر علی العمل** (عمل پر صبر) یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو کسی نیکی کے کام کرنے کی عادت ڈال لے۔ اس پر جم جائے اور قائم رہے۔ مثال کے طور پر نماز پابندی سے پڑھنا، زکوٰۃ پابندی سے ادا کرنا، صدقہ کرنا وغیرہ۔

(2) **صبر فی العمل** (عمل میں صبر) یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری مصروفیات سے روکنا۔ اطاعت بجالانے کے وقت ان کے حقوق وآداب کو سکون واطمینان سے ادا کرنا اور پوری توجہ سے کام کرنا۔ مثال کے طور پر نماز پڑھنے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ تم اتنی دیر تک علاوہ نماز یا ذکر اللہ کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے۔

(3) **صبر عن العمل** (عمل سے صبر) یہ ہے کہ نفس کو جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے ان سے رکنا۔ شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے باز آ جانا۔ گناہ سے بچنا، نفسانی خواہشات سے بچنا، غیبت نہ کرنا، چوری نہ کرنا وغیرہ۔

حکم کے اعتبار سے صبر کی چار اقسام ہیں:

(1) **فرض:** اسلامی شریعت نے جن کاموں سے منع کیا ہے ان کے کرنے سے صبر (رکنا) کرنا فرض ہے۔ جیسا کہ اسلام نے شراب پینے سے منع فرمایا ہے۔ انسان کی طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ہے اور وہ انتہائی صبر سے کام لیتے ہوئے اس سے بچا رہتا ہے۔ اس کا یہ صبر کرنا فرض ہے۔ بالکل ایسے ہی اسلام نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کاموں کو پورا کرتے ہوئے تکلیف پر صبر کرنا بھی فرض ہے۔ جیسا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سرانجام دینا۔

(2) **مستحب:** مستحب صبر یہ ہے کہ انسان ایسے ناپسندیدہ کام جو شریعت میں منع بھی نہ ہوں کو چھوڑ دے۔

(3) **مکروہ:** مکروہ صبر یہ ہے کہ انسان شریعت میں ناپسند کیے جانے والی چیز سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرے۔

(4) **حرام:** تکلیف دینے والا کام جس سے اسلامی شریعت نے منع کیا ہے پر خاموش رہنا صبر حرام ہے۔ جیسا کہ اگر کسی آدمی یا اس کے بیٹے کا ناحق ہاتھ کاٹا جائے تو وہ اس پر خاموشی اختیار کر لے تو یہ صبر حرام ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی برے ارادے سے کسی کے گھر والوں کی طرف بڑھے، تو اس پر خاموشی کو اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ ایسا صبر بالکل حرام ہے۔

5 صبر کرنے والوں کی اقسام

صبر کرنے والوں کی تین اقسام ہیں:

(1) **متصبّر:** جو دل پر زور ڈال کر (تکلف سے) صبر کرتے ہیں۔ تکلف سے صبر کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ذریعے صبر کرتا ہے وہ بعض اوقات تو صبر اختیار کرتا ہے اور بعض اوقات صبر کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور شکایت کرتا ہے۔

(2) **صابر:** جو بالکل صبر اختیار کرتے ہیں۔ صابر کی یہ علامت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر اختیار کرتا ہے۔ وہ کسی حالت میں بھی دکھ، تکلیفوں اور مصیبتوں پر غم کا اظہار نہیں کرتا، مگر اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ فریاد کرے۔ جیسا کہ حضرت ذوالنون مصریؒ کہتے ہیں کہ میں حالت مرض میں ایک صوفی کی عیادت کو گیا تو گفتگو کے دوران اس نے ایک چیخ ماری۔ اس پر میں نے کہا کہ وہ شخص سچا نہیں جس نے دکھ اور مصیبت میں صبر نہ کیا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا، نہیں بلکہ یوں کہو کہ وہ شخص سچا محب (محبت کرنے والا) نہیں جس نے دکھ سے لذت حاصل نہ کی۔

(3) **صبّار:** جو بہت زیادہ صبر کرنے والا ہوتا ہے۔ جہاں تک صبر کرنے والوں میں سے صبّار کا تعلق ہے تو یہ درجہ اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ذریعے، اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اور اللہ پاک ہی کو اپنا جاننے پر صبر کر لیا۔ صبّار وہ ہوتا ہے کہ اگر مصیبتوں کے پہاڑ بھی ٹوٹ پڑیں تو بھی صبر کا دامن نہ چھوڑے۔ ظاہری و باطنی دونوں لحاظ سے ثابت قدم رہے۔

(4) **صبر زکریا علیہ السلام:** صبر کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کے سرمبارک پر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے آرہ (saw) چلایا تو انہوں نے ایک دردناک آواز نکالی اور اللہ پاک نے وحی کے ذریعے انہیں خبر دی کہ اے زکریا علیہ السلام! اگر تیری دوسری آہ مجھ تک پہنچی تو میں تمام زمینوں اور آسمانوں کو ایک دوسرے پر الٹ دوں گا۔

6 صبر میں معاون چیزیں

کچھ ایسی چیزیں ہیں جو صبر کرنے میں مدد دیتی ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو رکاوٹ بنتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

(1) خدا کی ذات اس دنیا میں صبر کے لیے ایک بڑا سہارا ہے۔ خدا تعالیٰ کے انکار یا بے اعتمادی پر شاید ہی کوئی شخص نیکی پر قائم رہ سکے۔ اللہ پاک پر اعتماد کی کمی یا اس کی ذات کے بارے میں کم علمی کی وجہ سے انسان کبھی کبھی صبر سے محروم ہو جاتا ہے۔

(2) جس آدمی میں توکل نہیں ہوگا، وہ صبر نہیں کر سکے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا ہی وہ سہارا ہے، جس سے نفس مشکلات میں مطمئن رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں فیصلہ کرتے وقت کبھی ہمیں مشکل سے دوچار کرتا ہے اور کبھی آسانی سے۔ ان دونوں طرح کے فیصلوں میں اپنے معاملات کا والی وارث اللہ پاک کو سمجھنا اور اس کی رضا پر قائم رہنے کی کوشش کرنا ہی وہ چیز ہے جس کو ہم توکل کہتے ہیں۔ توکل دراصل صبر کرنے میں بڑی مدد دیتا ہے۔

(3) بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ نیکی کریں گے تو ہم پر مصیبت نہیں آئے گی۔ یہ فکر اللہ پاک کی سنت کے بارے میں غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا انعام کے لیے نہیں بنائی، بلکہ آزمائش کے لیے بنائی ہے۔ اس نے نیکی کو بس ایک عمومی غلبہ دے رکھا ہے، مگر یہ لازم نہیں ہے کہ کسی فرد کی نیکی کے بعد اس پر کوئی آزمائش نہیں آئے گی۔ انبیا علیہم السلام کی زندگیاں اس کی بہترین مثال ہیں۔ یہ لوگ معصوم (گناہ سے پاک) تھے، مگر ان پر مصیبت کے ایسے ایسے پہاڑ ٹوٹے ہیں کہ قرآن مجید کے مطابق:

یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ. (سورۃ البقرہ، آیت:214)
(رسول علیہم السلام اور ان کے ساتھ ایمان والے پکار اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟)

(4) قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر صبر جلد بازی کے متضاد معنی میں آیا ہے۔ ہم جن مواقع پر جلد بازی کا شکار ہو جاتے ہیں، وہاں عام طور پر بے صبری دکھاتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری دعائیں فوراً قبول ہو جائیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی مصیبت کے جلدی نہ ٹلنے پر ہم مایوس ہو جاتے ہیں۔ کسی سے کچھ کام پڑنے یا کہنے سننے کے معاملے میں ہم جلدی میں پڑ جائیں، بے صبرے ہو جائیں۔ مثلاً بھائی نے کوئی غلط بات کر دی ہم فوراً اس سے انتقام (بدلہ) لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ لازم ہے کہ پہلے ہم یہ جانیں کہ بات کیا ہے؟ کس نے کہی ہے؟ ہمیں غلط بات تو نہیں پہنچی؟

(5) صبر کو نقصان پہنچانے والے کاموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمیں معاملہ کی حقیقت کا علم نہیں ہوتا۔ ہم اس کے جملہ پہلوؤں سے واقف نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے ہم غصہ میں آ جاتے ہیں۔ اگر ہم حقیقت کی تہہ تک پہنچ جائیں تو دکھ اور بے صبری نہ ہو۔

(6) دنیاوی معاملات میں بے صبری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم دوسروں کے حقوق کا صحیح شعور نہیں رکھتے۔ ان کے بھی احساسات و جذبات ہیں، غلطی کر سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی دنیاوی ضروریات لگی ہیں۔ ان کے بھی بیوی، بچے، مشکلات و معاملات اور آرزوئیں ہیں۔ دوسروں سے معاملہ کرتے وقت ہمیں ہمیشہ ان امور کا خیال رکھنا چاہیے کہ دوسرے بھی ہماری طرح گوشت پوست کے انسان ہیں۔

7 صبر اختیار کرنے کے طریقے

صبر اختیار کرنے کے کئی طریقے ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ.
(سورۃ البقرہ، آیت:156)

(جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: ہم تو اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)

مصیبت اور غم کے وقت زبان کو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کے ورد میں مشغول کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہیں اور مالک کو اپنی ملکیت پر پورا پورا اختیار (تصرف) ہے۔ غلام کو چاہیے کہ مالک کے اختیار پر راضی رہے۔ اس لیے اسے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کے اختیار اور فیصلوں پر راضی رہنا چاہیے۔

(2) مصیبت کے واقعے کو بار بار نہ سوچنا چاہیے بلکہ اپنے کام میں مصروف رہنا چاہیے۔ جو گزر گیا وہ گزر گیا۔ وہ مقدر تھا، سو ہو گیا۔ آئندہ بہتری ہوگی۔

(3) مصیبت کے وقت اپنے گناہوں کو یاد کرنا چاہیے اپنی غلطیوں کو یاد کیا جائے۔ مصیبت سے پریشان نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنی غلطیوں پر شرمندہ اور اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

(4) یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو گیا ہے، ایک خطرناک خیال ہے۔ اس سے انسان کا اپنے پروردگار سے تعلق کمزور پڑ جاتا ہے اور بالآخر آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ پاک سے اچھا گمان رکھنا چاہیے۔

(5) مصیبتوں کو گناہوں کی سزا سمجھ کر استغفار کرنا چاہیے اور ثواب کی امید رکھنی چاہیے۔

(6) دین نے مصیبت کے وقت صبر و تحمل کی تعلیم دی ہے، اس تصور کو ذہن میں لانا چاہیے۔

(7) مصیبت میں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اللہ پاک سے کوئی شکوہ و شکایت نہیں کرنی چاہیے۔ کوئی بات ایمان اور اسلام کے خلاف زبان اور دل میں نہیں لانی چاہیے۔ اس سے ثواب بھی ملے گا اور غم کو برداشت کرنے کا حوصلہ بھی پیدا ہوگا۔

(8) یہ خیال دل میں لائے کہ ہر مصیبت کا بدلہ ملتا ہے اور اس مصیبت میں بھی ضرور کوئی حکمت اور نفع ہوگا۔ آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی۔ اگرچہ فی الفور دنیا کا نفع سمجھ میں نہ آئے۔ اجر کو یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کا ثواب رکھا ہے پس اس ثواب کو یاد کر کے غم ہلکا کرے۔

(9) انبیاعلیہم السلام کی زندگی ہمارے لیے نمونہ ہے۔ ان کی سیرت بصیرت افروز مثالوں سے بھری پڑی ہے جن سے ہمیں حوصلہ حاصل ہوتا ہے۔ صبر کے لیے انبیاعلیہم السلام اور اللہ والوں کی سیرتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(10) ہمیں دوسرے کے ساتھ معاملات کرتے ہوئے ان کے رویوں کو اپنے لیے اللہ پاک کی طرف سے امتحان سمجھنا چاہیے اور اگر غلطی ہماری ہو تو اسے درست کر لینا چاہیے۔ اگر غلطی دوسروں کی ہو تو درگزر سے کام لینا چاہیے اور اپنے کام اور رویے پر قائم و دائم رہنا چاہیے۔

8 صبر کے بارے میں اقوال

صبر کے بارے میں بزرگان دین کے بہت سے اقوال ہیں:

(1) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الصَّبْرُ مِنَ الإِيمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ، فَإِذَا ذَهَبَ الصَّبْرُ ذَهَبَ الإِيمَانُ. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:135)
(ایمان اور صبر کا تعلق اس طرح ہے جیسے جسم اور سر کا تعلق ہوتا ہے۔ جس کا سر نہ ہو اس کا بدن نہیں ہوتا اور جسے صبر حاصل نہ ہو اس کا ایمان نہیں ہوتا)

(2) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ الصبر نصف الإيمان (کنز العمال، ج:2، رقم الحدیث:2204). (صبر نصف ایمان ہے)

(3) حضرت معمون بن مہران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایمان، تصدیق، معرفت اور صبر ایک ہی چیز کا نام ہے۔

(4) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان کا سب سے بلند مقام اللہ تعالیٰ کے احکامات پر صبر و استقلال کے ساتھ عمل کرنا اور تقدیر پر راضی رہنا ہے۔

(5) حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں:

(i) مصیبت اور غم پر صبر کرنا۔

(ii) ان چیزوں سے بچنا جن سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم دیا ہے۔

(6) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ تکلیف کا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اس وقت تک برداشت

کرنا کہ وہ ٹل جائے، صبر ہے۔

(7) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ مومن کے لیے دنیا سے آخرت کو جانا آسان ہے لیکن اللہ پاک کی خاطر مخلوق کو چھوڑ دینا مشکل ہوتا ہے پھر خواہشات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اس سے بھی مشکل ہے اور ہر وقت اللہ پاک پر نظر رکھ کر صبر تو اور بھی مشکل ہے۔

(8) حضرت ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! جسے ہم پسند کرتے ہیں اس پر صبر نہیں کر سکتے تو ناپسندیدہ پر کیسے صبر کریں؟

(9) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حسن ادب سے ٹھہرنا صبر کہلاتا ہے۔

(10) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا صبر ہے۔

(11) حضرت عمرو بن عثمانؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے احکام پر ثابت قدمی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ مصیبت کو خوشی سے قبول کرنا صبر کہلاتا ہے۔

(12) حضرت خواصؒ فرماتے ہیں کہ کتاب وسنت کے احکام پر عملی ثابت قدمی صبر ہے۔

(13) حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ شکایت وشکوہ چھوڑ دینا صبر ہے۔

(14) حضرت ابودقاقؒ فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی گئی تقدیر کے بارے میں اعتراض نہ کرو۔ مصیبت کا اظہار بغیر شکوہ کے ہونا چاہیے اور یوں وہ صبر کے خلاف نہ ہوگا۔

(15) حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ صبر اپنے نام کی طرح ہوتا ہے کیونکہ اس کا معنی رک جانا ہے اور مصیبت پر رکنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔

(16) حضرت ابومحمد جریریؒ فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہوتا ہے کہ انسان کے سامنے چین اور مصیبت کی دونوں حالتیں ایک جیسی ہوں اور وہ دونوں میں پرسکون بھی ہو۔

(17) حضرت قتادؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہنا اور جن کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔

(18) حضرت عزالدین کاشانیؒ فرماتے ہیں کہ صبر کے معانی عام طور پر یہ ہیں کہ نفس کا ان پسندیدہ چیزوں سے دور رہنا جو شریعت میں منع ہیں یا ایسی ناپسندیدہ چیزوں پر عمل کرنا جن کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے۔

(19) حضرت ملا جلال الدین دوانیؒ فرماتے ہیں کہ خواہشات نفسانی سے نفس کے مقابلہ کرنے کو صبر کہتے ہیں۔

(20) حضرت اردشیر عبادیؒ کا خیال ہے کہ صبر یہ ہے کہ انسان خواہشات کی پیروی اور گناہوں سے دور رہے اور لذتوں کو چھوڑ دے اور اس عادت پر قائم رہے۔

(21) حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ دل سے تصدیق کرنے کا نام صبر ہے۔

(22) حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ صبر شکوہ و شکایت چھوڑنے کا نام ہے۔

(23) حضرت فُضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا صبر ہے۔

(24) حضرت خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں:

(i) مصیبتوں اور آزمائشوں میں حق پر ثابت قدم رہنا۔

(ii) جن باتوں سے اللہ پاک نے منع کیا ہے ان سے رک جانا۔

(25) خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ صبر تین چیزوں پر کیا جاتا ہے:

(i) مصیبت پر صبر کرنا: تکلیف پر صبر محبت کے باعث کیا جاتا ہے اور اس سے تین چیزیں ملتی ہیں: (ا) دل کی یکسوئی، (ب) علم کی باریک بینی اور (ج) فراست (سمجھ داری) کا نور۔

(ii) معصیت سے صبر کرنا: گناہ گاری سے صبر اللہ تعالیٰ کے خوف کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس سے تین چیزیں ظاہر ہوتی ہیں: (ا) قلب کا الہام، (ب) دعا کی قبولیت اور (ج) پاکیزگی کا نور۔

(iii) اللہ پاک کی اطاعت پر صبر کرنا: اطاعت پر صبر امید کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس سے تین چیزیں پیدا ہوتی ہیں: (ا) مصیبتوں کا ٹل جانا، (ب) روزی کا غیر متوقع طور پر پہنچنا اور (ج) نیکیوں کی طرف میلان۔

(26) ایک صوفی کا قول ہے کہ جیسے انسان امن و عافیت میں ثابت قدم ہوتا ہے ویسے ہی مصیبت میں بھی ثابت قدم رہنا صبر ہے۔

(27) ایک بزرگ کا قول ہے کہ شکوہ لب پر لائے بغیر اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں کود جانا صبر ہے۔

9 اہل صبر کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے کچھ اللہ والوں کے صبر کے واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(1) حضرت ایوب علیہ السلام اللہ پاک کے بڑی شان والے پیغمبر علیہ السلام تھے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ پاک نے مال و دولت اور جائیداد اور شاندار مکانات اور سواریاں اور اولاد اور نوکر بہت کچھ عطا فرمایا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو پیغمبرانہ آزمائش میں مبتلا کیا۔ یہ سب چیزیں ان کے ہاتھ سے نکل گئیں اور بدن میں ایسی سخت بیماری لگ گئی جیسے جذام ہوتا ہے۔ بدن کا کوئی حصہ زبان اور دل کے علاوہ اس بیماری سے نہ بچا۔ اس حالت میں زبان و دل کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رکھتے اور شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ اس شدید بیماری کی وجہ سے سب رشتہ داروں، دوستوں اور پڑوسیوں نے آپ علیہ السلام کو الگ کر کے آبادی سے باہر ایک جگہ پر ڈال دیا۔ رشتہ داروں اور دوستوں سب نے ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف آپ علیہ السلام کی بیوی خیال کرتی رہی۔

مال و جائیداد تو سب ختم ہو چکا تھا آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ محنت مزدوری کر کے اپنے اور ان کے لیے رزق اور ضروریات پورا کرتی اور ان کی خدمت کرتی تھیں۔ ایک دن آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے عرض کیا کہ آپ علیہ السلام کی تکلیف بہت بڑھ گئی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ یہ تکلیف دور ہو جائے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں نے ستر سال صحیح تندرست اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمت و دولت میں گزارے ہیں۔ کیا اس کے مقابلے میں سات سال بھی مصیبت کے گزارنے مشکل ہیں؟ پیغمبرانہ عزم و برداشت اور صبر کا یہ عالم تھا کہ دعا کرنے کی بھی ہمت نہ کرتے تھے کہ کہیں صبر کے خلاف نہ ہو جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور اپنی ضرورت اور تکلیف پیش کرنا بے صبری میں داخل نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، بحوالہ سورۃ الانبیا، آیت: 83)

(2) حضرت زکریا علیہ السلام کے خلاف جب دشمنوں نے آخری کارروائی کا فیصلہ کرلیا تو آپ علیہ السلام شہر سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہوگئے۔ تاکہ کسی جگہ چھپ جائیں اور دشمن کے شر سے نجات مل سکے۔ دشمنوں نے آپ علیہ السلام کا پیچھا کیا۔ دشمن کو قریب آتا دیکھ کر آپ علیہ السلام ایک پرانے درخت کی کھوہ میں چھپ گئے۔ دشمن جب اس درخت کے پاس پہنچے تو شیطان نے ان کو ساری بات بتا دی۔ لہٰذا دشمن نے آری سے درخت کو چیرنا شروع کر دیا۔ آری درخت کو چیرتے ہوئے حضرت زکریا علیہ السلام کے سر تک پہنچ گئی۔ اس پر آپ علیہ السلام نے کوئی آہ و بکا نہیں کی بلکہ صبر سے کام لیا اور صبر کرتے ہوئے چر کر دو ٹکڑے ہوگئے لیکن اُف تک نہ کی۔

(3) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سے پہلے ایک بادشاہ تھا جس کے پاس ایک جادوگر تھا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ آپ میرے ساتھ ایک لڑکے کو بھیج دیں تاکہ میں اسے جادو سکھا سکوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا جادو سیکھنے کے لیے جادوگر کی طرف بھیج دیا۔ جب وہ لڑکا چلا تو اس کے راستے میں ایک راہب (عیسائی صوفی) تھا۔ وہ لڑکا اس راہب کے پاس بیٹھا اور اس کی باتیں سننے لگا جو کہ اسے پسند آئیں پھر جب بھی وہ جادوگر کے پاس آتا اور راہب کے پاس سے گزرتا تو اس کے پاس بیٹھتا۔ جب وہ لڑکا جادوگر کے پاس آتا تو وہ جادوگر اس لڑکے کو مارتا۔ اس لڑکے نے اس کی شکایت راہب سے کی۔ راہب نے کہا کہ اگر تجھے جادوگر سے ڈر ہو تو کہہ دیا کرو کہ مجھے میرے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب تجھے گھر والوں سے ڈر ہو تو کہہ دیا کرو کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔

اس دوران ایک بڑے درندے نے لوگوں کا راستہ روک لیا جب لڑکا اس طرف آیا تو اس نے کہا میں آج جاننا چاہوں گا کہ جادوگر بہتر ہے یا راہب۔ پھر ایک پتھر پکڑا اور کہنے لگا اے اللہ اگر تجھے جادوگر کے معاملہ سے راہب کا معاملہ زیادہ پسندیدہ ہے تو اس درندے کو مار دے تاکہ لوگوں کا آنا جانا ہو۔ پھر اس درندے کو مار کر اسے قتل کر دیا اور لوگ گزرنے لگے۔ وہ لڑکا

راہب کے پاس آیا اور اسے خبر دی۔ راہب نے اس لڑکے سے کہا: اے میرے بیٹے آج تو مجھ سے افضل ہے۔ کیونکہ تیرا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس کی وجہ سے تو جلد ایک آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ اگر تو کسی آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے تو کسی کو میرا نہ بتانا۔

وہ لڑکا پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو صحیح کر دیتا تھا۔ جملہ بیماریوں کا علاج کر دیتا تھا۔ بادشاہ کا ایک ہم نشین اندھا ہو گیا۔ اس نے لڑکے کے بارے میں سنا تو وہ بہت سے تحفے لے کر اس کے پاس آیا اور اسے کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفا دے دو تو یہ سارے تحفے جو میں یہاں لے کر آیا ہوں وہ سارے تمہارے لیے ہیں؟ لڑکے نے کہا میں تو کسی کو شفا نہیں دے سکتا۔ شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اگر تو اللہ پاک پر ایمان لے آئے تو میں دعا کروں گا کہ وہ تجھے شفا دے دے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرما دی۔ پھر وہ آدمی بادشاہ کے پاس آیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا جس طرح کہ وہ پہلے بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ کس نے تجھے تیری بینائی واپس لوٹا دی۔ اس نے کہا میرے رب نے۔ اس نے کہا کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی رب بھی ہے۔ اس نے کہا میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر بادشاہ اس کو پکڑ کر عذاب دینے لگا تو اس نے بادشاہ کو لڑکے کے بارے میں بتا دیا۔

جب وہ لڑکا آیا تو بادشاہ نے لڑکے سے کہا کہ اے بیٹے! کیا تیرا جادو اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب تو پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو بھی صحیح کرنے لگ گیا ہے اور ایسا کیسے کرتا ہے؟ لڑکے نے کہا میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا بلکہ شفا تو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ بادشاہ نے اسے پکڑ کر عذاب دیا۔ یہاں تک کہ اس نے بادشاہ کو راہب کے بارے میں بتا دیا۔

راہب آیا تو اس سے کہا گیا کہ تو اپنے مذہب سے پھر جا۔ راہب نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے آرہ منگوایا اور اس کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیے۔ پھر بادشاہ کے اس ہم نشین کو لایا گیا۔ اس سے بھی کہا گیا کہ تو اپنے مذہب سے پھر جا۔ اس نے بھی انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اس کے سر پر بھی آرہ رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کروا دیے۔ پھر اس لڑکے کو بلوایا گیا۔ اس سے بھی یہی کہا گیا کہ

اپنے مذہب کو چھوڑ دے۔اس نے بھی انکار کر دیا۔ بادشاہ نے لڑکے کو اپنے کچھ ساتھیوں کے حوالے کر کے کہا کہ اسے فلاں پہاڑ پر لے جاؤ اور اسے اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھاؤ۔اگر یہ اپنے مذہب سے پھر جائے تو اسے چھوڑ دینا اور اگر انکار کر دے تو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے پھینک دینا۔ بادشاہ کے ساتھی لڑکے کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے تو لڑکے نے کہا: اے میرے پروردگار! تو مجھے ان سے کافی ہے۔جس طرح تو چاہے مجھے ان سے بچا لے۔اس پہاڑ پر فوراً ایک زلزلہ آیا جس سے بادشاہ کے سارے ساتھی گر گئے۔

لڑکا چلتے ہوئے بادشاہ کی طرف آ گیا۔ بادشاہ نے لڑکے سے پوچھا کہ تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا؟ لڑکے نے کہا اللہ پاک نے مجھے ان سے بچا لیا ہے۔ بادشاہ نے لڑکے کو اپنے ساتھیوں کے حوالے کر کے کہا کہ اسے ایک چھوٹی کشتی میں لے جا کر سمندر کے درمیان میں پھینک دینا، اگر یہ اپنے مذہب سے نہ پھرے۔ بادشاہ کے ساتھی لڑکے کو لے گئے تو لڑکے نے کہا: اے میرے رب! جس طرح چاہے مجھے ان سے بچا لے۔وہ کشتی بادشاہ کے ساتھیوں سمیت الٹ گئی اور وہ سارے کے سارے غرق ہو گئے۔وہ لڑکا بچ گیا۔

لڑکا چلتے ہوئے بادشاہ کی طرف آ گیا۔ بادشاہ نے لڑکے سے پوچھا تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بچا لیا ہے۔لڑکے نے بادشاہ سے کہا تو مجھے قتل نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اس طرح نہ کرو جس طرح کہ میں تجھے حکم دوں۔ بادشاہ نے کہا وہ کیا؟ لڑکے نے کہا سارے لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرو اور مجھے سولی کے تختے پر لٹکاؤ۔ پھر میرے ترکش سے ایک تیر پکڑو۔اس تیر کو کمان میں رکھو اور کہو اس اللہ پاک کے نام پر جو اس لڑکے کا رب ہے۔ پھر مجھے تیر مارو اگر تم اس طرح کرو تو مجھے قتل کر سکتے ہو۔

بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کیا اور لڑکے کو سولی کے تختے پر لٹکا دیا۔اس کے ترکش میں سے ایک تیر لیا۔اس تیر کو کمان میں رکھ کر کہا اس اللہ پاک کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے۔وہ تیر لڑکے کو مارا تو وہ تیر لڑکے کی کنپٹی میں جا گھسا۔لڑکے نے اپنا ہاتھ تیر لگنے والی جگہ

پر رکھا اور مر گیا۔ سب لوگوں نے کہا ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔

بادشاہ کو اس کی خبر دی گئی۔ اس سے کہا گیا تجھے جس بات کا ڈر تھا اب وہی بات آن پہنچی کہ لوگ ایمان لے آئے۔ بادشاہ نے گلیوں کے دہانوں پر خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودی گئی اور ان خندقوں میں آگ جلا دی گئی۔ بادشاہ نے کہا جو آدمی اپنے مذہب سے پھرنے سے باز نہیں آئے گا، میں اس کو اس خندق میں ڈلوا دوں گا۔ انہیں خندق میں ڈال دیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک عورت آئی۔ اس کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ وہ عورت خندق میں گرنے سے گھبرائی۔ عورت کے بچے نے کہا: اے امی جان! صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے۔

(صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:3010)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ نماز کے بعد ہم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے۔ ایک دن حسبِ معمول مسجد سے نکلے تو ایک بدو آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر اس زور سے پکڑ کی کھینچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک سرخ ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مڑ کر دیکھا تو اس نے مطالبہ کیا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دو، تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ پہلے میری گردن تو چھوڑ دو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجور لدوا دیں اور صبر سے کام لیتے ہوئے کچھ تعرض (برا محسوس) نہ کیا۔

(سنن نسائی، ج:3، رقم الحدیث:1085)

(5) ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جس قبیلے سے بھی گزر ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے لیکن کسی نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کے پاس تشریف لے گئے جو

آپس میں بھائی تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے پاس بیٹھنے کے بعد انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے انتہائی بدتمیزی والا رویہ اختیار کیا۔ حضور نبی پاک ﷺ نے طائف میں دس دن قیام فرمایا۔ اس دوران میں آپ ﷺ طائف کے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے گفتگو فرمائی لیکن سب کا ایک ہی جواب تھا کہ تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ بلکہ انہوں نے اپنے آوارہ لڑکوں کو شہ دے دی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو یہ آوارہ لڑکے گالیاں دیتے، تالیاں بجاتے اور شور مچاتے ہوئے، آپ ﷺ کے پیچھے لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنی بھیڑ جمع ہوگئی کہ آپ ﷺ کے راستے کے دونوں طرف قطار لگ گئی۔ پھر بدزبانی کے ساتھ ساتھ پتھر بھی مارنے لگے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ڈھال بن کر چلتے ہوئے پتھروں کو روک رہے تھے، پھر بھی حضور نبی کریم ﷺ کے پاؤں مبارک لہولہان ہوگئے۔ بدمعاشوں نے یہ سلسلہ برابر جاری رکھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کو عتبہ اور شیبہ کے ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔

جب آپ ﷺ نے باغ میں پناہ لی تو اوباشوں کی بھیڑ واپس چلی گئی اور آپ ﷺ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ قدرے ٹھہر کر رسول کریم ﷺ باغ سے نکلے اور مکے کی راہ پر چل پڑے۔ غم و تکلیف کی شدت سے طبیعت نڈھال اور دل پاش پاش تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا۔ وہ آپ ﷺ سے یہ گزارش کرنے آیا تھا کہ آپ ﷺ حکم دیں تو ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اہل طائف کی سختی و بدتمیزی پر صبر کیا اور ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی۔ (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث: 491)

(6) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا بیمار تھا، وہ فوت ہوگیا۔ ان کی زوجہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے گھر والوں سے کہہ دیا کہ تم میں سے کوئی بھی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو ان

کے بیٹے کی موت کی خبر نہ دے۔

جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ واپس آئے، ان کے سامنے رات کا کھانا لا کر رکھا۔ انہوں نے کھانا کھایا اور پانی پیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اچھی طرح سیراب ہو چکے ہیں تو انہوں نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ! کیا خیال ہے اگر لوگ کسی سے کوئی چیز ادھار لیں۔ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ جب ان سے واپسی کا مطالبہ ہو، کیا وہ انکار کر سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر اپنے بیٹے پر صبر کیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں واپس اپنے پاس بلا لیا ہے۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور اس کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے چہیتے بیٹے کی وفات پر رونا دھونا نہیں کیا بلکہ اللہ رب العزت کی رضا کی خاطر صبر و تحمل سے کام لیا۔ صبح ہوئی تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں میاں بیوی کے لیے اس رات کو مبارک فرمائے۔ (مسند احمد، ج:5، رقم الحدیث:1996)

(7) حضرت امام احمد بن حنبلؒ ایک مشہور محدث (حدیث کے عالم) تھے۔ آپؒ کے دور میں قرآن پاک کے مخلوق (پیدا کردہ) یا غیر مخلوق ہونے کا مسئلہ پیدا ہوا۔ دراصل عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال آیا کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟ اولاً اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ مخلوق نہیں ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا کہ تمہارا قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک کا کلمہ کہتا ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن پاک کے مطابق غیر مخلوق قرار پائے۔ یعنی ان کے بارے میں الوہیت (خدائی) کا وہ عقیدہ جو عیسائیوں میں رائج ہے، وہ قرآن کریم کے مطابق بالکل درست عقیدہ ہے۔ اس الجھن کے سامنے آنے کے بعد حکومت نے یہ مؤقف سختی سے اپنا لیا کہ قرآن مجید مخلوق ہے۔ اللہ پاک کا کلام مخلوق ہے۔ حکومت نے یہ کوشش بھی کی کہ اسی رائے کو سب علمائے امت کی تائید حاصل ہو جائے۔ چنانچہ

اس کی خاطر پہلے علما کو قائل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔کئی علما نے یہ موقف اختیار کرلیا۔جن علما نے بغیر کسی شرعی دلیل کے اس موقف کو ماننے سے انکار کر دیا، ان پر خوب ظلم وستم ڈھایا گیا تا کہ وہ خلق قرآن کے قائل ہو جائیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو بھی اس رائے کا قائل کرنے کے لیے قید و بند کی حالت میں بغداد لایا گیا۔ان کے پیروں میں کئی بھاری بیڑیاں پہنا کر انہیں قید کر دیا گیا۔آپؒ کو جب سزا کے لیے عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو پہلے درباری علما نے اور خود معتصم نے بھی ان کو عقیدۂ خلق قرآن اختیار کرنے کی دعوت دی۔اس مقصد کے لیے درباری علما نے ان سے بحث بھی کی۔آپؒ اپنے مخالفین کی ساری دلیلوں کے جواب میں ایک ہی بات کہتے رہے کہ تم اپنی بات کے حق میں کتاب وسنت کی کوئی دلیل پیش کرو تو میں مان لوں گا۔آپؒ کی یہ استقامت دیکھ کر (جسے ہٹ دھرمی کا رویہ قرار دیتے ہوئے) خلیفہ معتصم باللہ نے کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا۔جلادوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ حضرت امام احمد حنبلؒ کو کوڑے لگائیں۔

حضرت امام احمد حنبلؒ خود بیان کرتے ہیں کہ معتصم باللہ کے حکم پر کئی جلادوں نے مجھے کوڑے لگائے۔ہر جلاد مجھے دو کوڑے پوری قوت سے لگاتا اور پیچھے ہٹ جاتا پھر نیا جلاد آتا۔اس طرح مجھے بہت سے کوڑے لگائے گئے۔ہر کوڑے پر مجھے غشی طاری ہو جاتی تھی۔جب کوڑے لگانے بند کر دیے جاتے تو میں ہوش میں آجاتا اور دیکھتا کہ معتصم باللہ میرے پاس موجود ہے اور کہہ رہا ہے کہ احمد تم لوگوں کی بات کیوں نہیں مان لیتے۔دوسرے حاضرین ان سے مخاطب ہو کر کہتے کہ خلیفہ تم سے درخواست کر رہے ہیں اور تم ان کی بات ٹھکرا رہے ہو۔حضرت امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ میرا اصرار صرف اس قدر تھا کہ میرے سامنے اللہ تعالیٰ کی کتاب یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے کوئی دلیل پیش کرو۔میں تمہاری بات تبھی مان سکتا ہوں۔اس پر مجھے زدوکوب کیا جاتا۔بالآخر مار کی شدت سے میرے ہوش وحواس بجا نہ رہے اور تکلیف کا احساس تک ختم ہو گیا۔اس سے خلیفہ خوف زدہ ہو گیا اور اس نے میری رہائی کا فرمان جاری کر

دیا۔آپؒ فرماتے ہیں کہ اس فرمان کے جاری ہونے تک جلاد مجھے کل اسی کوڑے اپنے پورے زور وقوت کے ساتھ لگا چکے تھے۔ بہر حال اس کے بعد مجھے رہا کر دیا گیا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو اس آزمائش کے دوران میں 28 سے 30 مہینے تک قید و بند اور مشقت میں گزارنے پڑے۔ اس سارے عرصے میں آپؒ نے خلیفہ وقت کی سختیوں پر صبر کیا اور ایک غلط عقیدہ کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔

(8) حضرت منصور مغربیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو کوڑے مارنے کے لیے ننگا کیا گیا۔ کوڑے مارنے کے بعد اس کو قید خانے میں واپس بھیج دیا گیا۔ وہاں اس نے اپنے ساتھی کو بلایا اور پھر منہ سے چاندی کے ٹکڑے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ میرے منہ میں دو درہم تھے، وہاں میرا ایک محبوب مجھے دیکھ رہا تھا اس لیے کوڑے لگنے پر میں چلایا نہیں اور اس دوران اپنے درہموں کو کاٹتا رہا اور یوں یہ میرے منہ میں ہی ٹوٹ گئے۔

(9) حضرت ابوبکر شبلیؒ کو شفا خانے میں علاج کے لیے داخل کروایا گیا تو کچھ لوگ ان سے ملنے گئے۔ آپؒ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپؒ کے دوست ہیں اور آپؒ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ آپؒ ان کے ساتھ ذرا سی سختی سے پیش آئے تو وہ آپؒ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر تم میرے سچے دوست ہوتے تو میری طرف سے ملنے والی تکلیف پر صبر کرتے۔

(10) حضرت سری سقطیؒ سے صبر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؒ نے اس پر گفتگو شروع کر دی۔ اسی دوران ایک بچھو نے ٹانگ پر کاٹ دیا، آپؒ نے کوئی چیخ و پکار نہیں کی بلکہ صبر کیا۔ آپؒ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آ رہی تھی کہ میں صبر کا وعظ کر رہا ہوں لیکن خود صبر نہیں کر سکا۔

(11) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک بیمار صوفی کی عیادت کو گیا۔ گفتگو کے دوران اس نے ایک دلدوز چیخ ماری۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ وہ شخص محبت میں سچا نہیں جس نے مصیبت و دکھ میں صبر نہ کیا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا، نہیں بلکہ وہ شخص سچی محبت کرنے

والا نہیں جس نے اپنے خالق و مالک کی طرف سے آنے والی آزمائش سے لذت حاصل نہ کی۔

(12) شیخ ابونصر سراجؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک فقیر خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ طواف مکمل کرنے کے بعد اس نے اپنی جیب سے ایک رقعہ نکال کر دیکھا اور چل دیا۔ دوسرا دن آیا تو اس نے پھر ویسے ہی کیا۔ میں نے کئی دن تک اسے یوں ہی کرتے دیکھا۔ ایک دن اس نے طواف کر کے اپنی جیب سے رقعہ نکالا اور اسے دیکھا، گرا اور وفات پا گیا۔ میں نے جب اس رقعہ کو دیکھا تو اس پر یہ آیت لکھی ہوئی تھی:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ.

(سورۃ الطور، آیت:48)

(اپنے رب کا فیصلہ آنے تک صبر کرو، تم ہماری نگاہ میں ہو۔ تم جب اٹھو تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو)

(13) حضرت مالک بن دینارؒ کے دل میں موت کے وقت اس بات کی خواہش پیدا ہوئی کہ شہد اور دودھ میں گرم روٹی ڈال کر ثرید بنا کر کھاؤں۔ آپؒ نے خادم کو حکم دیا تو وہ کہیں سے یہ سب کچھ تیار کر کے آپؒ کی خدمت میں لایا۔ آپؒ کچھ دیر تک خالی نگاہوں سے ان چیزوں کی طرف دیکھتے رہے اور فرمایا: اے نفس تو نے تیس برس تک مسلسل صبر کیا ہے۔ اب اپنی عمر کے اس آخری لمحہ میں تجھ سے صبر نہیں ہو سکتا؟ یہ فرماتے ہوئے آپؒ نے پیالہ کو اپنے سے دور کر دیا اور صبر جمیل کرتے ہوئے وصال فرما گئے۔

5

مقام رضا

1 رضا کا مفہوم

(1) رضا کے معنی تسلیم کرنے اور خوشدلی کے ہیں۔ رضا سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے ارادے کو اللہ پاک کے ارادے میں ملا دے۔ اپنے دل کو اللہ پاک کے حکم کے سامنے جھکا دے۔ وہی چاہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اس بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ. (سورۃ التکویر، آیت: 29)

(وہ نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے)

(2) حضرت بایزید بسطامیؒ سے لوگوں نے پوچھا ماترید (تم کیا چاہتے ہو؟) تو آپؒ نے فرمایا: ارید ان لا ارید (میں چاہتا ہوں کہ میں کچھ نہ چاہوں) میری مراد وہ ہے جو اللہ پاک چاہتا ہے۔

(3) رضا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر زبان سے یا دل سے اعتراض نہ کرے۔ بعض اوقات انسان پر رضائے الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ غم و تکلیف کا احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ رضائے طبعی ہوتی ہے اور یہ سالک کے احوال میں سے ایک حال ہے، جس کا انسان کو پابند نہیں بنایا گیا۔ اگر غم و تکلیف کا احساس باقی رہے تو رضائے عقلی ہوتی ہے۔ یہ مقاماتِ صوفیا میں سے ایک مقام ہے۔ جس کا انسان کو پابند بنایا گیا ہے۔

(4) رضائے عقلی یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں انسان کو تکلیف تو محسوس ہو مگر اللہ پاک نے اس کے بہتر انجام کی خبر دی ہے اس لیے تکلیف کو گوارا کر لیا جائے۔ جو انسان سچے دل سے اس بات کا یقین رکھے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالیٰ کی طرف سے اجر عنایت فرمایا جاتا ہے اور ہر مصیبت و صدمہ پر ثواب عطا ہوتا ہے، جس کے مقابلہ میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو وہ ہر حال میں خوش رہتا ہے اور راضی برضا رہتا ہے۔

(5) رضا سے مراد یہ ہے کہ انسان کی نظر اللہ تعالیٰ کے اختیار پر ہو۔ بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب اس کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ اس لیے وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے۔ انسان کا نفس جب اللہ پاک سے راضی ہو جائے تو وہ خود کو اللہ پاک کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کے حکم کی

اطاعت کرتا ہے اور اس کی ربوبیت پر مطمئن اور اس کی الوہیت پر مکمل اعتماد کرتا ہے۔ اللہ پاک کی قضاوقدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

(6) رضا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان تدبیر اور محنت کرنا چھوڑ دے اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے بلکہ یہ سب کچھ تو رضا کے خلاف ہے۔ رضا تو یہ ہے کہ انسان کسی کام کی بہتری کے لیے اپنی طرف سے پوری کوشش کرے اور پھر جو بھی نتائج نکلیں ان پر راضی رہے، خواہ وہ نتائج ظاہری اعتبار سے انسان کے لیے اچھے ہوں یا برے۔

(7) دراصل رضا پر عمل کسی واقعے کے پیش آ جانے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی واقعہ پیش آ چکا، تو انسان کا کام یہ ہے کہ یہ سوچے کہ میں نے جو تدبیریں اختیار کرنی تھیں وہ کر لیں اور اب جو واقعہ ہماری تدبیر کے خلاف پیش آیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ میں اس پر راضی ہوں۔ واقعہ پیش آ چکنے کے بعد اس پر پریشانی، حسرت اور شکوہ و شکایت کا اظہار کرنا رضا کے خلاف ہے۔

(8) ہمارے پروردگار نے ہمیں دو انتہاؤں کے درمیان راہ اعتدال یہ بتا دی ہے کہ جب تک تقدیر پیش نہیں آتی، اس وقت تک انسان کا فرض ہے کہ اپنی سی پوری کوشش کرے۔ تمام احتیاطی تدابیر بھی اختیار کرے۔ اس لیے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ تقدیر میں کیا لکھا ہوا ہے؟ اس حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ایک سنہری مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شام کے دورے پر تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں اطلاع ملی کہ شام کے علاقے میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی ہے۔ یہ وبا اتنی سخت تھی کہ انسان کی بیٹھے بیٹھے چند گھنٹوں میں ہی موت ہو جاتی تھی۔ اس طاعون میں ہزارہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ ایسے حالات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ وہاں جائیں یا نہ جائیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا حوالہ دیا کہ اگر کسی علاقے میں کوئی وبائی مرض پھیلا ہوا ہو تو جو لوگ اس علاقے سے باہر ہیں وہ علاقے میں داخل

نہ ہوں اور جو لوگ اس علاقے میں ہیں وہ وہاں سے نہ بھاگیں۔ یہ حدیث سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام جانے کا فیصلہ بدل دیا۔

اس وقت ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت کیا آپ رضی اللہ عنہ اللہ پاک کے فیصلے سے بھاگ سکتے ہیں؟ اگر اللہ پاک نے آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں اس وبا سے متاثر ہونا لکھ دیا ہے تو اس سے بچ جانا ممکن نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب تک واقعہ پیش نہیں آتا، اس وقت تک ہمیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنا رضا کے خلاف نہیں ہے بلکہ رضائے الٰہی میں داخل ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے ہم اس حکم پر عمل کرتے ہوئے واپس جا رہے ہیں۔

(9) بعض لوگ انسان کے افسردہ ہونے کو رضا کے خلاف قرار دیتے ہیں، یہ درست نہیں۔ اگر کوئی تکلیف دہ واقعہ پیش آئے یا کوئی غم یا صدمہ پہنچے تو اس غم اور تکلیف پر افسردہ ہونا یا رونا رضا کے خلاف نہیں اور نہ گناہ ہے۔ کیونکہ غم اور صدمہ کا اظہار الگ چیز ہے اور اللہ پاک کے فیصلے پر راضی ہونا الگ چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کا مطلب ہے کہ اللہ پاک کا فیصلہ عین حکمت پر مبنی ہے۔ ہمیں اس کی حکمت معلوم نہیں اور حکمت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے دل کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اس لیے غم اور صدمہ ہے۔ اس غم اور صدمہ کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہیں لیکن ساتھ یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ برحق ہے۔ حکمت پر مبنی ہے۔ لہٰذا رضا سے مراد رضائے عقلی ہے، طبعی نہیں۔ یعنی عقلی طور انسان یہ سمجھے کہ یہ فیصلہ صحیح ہے۔

(10) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ابوسیف لوہار کے گھر گئے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رضاعی ماں کے شوہر تھے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حالت نزع میں تھے چنانچہ ان کی حالت دیکھ کر حضور نبی

کریم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ رو رہے ہیں! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" يَا ابْنَ عَوْفٍ إِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ أَتْبَعَهَا بِأُخْرَى، فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى بِهِ رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1246)

(اے ابن عوف (رضی اللہ عنہ) آنسو کا بہنا رحمت ہے۔ اس کے بعد پھر آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور دل غمگین ہے مگر اس کے باوجود ہماری زبانوں پر وہی الفاظ ہیں، جن سے ہمارا پروردگار راضی رہے۔ اے ابراہیم! (رضی اللہ عنہ) بے شک ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں)

(11) دعا مانگنا رضا کے خلاف نہیں ہے۔ دعا بذات خود ایک عبادت ہے۔ اس لیے سالک محض اظہار بندگی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ جو مانگا ہے وہی مل جائے۔ دعا کے قبول نہ ہونے پر دل میں تنگی تک محسوس نہیں کرتے اور دعا کے قبول ہوجانے پر اتراتے نہیں بلکہ ہر حال میں خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ پس دعا مانگنے والا بندہ مقامِ رضا سے خارج نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والوں کی تعریف فرماتے ہیں:

وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا. (سورۃ الانبیاء، آیت:90)

(اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے)

(12) رضا کے لیے لازمی ہے کہ معاملہ کی ناکامی اپنی کسی کوتاہی کی بنا پر نہ ہو۔ اگر ایسا ہے تو معاملے کو خوامخواہ اللہ تعالیٰ کے کھاتے میں ڈالنا مناسب نہیں۔ مثال کے طور پر ایک بچے کی طبیعت خراب ہے۔ اس کا باپ اسے ہسپتال لے جاتا ہے اور علاج کرانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کا بچہ مر جاتا ہے۔ اب اسے خدا کے فیصلے کو تسلیم کر لینا اور اس پر راضی ہوجانا رضا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اولاد کی موت پر اسے دکھ ہی نہ ہو، ایسا ہونا غیر معقول بات ہے۔ رضا کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر اللہ پاک سے شکایت سے گریز

کرے اور چیخ و پکار سے بچے اور اولاد کی موت کو اللہ پاک کی رضا سمجھے۔

2 رضا قرآن مجید کی روشنی میں

رضا شرف والا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اپنی پاک کتاب میں فرمایا ہے:

(1) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ.

(سورۃ البقرہ، آیت: 207)

(اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے)

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کے ایمان کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے مال و جائیداد حتیٰ کہ اپنی جان تک کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ اللہ پاک کی راہ میں اور اس کی رضا کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینا، خسارے کا نہیں، سراسر نفع کا سودا ہے۔ اس سے اللہ پاک کی رضا و محبت ملتی ہے۔

اس آیت پاک کا سیاق و سباق یہ ہے کہ جب حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادے سے نکلے تو کفار قریش نے ان کا راستہ روک لیا اور کہا کہ تم مدینہ منورہ نہیں جا سکتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ دیکھو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے بڑا تیر انداز ہوں۔ جب تک ایک بھی تیر میرے ترکش میں باقی رہا، تم لوگ میرے قریب نہیں آ سکو گے۔ جب تیر ختم ہو جائیں گے تو میں تمہارے ساتھ اپنی تلوار سے لڑونگا، جب تک میرے اندر تلوار اٹھانے کی سکت رہی۔ جب مجھ میں تلوار اٹھانے کی سکت نہ رہی تو تم جو چاہو میرے ساتھ سلوک کر لینا، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اگر تم لوگ مال چاہتے ہو، تو آؤ میں تم کو اپنے مال کا پتہ دے دیتا ہوں، جا کر لے لو، اور میرا راستہ خالی کر دو تا کہ میں اپنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کر سکوں۔ ان لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی یہ بات مان لی۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر اپنا سب مال و دولت ان کے

حوالے کر کے خالی ہاتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر اپنا سب ماجرا حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو یحییٰ (حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت) تمہارا یہ سودا کامیاب ہو گیا۔ ابو یحییٰ تمہارا یہ سودا کامیاب ہو گیا۔

اسد اللہ خان غالب نے کیا خوب کہا ہے:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(2) اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ.

(سورۃ آلِ عمران، آیت:162)

(کیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشی تلاش کرتا ہے اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی لے کر لوٹتا ہے اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے؟)

اس آیت مبارکہ میں دو قسم کے کرداروں کا موازنہ کیا جا رہا ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب اور دوسرا مغضوب، کیا دونوں کرداروں کے حامل انسان برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

جو انسان مکمل اطاعت کرتا ہے اور اس کے ہر کام کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا کارفرما ہوتی ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین درجات، اعلیٰ مقامات اور ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشی ہے۔ جو کفر اور نافرمانی میں آگے ہی بڑھتا چلا جائے اور آخری دم تک اللہ تعالیٰ کی بغاوت میں ہی سرگرم عمل رہے، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ اہل رضا اور اہل غضب اپنے انجام کے حوالے سے کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ بیشک اللہ پاک ہر انسان کے اعمال سے باخبر ہیں کہ کون اس کی رضا کے لیے کام کرتا ہے اور کون محض دکھلاوے کے لیے نیک بنا پھرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

(i) اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والا اور اس کی ناراضی مول لینے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

(ii) اللہ پاک کی رضا چاہنے والے اور ریاکار کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔

(iii) مومن اور نافرمان برابر نہیں ہیں۔

(iv) جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہو سکتے۔

(v) اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے لیے بڑے درجات ہیں۔

(vi) اللہ پاک کی رضا چاہنے والوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔

(vii) ریا کاری سے اللہ پاک ناراض ہوتا ہے۔

(viii) اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا جہنم میں جائے گا۔

(ix) دکھاوا کرنے والے کو اللہ پاک پسند نہیں فرماتا۔

(x) دکھاوا کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(3) يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (سورۃ المائدہ، آیت: 16)

(اللہ تعالیٰ سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اسے جو اس کی رضا کا تابع ہو ان کو سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور انہیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور انہیں سیدھی راہ پر چلاتا ہے)

اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی خوشی کا طلب گار رہے اور اس کی جستجو کرتا ہے اللہ پاک اسے تاریکیوں سے نکال کر روشن فضا اور سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کا متلاشی ہوتا ہے اور ہدایت کے راستے پر چلتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ یقیناً ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے حسب ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

(i) اللہ پاک اہل رضا کو سلامتی کی راہ دکھلاتا ہے۔

(ii) جو انسان اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے، اللہ پاک اسے ہدایت کے راستے کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

(iii) جو انسان بھی ہدایت کا طالب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی ہدایت کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

(iv) اللہ پاک کی رضا ہی اصل میں ہدایت کا سرچشمہ اور بنیاد ہے۔

(v) اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والے کبھی بھی گمراہ نہیں ہوتے۔

(4) وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ. (سورۃ النساء، آیت:125)

(اس شخص سے بہتر کون ہوسکتا ہے جس نے اپنا سر اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے جھکا دیا جبکہ وہ نیکی کا خوگر بھی ہو)

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ نجات کے لیے صحیح نیت اور اچھا عمل دونوں ضروری ہیں۔ نیکی کے قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ نیت خالص اللہ پاک کی رضا کے لیے ہو۔ اس کے بغیر کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کے بغیر کسی عمل کی قدر و قیمت ہوسکتی ہے۔

اس آیت مبارکہ سے حسب ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

(i) اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر جھکا دینا چاہیے۔

(ii) خود کو مکمل طور پر خدا پاک کے سپرد کر دینا چاہیے۔

(iii) اپنی مرضی ختم کر کے اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چلنا چاہیے۔

(iv) ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفسانی خواہشات چھوڑ دے۔

(v) خود کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے والا بہترین مسلمان ہے۔

(vi) ہر حال میں ملت ابراہیم کی پیروی کرنی چاہیے۔

(vii) اللہ پاک کے سامنے جھکنے والے کا دین سب سے بہتر ہے۔

(viii) اللہ پاک کے سامنے جھک جانے والا محسن (احسان کرنے والا) ہے۔

(ix) جو سالک ہر عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کرے، وہی محسن ہے۔

(x) اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر جھکانا سب سے اچھا رویہ ہے۔

(5) بَلٰی ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ۖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:112)

(ہاں جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سر جھکا دیا وہ محسن (احسان تک پہنچنے والا) ہے۔ اس کے لیے اپنے رب کی طرف سے اجر ہے اور اس کے لیے نہ کچھ خوف ہے اور نہ کوئی غم)

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسان کا پسندیدہ اور مقبول طرزِ عمل یہ ہے کہ ہر دم اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سر جھکایا جائے۔ نعمت پر شکر اور مصیبت میں صبر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمان صرف اس شخص کا مقبول ہوتا ہے جو خلوصِ نیت سے اس کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اس کی خوشنودی اور رضا کی خاطر اپنی مرضی اور اختیار چھوڑ دیتا ہے۔ اس ضمن میں جو تکلیفیں اور مصیبتیں اس پر آتی ہیں انہیں خوش دلی سے قبول کرتا ہے۔ اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر قربان کر کے تسلیم و رضا کی راہ اختیار کرتا ہے۔

(6) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (سورۃ النساء، آیت: 65)

(قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے تمام اختلاف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاکم نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ کسی بھی انسان کا ایمان اس وقت تک قبول نہیں ہو سکتا جب تک وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندگی کے تمام معاملات میں حاکم تسلیم کرتے ہوئے، دل سے راضی نہ ہو جائے۔ جونہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ سامنے آئے تو اسے دل کی رغبت اور طبیعت کی چاہت کے ساتھ مکمل طور پر تسلیم کرنا ہوگا۔ اس کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کا تردد اور دیر نہیں ہونی چاہیے۔

(7) وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (سورۃ التوبہ، آیت: 72)

(اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے)

اس آیت پاک میں انسان کی حقیقی کامیابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان نکات کو بیان کیا گیا ہے:

(i) اللہ پاک کی رضا کا حاصل ہوجانا سب سے بڑی نعمت ہے۔

(ii) انسان کی اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہوسکتی ہے کہ اس کو اللہ پاک کی رضامندی نصیب ہوجائے۔

(iii) اللہ تعالیٰ کی رضا کا حاصل ہوجانا انسان کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔اس کامیابی میں دین و دنیا کی تمام نعمتیں شامل ہیں۔

(iv) انسان کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچا لیا جائے۔ جنت میں داخل کر دیا جائے اور انشاء اللہ یہ کامیابی ضرور ملے گی۔

(8) قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.

(سورۃ المائدہ، آیت:119)

(اللہ پاک فرمائے گا یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ پاک سے راضی ہو گئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے)

اس آیت مبارکہ میں درج ذیل نکات کو بیان کیا گیا ہے:

(i) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے اور صالح اعمال والے ہی سچے لوگ ہیں۔

(ii) اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے کا ایک ذریعہ سچی زندگی گزارنا ہے۔

(iii) ایمان دار، اعمال صالح کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور وہ اس سے راضی ہوں گے۔

(iv) اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے۔اس سے بڑی کوئی دوسری نعمت نہیں ہوسکتی۔

(v) رضائے الٰہی بہت بڑی کامیابی ہے۔اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں۔

(vi) جب انسان اللہ تعالیٰ سے راضی ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی انسان سے راضی ہوجاتا ہے۔

(vii) اللہ پاک رضا کے بدلے آخرت میں جنت عطا فرمائے گا اور وہ ابدی جنت ہوگی۔

(viii) راضی برضا رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس قدر انعامات سے نوازے گا کہ وہ اس سے خوش ہوجائیں گے۔

(9) رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ. (سورۃ المجادلہ، آیت:22)

(اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے۔ جان لو کہ اللہ پاک کی جماعت ہی کامیاب ہونے والی ہے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ حقیقی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کسی خوف اور لالچ کی پروا کیے بغیر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہو جائیں۔ وہ ہر حال میں دین اسلام پر قائم رہیں۔ ایمان کے رشتے کو دنیا کے تمام تعلقات اور رشتوں پر ترجیح دیں۔ جو لوگ اللہ پاک اور اس کے رسول پر سچا ایمان لاتے ہیں ان میں یہ وصف پایا جاتا ہے کہ وہ ایمان اور مسلمانوں کے مقابلے میں کسی ظاہری رشتہ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اس کا سب سے اچھا نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ ان کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت پاک میں ان کا ذکر خیر فرمایا ہے۔ اس آیت پاک سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا پر راضی رہنے والے تھے۔

(ii) اللہ پاک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے خوش ہے۔

(iii) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی رضا پر راضی رہنے کی وجہ سے اپنی جماعت قرار دیا ہے۔

(iv) اللہ پاک کی رضا ہی دنیا و آخرت کی حقیقی کامیابی کی بنیاد ہے۔

(v) اسلام کی مخالفت کرنے والے دنیاوی رشتوں اور ظاہری فوائد کو اللہ پاک کی رضا کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

(vi) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خداوند کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں باقی تمام ظاہری مفادات کو چھوڑ دیا تھا۔

(vii) اہل رضا ہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہیں۔

(viii) اللہ تعالیٰ نے اہل رضا سے ہمیشہ کی جنت اور اپنی رضا مندی کا وعدہ فرمایا ہے۔

(10) وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (سورۃ التوبہ، آیت:100)

(وہ لوگ جنہوں نے نیک کاموں میں ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ پر راضی ہو گئے۔ اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے)

اللہ پاک نے اس آیت مبارکہ میں نیک کام کرنے کے بعد نیکی میں سبقت اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور ایسا کرنے والوں کے لیے اجر کے طور پر اپنی رضا مندی اور ابدی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

انسان کو جب پورا ایمان حاصل ہو جاتا ہے تو وہ بے انتہا تکلیف، حد درجے کے رنج وغم اور بے پناہ تنگی میں بھی اپنے رب پر راضی رہتا ہے۔ ایسے حضرات کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ رہنے والے باغات اور نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت پاک سے مندرجہ ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ سے اور اللہ پاک ان سے راضی ہوا۔

(ii) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا میں جنت کی خوشخبری سنا دی۔

(iii) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والوں سے اللہ پاک راضی ہوتا ہے۔

(iv) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

(v) جنت نصیب ہونا مومن کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

(vi) اللہ پاک نے اہل رضا کو اپنی رحمت، رضا مندی اور جنت کی خوشخبری دی ہے۔

(vii) اللہ تعالیٰ اہل رضا کو ایسا بدلہ عطا فرمائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔

(11) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۞ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ

رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ. (سورۃ البینۃ، آیت:7-8)

(جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، یقیناً وہ بہترین مخلوق ہیں۔ ان کے رب کے ہاں ان کی جزا ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ یہ جزا اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈر جائے)

دین اسلام کسی مخصوص قوم اور علاقے کے لوگوں کو دعوت نہیں دیتا۔ اس کی دعوت رنگ و نسل، جغرافیائی حدود اور زمانے کی قید سے بالاتر ہے۔ اس لیے قرآن مجید کھلے الفاظ میں دعوت دیتا ہے کہ جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائیں اور نیک اعمال اختیار کریں، وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ انہیں نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ جزا ہے کہ ہمیشہ رہنے والی جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل کیے جائیں گے۔ ایسی جنتیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہوگیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے راضی ہو گئے۔ یہ صلہ ہر وہ شخص پائے گا جو اپنے رب پر خالص ایمان لایا اور حضور نبی پاک ﷺ کے طریقے کے مطابق صالح اعمال کرنے کے ساتھ اپنے رب سے ڈرتا رہا۔

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ

(i) جو لوگ سچے دل کے ساتھ ایمان لائیں اور صالح اعمال کرتے رہیں، وہ اللہ پاک کی تمام مخلوقات میں بہتر ہیں۔

(ii) بہترین لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

(iii) بہترین لوگ ہمیشہ کی جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

(iv) اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے راضی ہو گئے۔

(v) رضا کا درجہ ہر وہ انسان حاصل کرسکتا ہے جو اپنی زندگی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کی طرح بنالے۔
(vi) خدا کی رضا اور جنت کا حصول ہر انسان کے لیے ممکن ہے۔
(vii) اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی نعمتیں حاصل کرنے کے لیے اس کا خوف لازم ہے۔
(12) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. (سورۃ الفتح، آیت:18)
(اللہ پاک ایمان والوں سے راضی ہو گیا)

اس آیت مبارکہ میں خداوند پاک نے اہل ایمان کی اس جماعت کا ذکر فرمایا ہے جو بیعت رضوان [1] میں خلوص دل سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شامل ہوئی تھی۔ اللہ پاک نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا ہے۔

اس آیت پاک سے حسب ذیل نکات سامنے آتے ہیں:
(i) اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کرنے والوں کے دلوں کے خلوص کی گواہی دی ہے۔
(ii) اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی رضامندی کی سند دی ہے۔
(iii) اللہ پاک ہر حال میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو اپنی رضا سے نوازتا ہے۔
(iv) رضا یہ ہے کہ تنگی و کشادگی میں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مانا جائے۔

---

[1] بیعت رضوان صلح حدیبیہ کے وقت ہوئی تھی۔ مکہ معظّمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک کنواں حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان مارچ 628ء کو ایک معاہدہ ہوا جسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ 628ء (6 ہجری) میں 1400 مسلمانوں کے ہمراہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ عرب کے رواج کے مطابق غیر مسلح افراد چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوں کعبہ کی زیارت کر سکتے تھے جس میں زیارت کی دیگر رسومات بھی شامل تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان تقریباً غیر مسلح تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا۔ ان کے واپس آنے میں تاخیر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اس بیعت میں مسلمانوں نے عہد کیا کہ وہ مرتے دم تک حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس آگئے۔ اس بیعت کی خبر مکہ والوں کو ہوئی اور انھوں نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے تیار پایا تو صلح پر آمادہ ہوگئے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کی شرائط قبول فرمالیں۔

(v) جولوگ ایمان لانے کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں، وہی اہل رضا ہیں۔

(vi) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہی حقیقی کامیابی ہے۔

(13) قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. (سورۃ التوبہ، آیت:51)

(فرمادیں ہمیں اس کے سوا ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے۔ وہی ہمارا مالک ہے اور اللہ پاک ہی پر ایمان والوں کو بھروسا کرنا چاہیے)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم پر جو بھی آزمائش آتی ہے وہ اللہ پاک کی مرضی اور اجازت سے آتی ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کائنات میں ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ وہ ہمارا کارساز اور پروردگار ہے۔ اگر اس کا ارادہ ہو کہ ہمیں کوئی تکلیف آئے تو ہمیں قبول ہے۔ ہمیں اس کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔ اس کی طرف سے آنے والی تکلیف میں ہمارے لیے خیر ہی خیر ہوتی ہے۔

(14) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ. (سورۃ التوبہ، آیت:59)

(اور کاش کہ واقعی وہ اس پر راضی ہو جاتے جو انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دیا اور کہتے کہ اللہ پاک کافی ہے جلد ہی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں اپنے فضل سے دے گا۔ بے شک ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں)

اس آیت پاک سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو ہر حال میں اللہ پاک کی دی گئی چیزوں پر راضی رہنا چاہیے۔ اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کشادگی فرمائے یا اس کی طرف سے آزمائش آ پہنچے دونوں صورتوں میں ہمیں اس کے فیصلوں کو خوشی سے تسلیم کرنا چاہیے۔ یہی ایمان والوں کی نشانی ہے۔

(15) وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ. (سورۃ التکویر، آیت:29)

(وہ نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے)

اس آیت پاک میں اہل رضا کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی چاہت کو اللہ پاک کی چاہت میں فنا کر دیتے ہیں۔ان کی اپنی کوئی چاہت یا رضا نہیں ہوتی۔وہ صرف وہ چاہتے ہیں جو اللہ پاک چاہتا ہے۔ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں۔وہی ذات ہے جو حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔اس لیے اس کی مرضی اس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے۔

(16) يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝ ارْجِعِىْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ۝ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ. (سورۃ الفجر، آیت: 27-30)

(اے اطمینان پانے والی روح، اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔اس حال میں کہ تو راضی اور خوش ہونے والی ہے۔پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ جو انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر مطمئن رہے، اپنے رب کی تقدیر اور اس کی بخشش پر خوش رہے، ایسے انسان کو اپنے خالق و مالک کی رضا و خوشنودی نصیب ہوتی ہے۔جو انسان کا سب سے بڑا شرف اور اعزاز (انعام) ہے۔

جو انسان ہر حال میں راضی رہتے ہیں۔ہر حالت کو آزمائش سمجھ کر مطمئن رہتے ہیں۔تنگی اور فراخی ہر حال میں حق پر عمل کرتے ہیں۔نعمت ملنے پر اللہ پاک کا دل و جان سے شکر ادا کرتے ہیں۔دنیا ملنے پر فساد و بغاوت میں مبتلا ہونے کی بجائے اس کو اللہ پاک کی رضا کا ذریعہ بناتے ہیں۔مشکلات پیش آ جانے پر صبر سے کام لیتے ہیں۔ایسے انسانوں کو اللہ تعالیٰ خصوصی انعامات دے گا۔وہ انعام اللہ پاک کی ہمیشہ رہنے والی رضا کا ہوگا۔قیامت کے دن اہل رضا کو اس بات کی خوشخبری دی جائے گی کہ اللہ پاک نے دنیا میں تم کو جو آزمائش دی تھی، اس میں کامیاب ہو کر آئے ہو۔تم ہر طرح کے حالات میں اپنے رب سے راضی رہے۔جس کے نتیجے میں اس کے پسندیدہ بندے ٹھہرے۔اب ہمیشہ جنت کی ان عظیم الشان نعمتوں میں رہو۔اس حال میں کہ تم دنیا میں اللہ پاک سے راضی رہے۔اب اللہ پاک تم سے راضی اور خوش ہے۔

تمہیں اس قدر انعامات دیے جائیں گے جو تمہارے وہم وگمان سے بھی بڑھ کر ہوں گے۔

(17) فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا. (سورۃ آلِ عمران، آیت:20)

(پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ میں اور میرے ماننے والوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا ہے۔ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے سوال کیجیے کہ کیا تم بھی سر اپنا سر جھکاتے ہو؟ اگر یہ بات مان لیں تو یقیناً ہدایت پا جائیں گے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان کا دوسروں کے ساتھ رویہ ایسا ہونا چاہیے کہ جب بھی کوئی لڑائی جھگڑے والی بات ہو جائے تو فوراً کہہ دیں کہ ہم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو مانتے ہیں۔ اللہ پاک کی رضا پر راضی ہیں۔ ہم نے اپنی خواہشات کو اللہ پاک کی رضا کے تابع کر دیا ہے۔

اس کائنات میں جو انسان بھی اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائے وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ انسان کا اللہ پاک کے فیصلوں کو مانتے ہوئے اپنے سر کو جھکا دینا ہی انسان کی اصل کامیابی ہے اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

(18) وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ. (سورۃ الغافر، آیت:44)

(اور میں تو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک وہ بندوں کے معاملات کو دیکھنے والا ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ سے متاثر ہو کر فرعون کے درباریوں میں سے ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ فرعون کی طرف سے دی جانے والی تکلیفوں پر اس نے کہا کہ میں اپنے تمام معاملات اللہ پاک کے ہی سپرد کرتا ہوں۔ وہ جو چاہے کرے، وہ میری حالت سے ہر وقت باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ اچھے واقعات سے سبق حاصل کرتا ہے۔ انبیا علیہم السلام صلحا اور اپنے دوسرے بڑوں کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنا لیتا ہے۔ ان کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بات بیان فرمائی گئی ہے کہ مومنین کی صفت یہ ہونی چاہیے کہ

جب انہیں دنیا میں کوئی مصیبت، تکلیف یا پریشانی پیش آئے یا دوسروں کے ظلم کا شکار ہوں تو صبر سے کام لیں۔ اپنے معاملات کو اللہ پاک کے سپرد کردیں۔ انسان کو خیال کرنا چاہیے کہ اللہ پاک ہماری ہر حالت کی خبر رکھتا ہے۔ اس کی رضا بھی اسی میں ہے کہ وہ ہمیں آزمائے اور آزمائش میں پورا اترنے پر انعامات دے۔

3 رضا احادیث کی روشنی میں

اللہ پاک کی رضا ایک بلند مقام ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی بے شمار احادیث میں اس کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ جن میں کچھ یہ ہیں:

(1) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: فَقَدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ: "اللّٰهُمَّ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ".

(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:1085)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو بستر پر نہ پایا تو تلاش کیا۔ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے تلووں کو لگا۔ آپ ﷺ مسجد میں تھے اور سجدے کی حالت میں یہ دعا مانگ رہے تھے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ.

(اے میرے پروردگار! میں تیری رضامندی کی پناہ چاہتا ہوں، تیری ناراضگی سے۔ تیرے درگزر کی پناہ چاہتا ہوں، تیری سزا سے۔ میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں، تجھ سے۔ میں تیری تعریف پوری نہیں کرسکتا تو ایسے ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف فرمائی)

(2) عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي آخِرِ وِتْرِهِ: "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ،

وَأَعُوذُبِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ".

(سنن نسائی، ج:1، رقم الحدیث:1752)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ.

(اے میرے پروردگار! میں تیرے غصہ سے تیری رضا کی، تیرے عذاب سے تیری عافیت کی اور تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں تیری حمد بیان نہیں کرسکتا تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف بیان کی)

(3) عَنْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ سُمِعَ عِنْدَ وَجْهِهِ كَدَوِيِّ النَّحْلِ، فَأُنْزِلَ عَلَيْهِ يَوْمًا فَمَكَثْنَا سَاعَةً، فَسُرِّيَ عَنْهُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَقَالَ: " اللَّهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا، وَأَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا، وَأَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا، وَآثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا، وَارْضِنَا وَارْضَ عَنَّا". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1119)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ کے قریب شہد کی مکھی کے اڑنے کی طرح آواز (بھنبھناہٹ) سنائی پڑتی تھی۔ (ایک دن کا واقعہ ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی ہم کچھ دیر (خاموش) ٹھہرے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وحی نازل ہونے کی کیفیت دور ہوئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا منہ قبلہ کی طرف کیا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں یوں عرض رساں ہوئے:

اللَّهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا، وَأَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا، وَأَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا، وَآثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا، وَارْضِنَا وَارْضَ عَنَّا.

(اے میرے پروردگار! ہماری نعمتوں میں زیادتی فرما اور ان نعمتوں میں کمی نہ کر۔ ہمیں عزت

دے، ذلیل نہ کر۔ ہمیں عطا کر، محروم نہ رکھ۔ ہمیں غالب کر، مغلوب نہ کر۔ ہمیں اپنی تقدیر پر راضی رکھ اور خود بھی ہم سے راضی ہو جا)

(4) ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ ہر حال میں اللہ پاک کی رضا پر راضی رہتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ "مَا عَابَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ إِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:388)

(حضور نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر آپ ﷺ کو کھانا پسند ہوتا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے)

(5) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: "خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ بِالْمَدِينَةِ، وَأَنَا غُلَامٌ لَيْسَ كُلُّ أَمْرِي كَمَا يَشْتَهِي صَاحِبِي أَنْ أَكُونَ عَلَيْهِ، مَا قَالَ لِي فِيهَا: أُفٍّ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِي: لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا، أَوْ: أَلَّا فَعَلْتَ هٰذَا".

(سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1371)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی دس سال خدمت کی۔ جب میں بچہ تھا اور میری عمر کم تھی تو مجھ سے ہر کام آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتا تھا لیکن آپ ﷺ نے کبھی مجھے نہ اف کہا اور نہ ہی کبھی یہ فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا یا ایسا کیوں نہیں کیا)

(6) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:289)

(حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بڑی آزمائش کی جزا بھی بڑی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جن لوگوں سے محبت ہو وہ انہیں آزماتا ہے۔ جو شخص اس آزمائش پر راضی ہو، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ جو شخص اس آزمائش پر ناخوش ہو، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناخوش ہو جاتا ہے)

(7) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَبْتَلِي عَبْدَهُ بِمَا

أَعْطَاهُ فَمَنْ رَضِيَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ بَارَكَ اللَّهُ لَهُ فِيهِ وَوَسَّعَهُ، وَمَنْ لَمْ يَرْضَ لَمْ يُبَارِكْ لَهُ". (مسند احمد، ج:9، رقم الحدیث:472)

(حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو جو کچھ دے رکھا ہوتا ہے وہ اس میں اس کا امتحان لیتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیتا ہے اور زیادہ کر دیتا ہے۔ جو راضی نہ ہو اس کو برکت نہیں ملتی)

(8) عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللَّهِ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:25)

(حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدم کی اولاد کی سعادت (خوش قسمتی) اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہے۔ اس کی بدبختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب نہ کرے اور اس کی قضا پر ناراضگی کا اظہار کرے)

(9) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟" فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ: أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَأَخَذَ بِيَدِي فَعَدَّ خَمْسًا، وَقَالَ: "اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ، وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:191)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو مجھ سے کلمات سیکھ کر ان پر عمل کرے یا اسے سکھائے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں سیکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ باتیں شمار کیں:

(i) حرام کاموں سے پرہیز کرو، سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔

(ii) اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہو، سب سے بڑے غنی بن جاؤ گے۔

(iii) اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرو، اس سے تم مومن ہو جاؤ گے۔

(iv) لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، اس سے تم مسلمان ہو جاؤ گے۔

(v) زیادہ مت ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

(10) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: "يَا غُلَامُ أَوْ يَا غُلَيِّمُ أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهِنَّ؟ فَقُلْتُ بَلٰى، فَقَالَ: "احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ تَعَرَّفْ إِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ فَلَوْ أَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَرَادُوا أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ وَإِنْ أَرَادُوا أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلَى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيرًا وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا".

(مسند احمد، ج:2، رقم الحدیث:926)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھا دوں جن کے ذریعے اللہ پاک تمہیں فائدہ دے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں (ضرور)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ (کے احکام) کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ پاک (کے احکامات) کی حفاظت کرو، تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ تم اسے خوشحالی میں یاد رکھو، وہ تمہیں تکلیف کے وقت یاد رکھے گا۔ جب بھی مانگو، اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔ جب بھی مدد چاہو، اللہ تعالیٰ ہی سے چاہو۔ جان لو کہ ساری دنیا مل کر بھی تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ پاک نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ اگر وہ سارے مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک

ہو چکے۔ یاد رکھو! مصائب پر صبر کرنے میں بڑی خیر ہے کیونکہ مدد صبر کے ساتھ ہے۔ کشادگی تنگی کے ساتھ ہے اور آسانی سختی کے ساتھ ہے)

(11) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تُكْثِرْ هَمَّكَ، مَا يُقَدَّرْ يَكُنْ، وَمَا تُرْزَقْ يَأْتِكَ". (شعب الایمان، رقم الحدیث:1144)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تجھے کسی معاملے میں فکر مند نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جو کچھ تقدیر میں ہے وہ آ کر رہے گا۔ جو رزق تیرے لیے لکھ دیا گیا ہے وہ تجھے مل کر رہے گا)

(12) أوحى الله تعالى داؤد عليه السلام: "يا داؤد ليس لك عملا أحب إليّ ولا ما يسقط من وزر من الرضاء على قدري". (منہاج القاصدین، ص:515)

(اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد (علیہ السلام)! مجھے سب سے زیادہ خوش کرنے والا اور تیرے بوجھ کو اتارنے والا کوئی عمل ایسا نہیں جیسا کہ میری تقدیر پر خوش ہونا ہے)

(13) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، يَقُولُ: إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ، "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ"۔ "اللَّهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ هَذَا الْأَمْرَ (يُسَمِّيهِ بِاسْمِهِ) خَيْرًا لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي قَالَ أَبُو سَعِيدٍ وَمَعِيشَتِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاقْدِرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ"۔ "اللَّهُمَّ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُهُ شَرًّا لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ". (مسند احمد، ج:6، رقم الحدیث:584)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں استخارہ کرنے کا

طریقہ اسی طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن مجید کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام پیش آجائے تو اسے چاہیے کہ فرائض کے علاوہ دو رکعتیں پڑھے، پھر یہ دعا کرے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ.

اللَّهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ هَذَا الْأَمْرَ (يُسَمِّيهِ بِاسْمِهِ) خَيْرًا لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاقْدِرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ.

اللَّهُمَّ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُهُ شَرًّا لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ.

(اے میرے پروردگار! میں تجھ سے تیرے علم کی برکت سے خیر طلب کرتا ہوں۔ تیری قدرت سے قدرت طلب کرتا ہوں۔ تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے، میں قادر نہیں ہوں۔ تو جانتا ہے، میں کچھ نہیں جانتا اور تو غیب کے معاملات کو جاننے والا ہے)

(اے میرے پروردگار! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے دین، معیشت اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر فرما دے۔ اسے میرے لیے آسان کر دے۔ اسے میرے لیے بابرکت کردے)

(اے میرے پروردگار! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے دین، معیشت اور انجام کے اعتبار سے برا ہے تو اسے مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے۔ میرے لیے خیر لکھ دے، خواہ کہیں بھی ہو اور پھر مجھے اس پر راضی کر دے)

(14) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "انْظُرُوا إِلَى مَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2929)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس آدمی کی

طرف دیکھو کہ جو تم سے درجہ میں کم ہے۔ اس آدمی کی طرف نہ دیکھو کہ جو درجہ میں تم سے بلند ہو، تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو حقیر نہ سمجھنے لگ جاؤ)

(15) عَنْ خَبَّابٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: "هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَلْتَمِسُ وَجْهَ اللَّهِ فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللَّهِ، فَمِنَّا مَنْ مَاتَ لَمْ يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ فَلَمْ نَجِدْ مَا نُكَفِّنُهُ إِلَّا بُرْدَةً إِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَأْسَهُ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ وَإِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَأْسُهُ، فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ، وَأَنْ نَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1222)

(حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ ہمارا اس سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا تھا۔ ہمارا اجر اللہ پاک کے ذمہ رہا۔ ہم میں سے بعض لوگ ایسی حالت میں فوت ہوئے کہ (دنیاوی) اجر کا کوئی حصہ نہ پا سکے۔ انہی میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے۔ ہم میں کتنے لوگ وہ ہیں جن کے لیے اس کا پھل پک گیا اور وہ اسے کھاتے ہیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جنگ احد کے دن شہید ہوئے۔ ہمیں ان کے کفن کے لیے صرف ایک ایسی چادر ملی کہ ان کے سر کو ڈھانپا جاتا تو دونوں پاؤں کھل جاتے اور جب دونوں پاؤں چھپاتے تو ان کا سر کھل جاتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ان کے سر کو چھپائیں اور وہ دونوں پاؤں پر اذخر (گھاس) ڈال دیں)

(16) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَرْفَعُهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَاتٍ، وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللَّهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ".
(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1425)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بعض اوقات بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی بات کرتا ہے اور اس کی پروا نہیں

کرتا، لیکن اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کرتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات بندہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی بات بولتا ہے اور اس کی پروانہیں کرتا، لیکن اس کے سبب سے وہ جہنم میں گر جاتا ہے)

(17) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ، أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ، كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ".
قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ، قَالَ: "لَيْسَ ذَاكِ وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهِ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَأَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ، وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوبَتِهِ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1454)

(حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی دوسری بیوی رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ہم موت کو برا سمجھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بات یہ نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب مومن کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور بزرگی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ چنانچہ جو چیز اس کے آگے ہوتی ہے اس سے بہتر کوئی چیز اسے معلوم نہیں ہوتی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کو اور اللہ تعالیٰ اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے۔ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سزا کی خبر سنائی جاتی ہے۔ اس کے سامنے جو چیز ہوتی ہے اس سے زیادہ ناگوار کوئی چیز نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کو اور اللہ تعالیٰ اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے)

(18) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: "يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ". فَيَقُولُونَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ، فَيَقُولُ: "هَلْ رَضِيتُمْ". فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰى، وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: "أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ". قَالُوا: يَا رَبِّ، وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ، فَيَقُولُ: "أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1496)

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے جنت والو! وہ لوگ عرض کریں گے: اے پروردگار لبیک وسعدیک! (ہم حاضر ہیں تمہاری مہربانی کے لیے) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم لوگ خوش ہو؟ وہ لوگ کہیں گے ہم کیوں نہ راضی ہوں کہ جب تو نے وہ چیز عطا کی ہے جو اپنے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہیں اس سے بہتر چیز عطا کروں گا؟ وہ لوگ پوچھیں گے: اے ہمارے رب! اس سے بہتر کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا نازل کروں گا۔ اس کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہ ہوں گا)

(19) عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا". (صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:154)

(حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہوا، اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا)

(20) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ لِلّٰهِ فَإِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيئَةً". (صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:1088)

(حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تجھ پر (اللہ

تعالیٰ کی رضا کے لیے) سجدوں کی کثرت لازم ہے۔ جب تو سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سجدہ کے سبب سے تیرا ایک درجہ بڑھا دیتا ہے اور اس کے ذریعہ تیری ایک خطا مٹا دیتا ہے)

(21) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا حُضِرَ الْمُؤْمِنُ أَتَتْهُ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ بِحَرِيرَةٍ بَيْضَاءَ، فَيَقُولُونَ: اخْرُجِي رَاضِيَةً مَرْضِيًّا عَنْكِ إِلَى رَوْحِ اللَّهِ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ، فَتَخْرُجُ كَأَطْيَبِ رِيحِ الْمِسْكِ حَتَّى أَنَّهُ لَيُنَاوِلُهُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتَّى يَأْتُونَ بِهِ بَابَ السَّمَاءِ، فَيَقُولُونَ: مَا أَطْيَبَ هَذِهِ الرِّيحَ الَّتِي جَاءَتْكُمْ مِنَ الْأَرْضِ، فَيَأْتُونَ بِهِ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِينَ فَلَهُمْ أَشَدُّ فَرَحًا بِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ بِغَائِبِهِ يَقْدَمُ عَلَيْهِ، فَيَسْأَلُونَهُ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ؟ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ؟ فَيَقُولُونَ: دَعُوهُ فَإِنَّهُ كَانَ فِي غَمِّ الدُّنْيَا، فَإِذَا قَالَ: أَمَا أَتَاكُمْ؟ قَالُوا: ذُهِبَ بِهِ إِلَى أُمِّهِ الْهَاوِيَةِ، وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا احْتُضِرَ أَتَتْهُ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ بِمِسْحٍ فَيَقُولُونَ: اخْرُجِي سَاخِطَةً مَسْخُوطًا عَلَيْكِ إِلَى عَذَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَتَخْرُجُ كَأَنْتَنِ رِيحِ جِيفَةٍ حَتَّى يَأْتُونَ بِهِ بَابَ الْأَرْضِ فَيَقُولُونَ: مَا أَنْتَنَ هَذِهِ الرِّيحَ حَتَّى يَأْتُونَ بِهِ أَرْوَاحَ الْكُفَّارِ". (سنن نسائی، ج:1، رقم الحدیث:1838)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس وقت کوئی مومن بندہ مرنے کے قریب ہوتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نکل جاؤ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جانب اور اس کے رزق کی جانب اور اپنے پروردگار کی جانب جو کہ غصے میں نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے رضامند ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ سے رضامند ہے۔ پھر وہ روح اس طرح نکل جاتی ہے جس طریقہ سے عمدہ خوشبودار مشک۔

فرشتے اس روح کو اس وقت اٹھاتے ہیں اور آسمان کے دروازے پر لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کیا ہی پاکیزہ خوشبو ہے جو کہ زمین سے آئی ہے۔ پھر اسے ایمان والوں کی روحوں کے پاس لاتے ہیں اور وہ روح اس سے بھی زیادہ خوش ہوتی ہے جتنا کہ تم کسی بچھڑے ہوئے شخص کے آنے سے خوش ہوتے ہو۔ اس روح سے دوسری روحیں دریافت کرتی ہیں کہ فلاں آدمی اب

کس طرح کے کام میں مشغول ہے؟ فلاں آدمی اب کس طرح کے کام میں مشغول ہے؟ پھر وہ روحیں کہتی ہیں کہ تم ابھی اس کو چھوڑ دو۔ یہ دنیا کے غم میں مبتلا تھا۔ یہ روح کہتی ہے کیا وہ شخص تم لوگوں کے پاس نہیں پہنچا؟ وہ تو مر چکا تھا۔ تو اس پر وہ روحیں کہتی ہیں وہ شخص تو جہنم میں گیا ہوگا۔ جس وقت کافر کی موت آتی ہے تو عذاب کے فرشتے ایک ٹکڑا کاٹ کر لے کر آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ تو نکل کر باہر آجا، اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف۔ تو اللہ تعالیٰ سے ناراض ہے اور تجھ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔ پھر وہ روح نکلتی ہے اس طرح سے کہ جس طرح سڑے ہوئے مردار کی بدبو ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ زمین کے دروازے پر اس کو لاتے ہیں اور کہتے ہیں کیسی بو ہے؟ پھر اس کو کافروں کی روحوں میں لے جاتے ہیں)

4 راضی رہنے کی وجوہات

انسان کا اللہ پاک کے فیصلوں پر راضی رہنا اور مشکلات کو اللہ پاک کی طرف سے آزمائش سمجھتے ہوئے قبول کرنا اور دل برداشتہ نہ ہونا تین وجوہات کی بنا پر ہے۔ جو یہ ہیں:

(1) اللہ پاک کی رضا پر راضی رہنے کی پہلی وجہ یہ ہے: انسان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدابیر اس کے حق میں اس کی اپنی تدابیر سے بہتر ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتّٰى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:288)

(جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے جلد ہی دنیا میں سزا دے دیتا ہے اور اگر کسی بندے سے غضب کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے گناہ کا بدلہ روک رکھتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے پورا بدلہ دے گا)

(2) راضی رہنے کی دوسری وجہ یہ ہے: انسان کو امید ہوتی ہے کہ اسے تکلیف پر راضی رہنے سے آخرت میں اجر ملے گا۔ یہ خیال انسان کی تکلیف کو کم کر دیتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ انسان تندرستی کی امید میں کڑوی دوائی استعمال کرنے یا آپریشن کروانے پر بھی راضی ہو

جاتا ہے۔

(3) رضا کی تیسری وجہ یہ ہے: انسان اپنی تکلیف یا مشکل کو اللہ پاک کی رضا سمجھتے ہوئے اس پر راضی ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات انسان پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا کیونکہ سالک (اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے والا) اللہ پاک کی محبت میں فنا ہو چکا ہوتا ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ ہی کامل علم رکھتا ہے۔ وہی حکمت کا مالک ہے۔ کائنات کی مصلحتیں سمجھتا ہے کہ کس کے لیے کیا چیز اچھی یا بری ہے۔ انسان کی عقل ناقص ہے۔ اللہ پاک ہمیں جو بھی چیز عطا فرماتا ہے یا جس چیز کو ہم سے روک لیتا ہے اس میں ضرور کوئی اچھائی پوشیدہ ہوتی ہے لیکن ہمیں وہ سمجھ نہیں آ رہی ہوتی جو کہ بعض اوقات بعد میں معلوم بھی ہو جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام کے واقعے میں یہی سبق دیا گیا ہے کہ کشتی کا ٹوٹ جانا اور اولاد کا مر جانا بجا طور پر ایک واضح نقصان ہے لیکن چونکہ کشتی کو ظالم حکمران کے قبضے میں جانے سے بچانا تھا اس لیے اسے توڑا گیا، جبکہ لڑکے کے قتل کا مقصد والدین کو ایک بہتر اولاد دینا اور ان کی آخرت کے لیے راہ ہموار کرنا تھا[1]۔ بالکل اسی طرح ہمیں جان لینا چاہیے کہ کبھی کبھار ہماری ناکامی کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ضرور کوئی خیر رکھی ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہر امر پر رضا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کا فیصلہ حق ہے، آخری درجے میں درست ہے۔ تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ فیصلہ سب سے

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے بتایا کہ آپ علیہ السلام میرے کاموں پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ وہ ان سے کسی کام کے بارے میں کوئی سوال نہیں کریں گے۔ وہ دونوں چلے اور ایک کشتی میں سوار ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں ایک سوراخ کر دیا۔ پھر آگے چلے تو ایک چھوٹے بچے کو قتل کر دیا۔ پھر ایک بستی میں داخل ہوئے تو بستی والوں سے کھانے کے لیے کچھ مانگا؟ انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بڑے بادشاہ نے کیا ہوتا ہے اور بادشاہ کے فیصلوں پر سوالات کرنا مناسب نہیں۔

(5) اللہ پاک کی مرضی کو ماننے کے علاوہ ہمارے پاس چارہ ہی کیا ہے؟ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہیں گے تو سکون سے رہیں گے۔ اس کی مرضی کو دل سے تسلیم نہ کرنے کی صورت میں تکلیف اٹھائیں گے۔ وہ بڑی طاقت والی ذات ہے۔ وہ اپنی بات منوا لیتا ہے، چاہے ہم اسے پسند کریں یا ناپسند۔ اس لیے بہتر ہے کہ رضا پر راضی رہیں تاکہ سکون سے رہیں اور تکلیف سے بچ جائیں۔

(6) اللہ پاک کی رضا میں رنگ جانے سے ہر لحہ نئی زندگی ملتی ہے:

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگرست
(تسلیم و رضا کے خنجر سے ذبح ہو جانے والوں کو)
(ہر لحہ غیب سے ایک نئی زندگی عطا کی جاتی ہے)

(7) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ تقدیر کے نازل ہونے کے وقت حق تعالیٰ پر اعتراض کرنا رضا کی موت ہے۔ ایمان والا دل، کیوں اور کس طرح، کو نہیں جانتا۔ اس کا کام تو ماننا ہے جبکہ یہ نفس کی عادت ہے کہ جھگڑا کرے۔

(بقیہ پچھلے صفحہ سے)

اس بستی میں ایک گھر کی دیوار اتنی ٹیڑھی تھی کہ بس گرنے ہی والی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ دیوار دوبارہ صحیح کر کے بنا دی اور کچھ بھی اجرت نہ لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار پوچھنے پر حضرت خضر علیہ السلام نے بتایا کہ وہ کشتی غریب لوگوں کی تھی اور قریب کا بادشاہ ہر اچھی کشتی کو چھین لیتا تھا۔ اس لیے میں نے اسے عیب دار بنا دیا تاکہ وہ بادشاہ اسے عیب دار سمجھتے ہوئے چھوڑ دے۔ بچے کو اس لیے قتل کیا کہ اس والدین مومن تھے اور اس نے بڑے ہو کر انہیں کفر و شرک میں مبتلا کر دینا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ اس کے مرنے کے بعد انہیں نیک اولاد عطا فرمائے۔ تیسری بات یہ کہ وہ دیوار دو یتیم بچوں کی تھی۔ ان کا والد بڑا نیک آدمی تھا۔ اس دیوار کے نیچے خزانہ دفن تھا۔ بچے ابھی چھوٹے تھے۔ اگر دیوار گر جاتی تو لوگ خزانہ نکال کر لے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بچے بڑے ہو کر خود اپنا خزانہ نکال لیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے سورۃ الکھف، آیت: 66-82)

5 اہلِ رضا کے طبقات

اہلِ رضا کے تین طبقات ہیں:

(1) کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو رونے دھونے کو ترک کر دیتے ہیں اور اچھا عمل کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان تمام حالات میں جو اللہ پاک کے حکم سے بندے پر جاری ہوتے ہیں بندے کا دل اللہ تعالیٰ کے لیے ایک جیسا رہتا ہے۔

(2) کچھ لوگ اپنی نگاہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگائے رکھتے ہیں اور ان کی نظر اس بات پر نہیں جاتی کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے راضی ہو گیا ہے۔ ان کے نزدیک تنگی، آسودگی، محرومیت اور کشادگی یکساں ہو جاتی ہیں۔

(3) کچھ لوگ اس سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔ اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں سے راضی ہے۔ لہٰذا نہ تو اللہ تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونے کو دیکھتے ہیں اور نہ اپنی رضا کو۔ جیسا کہ حضرت ابوسلیمان درانیؒ نے کہا ہے: مخلوق کے اعمال بھلا اللہ تعالیٰ کو کیا راضی یا کیا ناراض کر سکتے ہیں۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں پر راضی ہوا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان سے اہلِ رضا کے کام کروائے اور کچھ لوگوں پر ناراض ہوا تو ان سے ناراضی کے کام کروائے۔

6 رضا کی اقسام

اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ. (سورۃ التوبہ، آیت:100)

(اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے)

قرآن پاک کی اس آیت پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رضا کی دو قسمیں ہیں:

(1) خدا کا بندے سے راضی ہونا

حضرت عثمان علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ خدا کا بندے سے راضی ہونا یہ ہے کہ وہ بندے کے

اچھے اعمال پر اجر کے طور پر اُسے عزت عطا فرماتا ہے۔ پس خدا کی رضا سے مراد بندے پر خدا کا کرم ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: "مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ، وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1449)

(حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں فرائض مجھے سب سے زیادہ پسند ہیں۔ میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں۔ اگر وہ کسی (دشمن یا شیطان) سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے، تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو بوجہ تکلیف جسمانی کے پسند نہیں کرتا اور مجھ کو بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے)

یعنی جب مومن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے تو اس بندے سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اس کے دشمن کو اپنا دشمن اور اس کے دوست کو اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ اس مومن کو خدا کے ہاں یہ

مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ زبان اس کی ہلتی ہے لیکن ذکر خدا کا ہوتا ہے۔آنکھ اس کی اٹھتی ہے لیکن کمال خدا کے دیکھتا ہے۔کان اس کے ہوتے ہیں، سماعت خدا کے احکامات کی ہوتی ہے۔پاؤں اس کے ہلتے ہیں، چلنا خدا کے لیے ہوتا ہے۔

(2) **بندے کا خدا سے راضی ہونا**

بندے کی رضا سے مراد ہے کہ بندہ اللہ پاک کے حکم پر خوشی سے عمل کرے۔انسان کی نظر اللہ تعالیٰ کے اختیار پر ہو کیونکہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب اس کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے۔انسان کا نفس جب اللہ پاک سے راضی ہو جائے تو وہ خود کو اس کے سپرد کر دیتا ہے۔اس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے رب ہونے پر مطمئن اور اس کی قدرت پر مکمل اعتماد کرتا ہے۔اللہ پاک کی تقدیر کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔خدا کی رضا مقدم (پہلے) ہے۔عمل کی توفیق بھی وہی دیتا ہے۔اس لیے اللہ پاک کی رضا پر وہی بندہ راضی ہے جو اس کی قضا (تقدیر) کو خوش دلی سے قبول کرے۔خواہ عطا ہو یا آزمائش ہو۔اللہ پاک کی تقدیر پر راضی رہنا، صوفیائے کرامؒ اور عارفینؒ (اللہ تعالیٰ کی پہچان رکھنے والوں) کی صفت ہے۔

7 رضا کے مراحل

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ رضا سالکین کے مقامات میں سے ایک مقام ہے اور سالک تین مراحل عبور کرنے کے بعد اس کو حاصل کرتا ہے۔وہ تین مراحل حسب ذیل ہیں:

(1) **پہلا مرحلہ:** سالک پر پہلا مرحلہ اس وقت کھلتا ہے جب بندہ اپنے اوپر ہونے والی مشکلات کو ظاہر نہ ہونے دے۔کسی سے بھی شکایت نہ کرے، چاہے دوست ہو یا دشمن اور ہر مصیبت پر راضی رہے۔سالک کے لیے ضروری ہے کہ اپنی مصیبت اور مشکل کو اللہ پاک کی طرف سے آزمائش تصور کرے اور خدا کی مخلوق سے انہیں چھپائے۔کسی کے سامنے بھی شکایت نہ کرے۔مصیبت کو اللہ سبحان تعالیٰ کی طرف سے آزمائش تصور کرتے ہوئے اس آزمائش میں

کامیاب ہونے کی پوری کوشش کرے۔

(2) **دوسرا مرحلہ:** رضا کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ سالک کو اس بات کا پختہ یقین ہو جائے کہ اس پر نازل ہونے والی مصیبتیں ان تین صورتوں سے خالی نہیں ہیں:

(i) اس کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں۔

(ii) کسی پہلے کیے ہوئے گناہ کی سزا ہیں۔

(iii) نیکیوں میں اضافے کا باعث ہیں۔

امام شعرانیؒ اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے جسم پر پے در پے بہت سی تکالیف آئیں۔ میں نے ان تکلیفوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت خیال کیا کیونکہ یہ تکلیفیں اور مصیبتیں اگر تو کسی پہلے گناہ کی سزا تھیں تو بہتر کیونکہ گناہوں کا کفارہ تھیں۔ اگر درجات کی بلندی کے لیے تھیں تو یہ بھی خیر۔ اس طرح کوئی بھی آزمائش تین صورتوں سے خالی نہیں ہوتی۔

(3) **تیسرا مرحلہ:** رضا کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ سالک کے لیے مصیبت اور نعمت دونوں برابر ہو جائیں کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں اللہ پاک کی طرف سے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ. (سورۃ النساء، آیت: 78)

(فرما دو! سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے)

8 رضا کے درجات

صوفیا کرامؒ کی نظر میں رضا کے تین درجے ہیں:

(1) **رضا:** رضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تقدیر پر اعتراض نہ کرے۔

(2) **تسلیم:** تسلیم میں تصرف (اختیار) پایا جاتا ہے۔ یعنی انسان تسلیم کے عمل میں کچھ نہ کچھ کرتا ہے، چاہے ذہنی عمل ہی کیوں نہ ہو۔ تسلیم کا مرتبہ رضا سے بلند تر ہے اور تفویض (سپرد کر دینا) تسلیم سے برتر ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَالۡاُمِّيّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ ؕ فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوۡا. (سورۃ آلِ عمران، آیت:20)

(پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو تم کہہ دو کہ میں اور میرے ماننے والوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا ہے۔ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے سوال کیجیے کہ کیا تم بھی تسلیم کرتے ہو؟ اگر یہ ماننے لگ جائیں تو یقیناً ہدایت پا جائیں گے)

(3) **تفویض:** انسان تمام ممکنہ اسباب اور تدابیر اختیار کرنے کے بعد اللہ پاک پر بھروسا کرتا ہے اور اپنا معاملہ نتیجے کے اعتبار سے خدا پاک کو سونپ دیتا ہے اور خدا کے فیصلہ پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ یہی تفویض ہے۔

قرآن میں تفویض کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَاُفَوِّضُ اَمۡرِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ. (سورۃ الغافر، آیت:44)

(اور میں تو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک وہ بندوں کے حالات جانتا ہے)

اس آیت پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا معاملہ اللہ پاک کے سپرد کر کے تفویض کے مقام کا ذکر فرمایا ہے۔

9 رضا کے بارے میں اقوال

(1) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے ذاتی اختیار کا اٹھا دینا رضا ہے۔

(2) حضرت حارثؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہونے پر دل کو سکون حاصل ہونا رضا ہے۔

(3) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے گزرنے سے دل کو خوشی حاصل ہونا رضا ہے۔

(4) حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں: رضا سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل کی نگاہ اللہ تعالیٰ کے اس اختیار کی طرف لگی رہے جو اس کو بندے پر ازل سے حاصل ہے۔ بندے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے اس کے لیے وہی اختیار کر رکھا ہے، جو سب سے بہتر ہے۔ لہٰذا بندہ اس پر

راضی رہتا ہے اور اس پر اپنی ناراضی چھوڑ دیتا ہے۔

(5) حضرت ابو بکر واسطیؒ فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے رضا کو عمل میں لاؤ اور اسے ایسا موقع ہی نہ دو کہ وہ تمہیں استعمال کر سکے۔ ورنہ تم اس کی لذت اور اس کی حقیقت کو دیکھنے کی وجہ سے حجاب (پردہ) میں ہو جاؤ گے۔

(6) حضرت محاسبیؒ کا قول ہے کہ رضا محبت کا نتیجہ ہے کہ محبت کرنے والا (محب) اس پر راضی ہوتا ہے جو محبوب کرتا ہے۔ محب اپنا اختیار ختم کر دیتا ہے اور محبوب کی ہر بات پر خوش ہوتا ہے۔

(7) حضرت میر واعظ کاشفیؒ کہتے ہیں کہ رضا سے مراد یہ ہے:

(i) اللہ پاک کی قضا سے بندہ پر جو کچھ بھی آئے وہ اس پر راضی رہے۔

(ii) ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ قضا (تقدیر) کے لیے ہماری رضا سے بہتر کوئی ڈھال نہیں۔

(iii) جو آدمی رضا کے آستانے پر سر جھکا دے وہ جلد ہی سرداری اور سرفرازی کے تخت پر پہنچ جاتا ہے۔

(8) حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ بندہ اپنی نفسانی خواہشات کو ترک کر دے تو اللہ پاک راضی ہو جاتا ہے۔

(9) حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ بندہ رضا کے مقام کو تب پہنچتا ہے جب وہ چار اصولوں پر عمل پیرا ہو۔ وہ اصول درج ذیل ہیں:

(i) انسان اللہ پاک کی بارگاہ میں عرض کرے کہ یا اللہ پاک اگر تو نے عطا کیا تو قبول کر لوں گا۔

(ii) اگر تو نے روک لیا تب بھی راضی رہوں گا۔

(iii) اگر تو نے اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا، تب بھی تیری ہی عبادت کروں گا۔

(iv) اگر تو نے اپنی بارگاہ میں بلا لیا تو حاضر ہو جاؤں گا۔

(10) حضرت ابو نصر آبادیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص مقام رضا حاصل کرنا چاہتا ہے اسے ایسے کام کرنے چاہییں جن پر اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

(11) حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ رضا اللہ کا بہت بڑا دروازہ ہے اور دنیا کی جنت ہے۔

(12) حضرت ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ رضا یہ نہیں ہوتی کہ تم مصیبت کا احساس نہ کرو بلکہ رضا یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تقدیر پر اعتراض نہ کرو۔

(13) شیخ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ رضا خوشنودی اور پسندیدگی ہے اور یہ تین چیزوں سے عبارت ہے:

(i) اللہ تعالیٰ کا دین جس طرح اس نے نازل کیا ہے، انسان کا اس سے راضی ہو جانا۔

(ii) تقدیر اور روزی جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مقرر فرمائی ہے، اس سے راضی ہو جانا۔

(iii) اپنے خدا پاک کے ساتھ راضی ہو جانا۔

(14) حضرت ابوبکر بن طاہرؒ فرماتے ہیں: رضا یہ ہوتی ہے کہ دل سے ناپسندیدگی کو نکال دیا جائے اور اس میں خوشی ہی خوشی باقی رہے۔

(15) حضرت ابن خفیفؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر دلوں کا سکون اور دل کا اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں سے موافق (مطابق) ہونا رضا کہلاتا ہے۔

(16) حضرت رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی مصیبت کو دیکھ کر دل کا ایسے ہی مطمئن ہونا جیسا کہ نعمت دیکھ کر ہوتا ہے، رضا کہلاتا ہے۔

(17) حضرت ابو عمر دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے وقت انسان کے دل کا مطمئن ہونا رضا کہلاتا ہے۔

(18) حضرت رویمؒ فرماتے ہیں: رضا یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر جہنم کو انسان کے دائیں ہاتھ پر رکھ دے تو وہ سوال نہ کرے کہ اسے پھیر کر بائیں ہاتھ پر کر دے

(19) حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم جیسے بھی ہو اسے خوشی سے قبول کر لینا رضا ہے۔

(20) حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں: رضا یہ ہے کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا جو بھی حکم جاری ہو، انسان اس پر مطمئن دکھائی دے۔

(21) حضرت نوریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سخت اور کڑوا بھی ہو تو اسے دیکھ کر دل میں خوش رہنے سے رضا حاصل ہوتی ہے۔

(22) حضرت شیخ ابونجیب ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ رضا اللہ پاک کی طرف سے آنے والی آزمائشوں سے لذت اٹھانا ہے۔

(23) حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں: رضا یہ ہے کہ انسان کے نزدیک اللہ پاک کا نعمتوں کا عطا کرنا اور روک لینا دونوں برابر ہو جائیں۔

(24) شیخ ابن عجیبہؒ فرماتے ہیں کہ مصیبت کا مسکراتے ہوئے استقبال کرنا، تقدیر کے نازل ہونے کے وقت دل کو مطمئن رکھنا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر تنقید نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کاموں پر انکار نہ کرنا اور ان کو آسانی سے سمجھ لینا، رضا ہے۔

(25) حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ رضا یہ ہے کہ انسان دلی رغبت اور خوشی سے اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں سر جھکا دے۔ اس کے حکم پر ہر حال میں راضی رہے خواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کا حکم ہو یا محرومی کا۔

10 رضائے الٰہی کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے بزرگان دین کے رضائے الٰہی کے کچھ واقعات درج کیے جاتے ہیں:

(1) موت کا فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ کوئی خلیل (دوست) اپنے خلیل کو موت دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اے میرے خلیل کیا تم نے کسی محبت کرنے والے کو اپنے محبوب کی ملاقات کو ناپسند کرتے دیکھا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے موت کے فرشتے ابھی میری روح قبض کرلو، میں بھی اسی پر راضی ہوں جس پر میرا

خدا پاک راضی ہے۔

(2) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے درخواست کی کہ اپنے رب سے کسی ایسے معاملہ کی دعا کریں کہ ہم کر لیں تو وہ ہم سے راضی ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: میرے رب! جو یہ کہہ رہے ہیں اسے تو نے سن لیا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام انہیں کہہ دو، تم مجھ سے راضی رہا کرو، میں تم سے راضی رہوں گا۔

(3) حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن مسیب فرماتے ہیں کہ حضرت لقمانؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اے بیٹے تم پر جو کچھ بھی گزر جائے، تم اس کو پسند کرو یا ناپسند، دل میں یہی سمجھا کرو کہ اسی میں تمھاری بھلائی تھی۔ بیٹے نے کہا کہ جب تک اس بات کا صحیح ہونا معلوم نہ ہو جائے میں اس وقت تک آپؒ کی بات کیسے مان سکتا ہوں؟ حضرت لقمانؒ نے کہا، چلو اس زمانے کے نبی علیہ السلام سے پوچھ لیتے ہیں۔ وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے۔ بیٹے نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے۔ وہ دونوں اپنی سواری پر سوار ہوئے اور کئی دن چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک صحرا سے گزرے تو انتہائی گرمی سے سخت پریشان ہو گئے، حتیٰ کہ روٹی اور پانی بھی ختم ہو گیا۔

گدھے تھکاوٹ کی وجہ سے نڈھال ہو گئے تو دونوں پیدل چلنے لگے۔ اسی طرح جا رہے تھے کہ حضرت لقمانؒ نے اپنے سامنے نظر دوڑائی تو انہیں کچھ سیاہی اور دھواں نظر آیا۔ آپؒ نے سوچا کہ سیاہی تو درخت ہیں اور دھواں آبادی کا نشان ہے۔ اس لیے اسی طرف کا رخ کر لیا۔

آپؒ جا رہے تھے کہ راستے میں پڑی ہوئی ہڈی حضرت لقمانؒ کے بیٹے کے پاؤں میں چبھ گئی اور ایسی چبھی کہ پاؤں کے اوپر والے حصے سے باہر نکل آئی۔ بیٹا درد سے بے ہوش ہو گیا۔ حضرت لقمانؒ نے لپک کر اسے اٹھایا۔ پاؤں سے ہڈی نکالی اور اپنی پگڑی سے اس کے پاؤں کو باندھ دیا۔

بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر حضرت لقمانؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بیٹے نے دیکھا تو پوچھا: اے ابا جان! جب آپؒ اس حادثے کو میرے لیے بہتر سمجھتے ہیں تو روتے کیوں ہیں؟ حضرت

لقمانؒ نے جواب دیا کہ اے بیٹے! میں باپ ہوں اور یہ آنسو باپ کی محبت کی وجہ سے ہیں اور یہ جو تم کہتے ہو کہ یہ حادثہ تمہارے لیے کس طرح بہتر ہے؟ تو شاید اس مصیبت سے بڑی مصیبت اللہ پاک نے تجھ سے دور کردی ہو۔ میں جس مصیبت میں مبتلا ہوا ہوں شاید اس سے بڑی مصیبت سے اللہ پاک نے مجھ کو بھی بچایا ہو۔ پس اللہ پاک مجھے جس حال میں بھی رکھے، میں اللہ پاک سے راضی ہوں۔

حضرت لقمانؒ نے دوبارہ سامنے نظر دوڑائی تو دور دور تک کسی بستی کا نام ونشان نہ پایا۔ آپؒ نے دل میں سوچا کہ پہلے جو میں نے بستی کا نشان دیکھا تھا شاید وہ میرا وہم تھا۔ آپؒ اسی کشمکش میں مبتلا تھے کہ سامنے سے ایک سوار نمودار ہوا جس نے سفید لباس پہن رکھا تھا اور بڑی تیزی سے اپنے گھوڑے کو دوڑا رہا تھا۔ حضرت لقمانؒ اسے دیکھ رہے تھے کہ اچانک وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا اور دور سے ایک آواز آئی:

آواز: کیا تم لقمانؒ ہو؟

لقمانؒ: ہاں میرا نام لقمانؒ ہے۔

آواز: تمھارا بیٹا کیا کہتا تھا؟

لقمانؒ: اے اللہ کے بندے تو کون ہے؟ میں تیری بات سنتا ہوں لیکن تیرا چہرا نہیں دیکھتا؟

آواز: میں جبریل (علیہ السلام) ہوں، مجھے کوئی نبی علیہ السلام ہی دیکھ سکتا ہے۔ تمہارے بیٹے نے تم سے کیا کہا تھا؟

لقمانؒ: کیا آپ علیہ السلام کو معلوم نہیں؟

حضرت جبریل علیہ السلام: مجھے تمہارے معاملے کا کچھ علم نہیں۔ تم دونوں کے نگہبان فرشتے میرے پاس آئے اور تم دونوں کے بارے میں مجھے بتایا۔ اس سے پہلے مجھے اللہ پاک نے اس شہر، اس کے باشندوں اور مضافات (قریبی علاقوں) پر عذاب کے نازل کرنے کا حکم دیا تھا تو میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ تم دونوں کو جس طرح چاہے اس بستی سے بچالے۔ اللہ پاک نے

تم دونوں کو اس طرح بچا لیا۔ اگر تمہارے بیٹے کو پاؤں کی تکلیف نہ پہنچتی تو تم ضرور اس بستی میں پہنچ جاتے۔

(4) ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم کو بہت زیادہ غمگین دیکھا تو پوچھا: اے عدی رضی اللہ عنہ! کیا بات ہے؟ میں تجھے بہت زیادہ غمزدہ (غم میں) اور پریشان دیکھ رہا ہوں؟ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے دو بیٹے قتل ہو گئے ہیں اور میری آنکھ ضائع ہوگئی ہے، اس لیے پریشان ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عدی رضی اللہ عنہ جو اللہ پاک کی فیصلوں پر راضی ہو تو اسے آخرت میں اس کا اجر دیا جائے گا۔ جو اللہ پاک کے فیصلوں پر راضی نہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے جاری ہوں گے البتہ اسے آخرت میں کوئی اجر نہیں دیا جائے گا۔
(تفسیر الدر المنثور بحوالہ سورۃ البقرہ، آیت: 207)

(5) حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادے مکہ مکرمہ سے نکلے تو کفار قریش نے ان کا راستہ روک لیا اور کہا کہ تم مدینہ نہیں جا سکتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ دیکھو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے بڑا تیرانداز ہوں۔ جب تک ایک بھی تیر میرے ترکش میں باقی رہا تم لوگ میرے قریب نہیں آسکو گے۔ جب تیر ختم ہو جائیں گے تو میں تمہارے ساتھ اپنی تلوار سے لڑونگا۔ جب تک میرے اندر تلوار اٹھانے کی طاقت رہی۔ جب مجھ میں تلوار اٹھانے کی طاقت نہ رہی تو تم جو چاہو میرے ساتھ سلوک کر لینا، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اگر تم لوگ مال چاہتے ہو، تو آؤ میں تم کو اپنے مال کا پتہ دے دیتا ہوں، جا کر لے لو اور میرا راستہ خالی کر دو تا کہ میں اپنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کرسکوں۔ ان لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی یہ بات مان لی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر اپنا سب مال و دولت ان کے حوالے کر کے خالی ہاتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر اپنا سب قصہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابو یحییٰ (حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت) تمہارا یہ سودا کامیاب ہو گیا۔ ابو یحییٰ تمہارا یہ سودا

کامیاب ہو گیا۔ (تفسیر الدر المنثور بحوالہ سورۃ البقرہ، آیت: 207)

(6) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اپنی بہن کا ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا۔ تھوڑا عرصہ وہ ساتھ رہے پھر اس نے طلاق (ایک طلاق) دے دی اور عدت گزر جانے تک رجوع نہیں کیا۔ یہاں تک کہ عدت گزر گئی۔ میری بہن واپس میرے گھر آ گئی۔ مجھے اپنی بہن کی طلاق کا بہت دکھ ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ عرصے بعد دونوں کو اپنی اپنی غلطیوں کا احساس ہوا اور پھر ایک دوسرے کو چاہنے لگے۔ چنانچہ دوسرے لوگوں کے ساتھ اس آدمی نے بھی نکاح کا پیغام بھیجا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ میں نے پہلے ہی اپنی بہن کو تمہارے نکاح میں دے کر تمہاری عزت افزائی کی تھی اور تم نے اسے طلاق دیتے وقت بالکل بھی اس بات کا خیال نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اب دوبارہ وہ کبھی بھی تم سے نکاح نہیں کرے گی۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئیں:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ. (سورۃ البقرہ، آیت: 232)

(جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو (اے میکے والو) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں، جب وہ بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے راضی ہو گئے ہوں)

جب حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے یہ آیت مبارکہ سنی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اطاعت ہے۔ میں اللہ پاک کے اس فیصلے پر راضی ہوں اور دل سے پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کا دوبارہ اسی شخص سے نکاح کر دیا۔ (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث: 915)

(7) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جلبیب رضی اللہ عنہ کے لیے ایک انصاری عورت سے نکاح کا پیغام اس کے والد کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا کہ میں پہلے لڑکی کی والدہ سے مشورہ کرلوں۔ وہ آدمی اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے اس بات کا

ذکر کیا۔ حضرت جلبیب رضی اللہ عنہ ایک غریب صحابی تھے جبکہ لڑکی کے خاندان کا شمار مالدار مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ اس لیے بیوی نے فوراً انکار کرتے ہوئے کہہ دیا: بخدا! کسی صورت میں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری بیٹی کے لیے حضرت جلبیب رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ملا۔ ہم نے تو فلاں فلاں رشتے سے انکار کر دیا تھا۔

سعادت مند بیٹی پردے کی اوٹ سے یہ سب سن رہی تھی۔ صلاح ومشورے کے بعد جب وہ آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے اطلاع کرنے کے لیے روانہ ہونے لگا تو وہ لڑکی کہنے لگی: کیا آپ لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو رد کریں گے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا مندی اسی میں ہے تو آپ نکاح کر دیں۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا پر راضی ہوں۔

یہ بات سنتے ہی والدین کی آنکھوں سے پردہ دور ہو گیا۔ وہ کہنے لگے کہ تم صحیح کہہ رہی ہو۔ چنانچہ اس کا باپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رشتے پر راضی ہیں تو ہم بھی راضی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں راضی ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جلبیب رضی اللہ عنہ سے اس لڑکی کا نکاح کر دیا۔ اللہ پاک نے دونوں کی زندگی میں بہت زیادہ خیر وبرکت عطا فرمائی اور ان کا شمار مال دار لوگوں میں ہونے لگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس لڑکی کو دیکھا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ خرچ کرنے والے گھر کی خاتون تھی۔ (مسند احمد، ج:5، رقم الحدیث:1384)

(8) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مقام رضا پر فائز تھے کہ سیدنا علی اصغرؓ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں شہید ہو گئے۔ سیدنا علی اکبرؒ کا لاشہ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر لائے۔ بچے پیاس سے بلکتے رہے۔ ایک ایک کر کے پورا خاندان قربان ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ لاشیں اٹھاتے رہے، ہوش میں رہے، جوش میں نہ آئے، ضبط میں رہے اور اللہ سبحان وتعالیٰ سے کسی قسم کی شکایت نہ کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے امتحان کے ہر مرحلے پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور ہر حال میں راضی رہے۔

(9) حضرت عتبہ الغلامؒ ایک دفعہ ساری رات صبح تک کھڑے رہے اور یہی کہتے رہے کہ اے

اللہ! اگر تو مجھے عذاب دے تو بھی میں تجھے دوست رکھتا ہوں اور اگر تو مجھے بخش دے، تب بھی میں تجھے دوست رکھتا ہوں۔

(10) حضرت ابوعثمان حیریؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سال کا عرصہ گذرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس مقام پر فائز کیا ہے، میں نے اس پر اظہار ناپسندیدگی نہیں کیا اور جب وہاں سے کسی اور مقام کی طرف منتقل کیا ہے تو بھی مجھے ملال نہیں ہوا۔

(11) اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک عابد نے لمبے عرصے تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ فلاں عورت جنت میں تیری بیوی ہوگی۔ یہ عابد اس عورت کو تلاش کرنے لگا۔ آخر اسے پالیا۔ عابد نے اُس عورت سے تین دن تک اس کا مہمان بننے کی اجازت مانگی تاکہ وہ اس کی عبادت کا حال معلوم کر سکے۔ عابد نے دیکھا کہ وہ عورت ساری رات سوتی رہتی ہے اور دن کو روزہ بھی نہیں رکھتی۔ عابد نے عورت سے پوچھا کہ وہ کون سی عبادت کرتی ہے؟ عورت نے جواب دیا کہ جو آپ نے دیکھا ہے اس کے علاوہ میں کوئی بھی عبادت نہیں کرتی۔ عابد بار بار اس عورت سے یہی سوال پوچھتا رہا۔ عورت نے بتایا اور تو کوئی خاص بات نہیں البتہ مجھ میں ایک عادت ضرور ہے کہ اگر اللہ پاک مجھے تنگی میں مبتلا فرماتا ہے تو میں اس کی رضا کے لیے صبر کرتی ہوں اور اسی تنگی کی حالت میں خوش رہتی ہوں۔ اگر خداوند کریم مجھے کسی بیماری میں مبتلا کرتے ہیں تو میں اسی کی رضا کے لیے صبر کرتی ہوں اور اسے رضائے الٰہی سمجھتے ہوئے برداشت کرتی ہوں۔ عابد نے عورت کی یہ بات سنی تو فرمایا کہ اللہ کی قسم یہ بہت عظیم خصوصیت ہے۔ جس سے عبادت گزار بھی محروم رہتے ہیں۔

(12) حضرت امام ابوحنیفہؒ کپڑے کے بڑے سوداگر تھے۔ ایک دفعہ آپؒ کے ملازم نے بتایا کہ آپؒ کے تجارتی سامان کو لانے والا جہاز سمندر میں ڈوب گیا ہے، جس سے کروڑوں کا نقصان ہونے کا خدشہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ چند سیکنڈ خاموش رہے، پھر کہا کہ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

کچھ عرصہ بعد خبر آئی جو جہاز ڈوبا تھا وہ امام ابوحنیفہؒ کا نہیں بلکہ دوسرے سوداگر کا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ

کا جہاز ساحل پر لگ گیا ہے اور بہت نفع ہوا ہے۔ ملازم نے خوشی خوشی اطلاع دی۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا: یا اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے اور میں ہر حال میں تیرے فیصلوں سے خوش اور راضی ہوں۔
ملازم نے پوچھا، جہاز ڈوبنے کی خبر پر شکر کرنے کا کیا مطلب ہے؟ امام اعظمؒ نے فرمایا: میں نے دونوں دفعہ دل میں دیکھا، معلوم ہوا کہ دل پر خوشی یا ناخوشی کا اثر نہیں ہوا۔ دل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا مال تھا اس نے لے لیا۔ دوسری مرتبہ جب جہاز کے ساحل پر لگ جانے اور نفع کی خبر ملی، تو بھی دل نے کہا اللہ تعالیٰ کا مال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو نقصان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو نفع ہو گیا۔ میں نے اس بات پر شکر کیا کہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور لینے والا بھی۔ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ راضی ہوں۔ اس لیے دونوں مرتبہ میں نے شکر ادا کیا۔

(13) حضرت ذولنون مصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے؟ آپؒ نے فرمایا: بڑے مزے میں ہوں۔ اس شخص کے مزے کا کیا پوچھتے ہو کہ کائنات میں کوئی واقعہ اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ جو واقعہ بھی پیش آتا ہے وہ اس کی مرضی کے عین مطابق ہوتا ہے۔ لہٰذا دنیا کے سارے کام میری مرضی کے مطابق ہو رہے ہیں۔ سوال کرنے والے نے پوچھا کہ حضرتؒ یہ بات تو کبھی کسی کو پیش نہیں آئی کہ دنیا کے تمام امور اس کی مرضی کے مطابق ہو جائیں۔ آپؒ کو یہ مقام کیسے حاصل ہو گیا؟

حضرت ذوالنون مصریؒ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے۔ جو اللہ پاک کی مرضی ہوتی ہے، وہی میری مرضی ہوتی ہے۔ دنیا کے سارے کام اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتے ہیں اور میری بھی وہی مرضی ہوتی ہے۔ جب سارے کام میری مرضی سے ہو رہے ہیں تو میرے مزے کا کیا پوچھنا۔ پریشانی تو میرے پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ پریشانی تو اس شخص کو ہو، جس کی مرضی کے خلاف کام ہوتے ہوں۔

(14) حضرت عمران بن حصینؓ کو ایک مرض لاحق ہو گیا۔ وہ ایک لمبے عرصے تک بیماری میں مبتلا رہے۔ ان کی یہ حالت تھی کہ نہ اٹھ سکتے تھے نہ ہی بیٹھ سکتے تھے۔ ان کی چارپائی کی رسیوں کو

کاٹ کران کی قضائے حاجت کا انتظام کیا گیا تھا۔آپؓ کے چھوٹے بھائی ملاقات کے لیے آئےتو آپؓ کی یہ حالت دیکھ کررونے لگے۔

حضرت عمران بن حصینؓ نے اپنے بھائی سے پوچھا کہ روتے کیوں ہو؟ بھائی نے جواب دیا کہ میں آپؓ کواس شدید تکلیف کی حالت میں دیکھ کررو پڑا۔آپؓ نے فرمایا کہ میں اپنے خدا سے ہرحال میں راضی ہوں،خواہ وہ مجھے کسی بھی حال میں رکھے۔میں نے اپنی رضا کواللہ پاک کی رضا میں فنا کر دیا ہےاور ہاں سن! فرشتے میری ملاقات کوآتے ہیں۔میں ان سے محبت کرتا ہوں۔وہ مجھےسلام کہتے ہیں،میں ان کا سلام سنتا ہوں۔

(15) ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اورانہوں نے ایک گدھا پال رکھا تھا، جس پرسامان لادتے تھے۔ایک کتا تھا جو مال مویشی کی حفاظت کیا کرتا تھا۔اس کے علاوہ کچھ مرغ بھی پال رکھے تھے۔اللہ تعالیٰ کی شان کہ ایک دن لومڑی آئی اور مرغ پکڑ کر لے گئی۔ان کی بیوی رونے لگی کہ ہائے مرغ جاتا رہا۔شیخ نے فرمایا کہ اللہ پاک کے فیصلے پر راضی رہو،اسی میں بہتری ہوگی۔پھر کچھ دنوں بعد ایک بھیڑیے نے گدھے کو شکار کرلیا۔ اس وقت بیوی پھر رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے کہا اس میں خیر تھی۔چیخنے چلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔اس کے چند دنوں بعد اچانک کتا مرگیااور بیوی پھرغمگین ہوئی تو شیخ نے پھریہی فرمایا کہ غم نہ کرو،اسی میں بھلائی تھی۔

کہتے ہیں کہ کچھ دنوں بعد ایک لشکراس میدان میں لوٹنے کے لیےآیااور جتنے بھی گھروں کا ان کو پتہ چلا،سب کولوٹ لیااورلوگوں کوگرفتار کر کے قیدی بنالیا۔صرف یہ بزرگ اوران کی بیوی ہی اس حادثے سے محفوظ رہے۔جھاڑیوں میں چھپے مکانات کالشکرکواس طرح پتا چلا کہ کسی کا کتا آہٹ پا کر بھونکنے لگا،کسی کا گدھا رینگ رہا تھااورکسی کا مرغ آوازیں نکال رہا تھا۔اس وقت بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ سوچو!اس قوم کی بربادی کا سبب یہی جانور بن گئے۔اللہ تعالیٰ کافضل تھا کہ ہمارے تینوں جانور پہلے ہی مرگئے ورنہ آج ہم بھی اسی مصیبت

میں گرفتار ہوتے۔

(16) شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ایک غلام نے بادشاہ کی نافرمانی کی اور بھاگ گیا۔ جب بادشاہ کے حکم سے اس کو پکڑ کر لایا گیا تو بادشاہ نے اس کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔ جونہی جلاد نے قتل کرنے کے لیے تلوار نکالی تو غلام نے بادشاہ کے لیے دعا کرنی شروع کر دی کہ اے خدا پاک اس بادشاہ کے ہاتھوں مجھے ہزاروں نعمتیں ملی ہیں اگر آج اس نے میرے قتل کا حکم دیا ہے تو میں اس کو اپنا خون معاف کرتا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن میرے خون کے بدلے میں یہ پکڑا جائے اور اس کے دشمن خوش ہوتے پھریں۔ بادشاہ نے غلام کے منہ سے یہ دعا سنی تو اس کا غصہ جاتا رہا۔ قتل کا حکم واپس لے لیا اور اٹھ کر غلام کی پیشانی چومنے لگا اور اس کو انعام و اکرام سے نوازا۔

اگر اپنے محسن کے ساتھ تسلیم و رضا والا معاملہ کیا جائے تو بڑے سے بڑا جرم معاف ہو جاتا ہے۔ جب بندے اتنے مہربان ہیں تو اللہ پاک کی مہربانی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

6

مقام توکل

1 توکل کا مفہوم

(1) توکل کے لغوی معنی کسی پر بھروسہ کرنے کے ہیں۔ اسلام کی اصطلاح میں اس کا مطلب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، اسے اپنا مددگار اور وکیل بنانا اور ہر معاملے میں نتیجے کی امید اسی سے کرنا ہے۔ لیکن اس کا مطلب اسباب کے بغیر کوئی کام کرنا، مادی وسائل کی نفی اور تدبیر سے گریز کرنا ہرگز نہیں۔ اسی طرح توکل کا مطلب اپنی تدبیر ہی کو سب کچھ سمجھنا محض اسباب پر تکیہ کر لینا بھی نہیں۔ پہلا طریقہ بے عملی، سستی، کاہلی کے طرف لے جاتا ہے تو دوسرا تکبر، انکار خدا، پریشانی اور مادہ پرستی کی جانب لے جاتا ہے۔ اسلام کا تصورِ توکل ان دونوں کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھتے ہوئے شریعت کے دائرہ عمل میں رہ کر، اللہ پاک کی عطا کردہ فہم و فراست کو کام میں لاتے ہوئے اپنی تمام تر جدوجہد صرف کر دینے اور پھر نتیجہ اللہ رب العزت پر چھوڑ دینے کا نام توکل ہے۔

(2) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: توکل کیا ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: اس حقیقت سے آگاہی کہ مخلوق نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتی اور یہ کہ لوگوں کی مدد اور مال و دولت سے امید نہ رکھی جائے۔ جب بندہ ایسا بن جائے تو وہ خدا کے علاوہ کسی کے لیے کام نہیں کرتا اور اس کے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتا۔ (بحار الانوار، ج:15، ص:14)

(3) عام طور پر توکل کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ تدبیر سے گریز کو توکل سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت تدبیر اور اسباب کے استعمال کا سبق دیتی ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے وقت مدینے کی مخالف سمت نکلنا، معاملہ خفیہ رکھنا، ایک راہ دکھانے والے سے مدد لینا، غار ثور میں پناہ لینا وغیرہ سب تدابیر تھیں۔ اسی طرح غزوہ بدر میں میدان کا انتخاب، غزوہ احد میں مدینے سے باہر نکلنا، غزوہ احزاب (خندق) میں خندقیں کھودنا وغیرہ وہ سب وسائل تھے جو جنگ جیتنے کے لیے لازمی سمجھے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال کیے۔

عَنْ أَنَسِ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ، أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ؟ قَالَ: "اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:417)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا بغیر باندھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی اونٹنی کو باندھو اور اللہ پاک پر بھروسہ کرو)

(4) عَنِ الْأَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: "كُنَّا عَلَى شَاطِئِ نَهَرٍ بِالْأَهْوَازِ قَدْ نَضَبَ عَنْهُ الْمَاءُ، فَجَاءَ أَبُو بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى فَرَسٍ فَصَلَّى وَخَلَّى فَرَسَهُ، فَانْطَلَقَتِ الْفَرَسُ فَتَرَكَ صَلَاتَهُ وَتَبِعَهَا حَتَّى أَدْرَكَهَا فَأَخَذَهَا، ثُمَّ جَاءَ فَقَضَى صَلَاتَهُ، وَفِينَا رَجُلٌ لَهُ رَأْيٌ، فَأَقْبَلَ يَقُولُ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا الشَّيْخِ تَرَكَ صَلَاتَهُ مِنْ أَجْلِ فَرَسٍ، فَأَقْبَلَ فَقَالَ: مَا عَنَّفَنِي أَحَدٌ مُنْذُ فَارَقْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: إِنَّ مَنْزِلِي مُتَرَاخٍ فَلَوْ صَلَّيْتُ وَتَرَكْتُهُ لَمْ آتِ أَهْلِي إِلَى اللَّيْلِ، وَذَكَرَ أَنَّهُ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى مِنْ تَيْسِيرِهِ".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1080)

(حضرت ازرق بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اہواز (ایرانی شہر) میں ایک نہر کے کنارے تھے جو خشک پڑی تھی۔ پھر حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور گھوڑا (بغیر باندھے) چھوڑ دیا۔ گھوڑا بھاگنے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ نے نماز توڑ دی اور اس کا پیچھا کیا۔ آخر اس کے قریب پہنچے اور پکڑ لیا۔ پھر واپس آ کر نماز ادا کی۔ وہاں ایک خارجی شخص تھا۔ وہ کہنے لگا کہ اس بوڑھے کو دیکھو اس نے گھوڑے کے لیے نماز توڑ ڈالی۔ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہو کر آئے اور کہا: جب سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہوا ہوں، کسی نے مجھ کو ملامت نہیں کی۔ میرا گھر یہاں سے دور ہے، اگر میں نماز پڑھتا رہتا اور گھوڑے کو بھاگنے دیتا تو اپنے گھر رات تک بھی نہ پہنچ پاتا۔ انہوں نے بیان کیا کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ آسان صورتوں کو اختیار

کرتے دیکھا ہے)

(5) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک مرض ہو گیا۔ طبیبوں نے کہا کہ اس مرض کی فلاں دوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں دوا نہیں کھاؤں گا، اللہ تعالیٰ خود شفا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ جب تک تم دوا نہیں کھاؤ گے میں تب تک تمہیں شفا نہیں دوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوا کھائی تو انھیں شفا ملی۔

(6) دین کے نقطہ نظر سے اگر کوئی شخص کسی غار میں بیٹھ جائے، جہاں آدم ہو نہ آدم زاد۔ گھاس تک نہ ہو، چٹیل میدان ہو اور پھر کہے کہ میں توکل کر کے اس غار میں بیٹھ گیا ہوں، ایسا توکل بالکل حرام ہے۔

2 توکل کا پس منظر

توکل کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس دنیا میں مختلف کام کس طرح انجام پاتے ہیں۔

(1) اس دنیا میں ہر کام اللہ پاک کی اجازت اور حکم سے ہوتا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کا حکم اس کائنات میں اسباب کے پردے میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہر کام کا ایک قاعدہ اور قانون ہے جو اللہ پاک نے خود مقرر کیا ہے۔ مثال کے طور پر بارش برسانے سے پہلے اللہ تعالیٰ بادلوں کو جمع کرتا ہے۔

(3) اسی طرح اشیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ مخصوص تاثیریں رکھی ہیں۔ آگ کی تپش، برف کی ٹھنڈک، زہر کی ہلاکت خیزی وغیرہ اللہ پاک ہی کے حکم اور ارادے سے پیدا ہوئے ہیں۔

(4) ان سب باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ ان قوانین کا پابند نہیں۔ یہ تمام قوانین اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ وہ جب چاہے اپنے ارادے سے ان قوانین میں ترمیم کرتا اور بغیر اسباب کے کام کرتا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باپ کے بغیر پیدائش یا حضرت ابرہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا ٹھنڈا ہو جانا وغیرہ۔

(5) جب اللہ تعالیٰ ان قوانین اور اسباب کے بغیر کوئی کام کرتا ہے تو اللہ پاک کا اپنا ارادہ، مشیت، حکمت اور قدرت کارفرما ہوتی ہے۔ لیکن انسانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ ان قوانین، اسباب، مادی وسائل اور تدابیر کو کام میں لائیں۔ ان کے مطابق عمل کریں۔ یعنی ایک شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ آگ میں کود جائے اور پھر توقع کرے کہ وہ جلے گا نہیں۔

3 توکل قرآن مجید کی روشنی میں

توکل اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے والوں کی ایک منزل اور توحید پر ایمان لانے والوں کا ایک مقام اور اہل یقین کا ایک درجہ ہے جس کا اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب میں بار بار ذکر فرمایا ہے۔ ان میں سے کچھ آیت مندرجہ ذیل ہیں:

(1) عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ[1]. (سورۃ آل عمران، آیت:122)

(مومنوں کو اللہ پاک پر بھروسہ کرنا چاہیے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ بھروسہ کے لائق وہی وحدہ لاشریک ذات ہے۔ باقی سب سہارے فانی اور بے بنیاد ہیں۔ سب کچھ اسی کی قدرت اور اختیار میں ہے۔ ساری کائنات کا خالق اور مالک اور سب کا حاجت روا و مشکل کشا وہی ہے۔ اس کی توفیق شامل حال ہو تو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہتی۔ خدا تعالیٰ جب اپنے بندے کو کچھ دینا چاہتا ہے تو پوری کائنات مل کر اسے روک نہیں سکتی۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے کسی چیز کو روک لے تو پھر کوئی اسے عطا نہیں کرسکتا۔ ہمیں اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی چاہیے اور بھروسہ صرف اور صرف اللہ پاک پر رکھنا چاہیے۔

(2) تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا. (سورۃ النسا، آیت:81)

(اللہ پاک پر بھروسہ رکھو، وہی بھروسہ کے لیے کافی ہے)

---

[1]۔ سورۃ آلِ عمران، آیت: 160؛ سورۃ المائدہ، آیت: 11؛ سورۃ التوبہ، آیت: 51؛ سورۃ ابراہیم، آیت: 11؛ سورۃ المجادلہ، آیت:10؛ سورۃ التغابن، آیت:13

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اپنے نفع اور نقصان میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ سب سے بہتر کارساز ہے۔ اس سے یہ اہم اور بنیادی سبق ملتا ہے کہ اہل ایمان کو دشمنوں کے مقابلے اور ان کی شرارتوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر ہی اعتماد اور بھروسہ رکھنا چاہیے۔ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔

(3) عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (سورۃ المائدہ، آیت: 23)

(اللہ پاک پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو)

اس آیت پاک سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا ایمان کا تقاضہ ہے۔ انسان کو سچی نیت اور اللہ پاک پر توکل کر کے کام کرنا چاہیے۔ اس سے کامیابی کے راستے کھل جاتے ہیں۔ یہی مومن کی شان ہے۔ یہی مومن سے مانگا گیا ہے۔ سچی نیت اور اللہ پاک پر توکل مومن کی قوت کے دو عظیم الشان ماخذ ہیں۔ یہ دونوں باتیں اس کے اندر جتنی پختہ ہوں گی اسی قدر اس کو اپنے خالق و مالک کی طرف سے نصرت و امداد سے نوازا جائے گا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ ساری کائنات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں حکم اور اختیار بھی اسی کا چلتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو اس کو منظور ہوتا ہے۔ اس کی حکومت اور بادشاہی میں مرضی بھی اسی کی ہوتی ہے۔ عقل سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا میں اسباب اور وسائل پوری طرح اپنانے اور اختیار کرنے کے بعد بھروسہ اور اعتماد ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر ہی کرنا چاہیے۔

(4) وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (سورۃ الانفال، آیت: 61)

(اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو، یقیناً وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حالات سے باخبر ہے۔ ہمیں ہمیشہ بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر رکھنا چاہیے۔ وہی کارساز، مالک اور مختار ہے۔ بھروسہ اور اعتماد کے لائق صرف وہی ذات ہے۔ سب کچھ اسی کی قدرت اور اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ وہ ہمارے ظاہری و باطنی احوال سے بخوبی واقف ہے۔ ہماری

مشکلات کا اسے علم ہے۔ ہمارا کوئی قول اور فعل اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔
جب اللہ تعالیٰ ہمارے احوال سے باخبر ہے تو ہمیں صرف اور صرف اسی پر توکل کرنا چاہیے۔ اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔ وہ ہمارا خالق (پیدا کرنے والا) اور مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ ساری کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ جب چاہے اور جسے چاہے آزمائش میں ڈال دے اور جب چاہے آزمائش سے نکال لے۔

(5) فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ. (سورۃ التوبہ، آیت:129)

(کہہ دیجیے مجھے اللہ پاک ہی کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا رب ہے)

اس آیت پاک سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i) مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔
(ii) صرف اللہ پاک ہی مشکل حل کرنے والا اور حاجت پوری کرنے والا ہے۔
(iii) مدد کے لیے صرف اور صرف اللہ پاک ہی کو پکارنا چاہیے۔
(iv) اللہ تعالیٰ عرش عظیم کا مالک ہے۔
(v) سب لوگ ساتھ چھوڑ جائیں تو بھی مومن کے لیے اللہ پاک ہی کافی ہے۔
(vi) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔
(vii) ہم سب کو صرف اور صرف اسی کی ہی عبادت کرنی چاہیے۔

(6) اِنۡ كُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ فَعَلَيۡهِ تَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِيۡنَ. (سورۃ یونس، آیت:84)

(لوگو! اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو، اگر مسلمان ہو)

اس آیت پاک میں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کے تقاضوں کی یاددہانی کراتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم لوگ واقعی اور سچے دل سے اللہ پاک پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو۔ حق کے راستے میں کسی کا ڈر یا لحاظ آڑے نہیں آنا چاہیے۔ بلکہ سب سے بے نیاز و

بے پرواہ ہو کر اللہ پاک کی راہ میں آگے بڑھنا چاہیے۔ بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر رکھنا چاہیے۔ وہی پیش آنے والی مشکلات میں ہمارا حامی و ناصر (مدد کرنے والا) ہوگا۔ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ایمان کا لازمی تقاضا اللہ پاک پر توکل ہے۔ اس توکل کا تقاضا ہے کہ انسان مکمل طور پر اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالے کر دے۔ یہی حوالگی و سپردگی اصل ایمان ہے۔

(7) فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ. (سورۃ ہود، آیت: 123)

(اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو)

اس آیت پاک میں ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہ لاشریک پر رکھنا چاہیے۔ بھروسہ رکھنے کے قابل صرف وہی ہے۔ پوری کائنات اور اس میں پائی جانے والی ہر شے اور اس شے کے اندر نفع یا نقصان پہنچانے کی خاصیت و تاثیر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس لیے عبادت بھی صرف اور صرف اسی ذات کی کرنی چاہیے۔

(8) عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ. (سورۃ یوسف، آیت: 67)

(بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی ہی ذات بابرکات پر بھروسہ کرنا چاہیے جو اس کائنات کا خالق و مالک و رازق اور حاکم ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کی قدرت اور اختیار میں ہے۔ کائنات میں وہی کام سرانجام پاتے ہیں جو اللہ پاک کو منظور ہوتے ہیں۔

(9) قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ. (سورۃ الرعد، آیت: 30)

(ان سے کہو کہ وہی میرا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور میں نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ

(i) ہم سب کا پروردگار وہی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(ii) اللہ پاک وحدہ لاشریک (اس کا کوئی شریک نہیں) ہے۔

(iii) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

(iv) اللہ تعالیٰ ہی بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔

(v) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ پاک پر توکل کیا تھا۔

(vi) ہم سب کو آخر کار اللہ پاک ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(vii) ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ ہم نے آخرت کے لیے کیا تیاری کی ہے۔

(viii) اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔

(10) وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ. (سورۃ ابراہیم، آیت: 12)

(اور ہم کیوں نہ اللہ پاک پر بھروسہ کریں؟ جب کہ ہماری زندگی کی راہوں میں اس نے ہماری رہنمائی کی ہے۔ جو اذیتیں تم لوگ ہمیں دے رہے ہو ان پر ہم صبر کریں گے اور بھروسہ صرف اللہ پاک ہی پر ہونا چاہیے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر مصیبت اور مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرتے تھے اور اپنے ماننے والوں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے۔ اس آیت پاک سے درج ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i) حالات جیسے بھی ہوں ہمیں اپنے رب ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

(ii) اللہ پاک پر توکل کا ہماری زندگی پر ایسا اثر ہونا چاہیے کہ بے پناہ مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود ایمان میں کوئی کمی نہیں آنی چاہیے۔

(iii) ظلم پر صبر کرتے ہوئے یہ ایمان اور اعتماد رکھنا چاہیے کہ ہمارا رب ہماری ضرور مدد فرمائے گا۔

(iv) اللہ پاک پر بھروسہ کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ جیسا کہ

(ا) اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے ہمیں ہدایت عطا فرمائی۔

(ب) اللہ پاک نے ہمیں توحید پر عمل کرنے والا بنایا۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے ہمیں صراط مستقیم (صحیح راستے) پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی۔

(د) اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام پر استقامت عطا فرمائی۔

(v) پس ہمیں ہر حال میں اللہ پاک ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

(11) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ. (سورۃ الفرقان، آیت: 58)

(اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جسے کبھی موت نہیں اور اس کی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے رہو)

اس آیت پاک میں صبر اور توکل کے صحیح طریقے کی تعلیم اور تلقین فرمائی گئی ہے۔ توکل کی بنیاد اور اس کے حصول کے ذرائع اور اس کے انجام سے آگہی دیتے ہوئے ان نکات کو بیان کیا گیا ہے:

(i) اللہ پاک کی ذات ازلی (ہمیشہ سے) اور ابدی (ہمیشہ رہنے والی) ہے۔

(ii) یہ شان صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

(iii) وہی ہر خوبی کا مالک اور ہر خوبی سے سرفراز کرنے والا ہے۔

(iv) اللہ تعالیٰ ہر شک، نقص، عیب سے پاک اور اعلیٰ ہے۔

(v) بھروسہ و اعتماد ہمیشہ اس ذات ازلی و ابدی پر کرنا چاہیے۔

(vi) توکل اور بھروسہ حاصل کرنے اور کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح بیان کرنی چاہیے۔

(12) وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا. (سورۃ الاحزاب، آیت: 3)

(اللہ پاک پر توکل کرو اور اللہ تعالیٰ کافی مددگار ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ توکل اور بھروسہ ہمیشہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی ذات پر کیا جائے۔ اس کے علاوہ کسی اور کی مدد کی ضرورت نہیں۔ اللہ پاک پر بھروسہ کرنے والوں کو دوسروں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم اور حکمت سب سے برتر ہے۔ جب وہ ہر چیز پر قادر ہے تو پھر اس کے دروازے کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف جھکنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس کے سوا کوئی بھی ہستی ایسی نہیں جو اس شان کی مالک ہو تو پھر کیوں نہ اسی پر ہی بھروسہ اور

اعتماد کیا جائے۔ الغرض بھروسہ اور اعتماد کے لائق وہی پاک ذات ہے۔

(13) اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (سورة النحل، آیت:99)

(اسے ان لوگوں پر تسلط حاصل نہیں ہوتا جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں)

اس آیت پاک میں اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ شیطان کے شر سے محفوظ کون لوگ ہوتے ہیں اور اس کا شکار کون بنتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں پر شیطان کا کوئی زور اور اثر نہیں ہوتا جو ایمان رکھتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا اثر اور زور تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو شیطان سے دوستی کرتے اور اس کو اللہ پاک کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ایمان اور یقین کی دولت اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی سعادت ایک ایسی عظیم الشان دولت ہے جو انسان کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھتی ہے۔ شیطان کے شر سے محفوظ رہنے سے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ پس اللہ پاک کی ذات پر بھروسہ رکھنا انسان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

(14) فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ. (سورۃ آلِ عمران، آیت:159)

(پس اللہ پاک پر توکل کرو۔ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

اس آیت پاک سے مندرجہ ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i) اللہ پاک ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

(ii) اللہ پاک اپنی ذات پر توکل کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

(iii) اللہ پاک کی محبت دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔

(iv) اللہ پر توکل کرنے والا ہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہوتا ہے۔

4 توکل احادیث کی روشنی میں

احادیث مبارکہ میں توکل کی اہمیت کو کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

(1) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ

مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ، قَالَ: "اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَوْ لَا إِلَهَ غَيْرُكَ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1072)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرماتے:

"اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَوْ لَا إِلَهَ غَيْرُكَ"

(اے میرے پروردگار! میں نے اپنی گردن تیرے لیے جھکا دی اور میں تجھ پر ایمان لایا تجھی پر میں نے بھروسہ کیا۔ تیری طرف میں متوجہ ہوا۔ تیری ہی مدد سے میں نے جھگڑا کیا اور تیری ہی طرف میں نے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ میرے اگلے پچھلے اور ظاہری اور چھپے ہوئے گناہوں کو بخش دے۔ تو ہی آگے اور پیچھے کرنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تیرا کوئی شریک نہیں)

(2) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ، فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ، وَقُلْ: "اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَهْبَةً وَرَغْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ".

(سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1638)

(حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: جب تو اپنے بستر پر آئے تو وضو کر لے اور پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جا اور کہہ

اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَهْبَةً

وَرَغْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ

(اے میرے پروردگار! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا اور اپنے تمام امور تیری طرف تفویض کر دیے اور اپنی پشت تیری طرف کر دی۔ رغبت اور رہبت میں تیرے علاوہ کوئی ٹھکانہ نہیں، تجھ سے بچ کر کہیں جائے امان نہیں، جو کتاب تو نے نازل کی، اس پر ایمان لایا۔ جو نبی علیہم السلام تو نے بھیجے ان پر ایمان لایا)

(3) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَالَ يَعْنِي إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ: "بِسْمِ اللَّهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ"، يُقَالُ لَهُ كُفِيتَ وَوُقِيتَ وَتَنَحَّى عَنْهُ الشَّيْطَانُ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1379)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص گھر سے نکلتے ہوئے یہ کلمات کہے:

بِسْمِ اللَّهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

(اللہ پاک کے نام سے، میں نے اس پر بھروسہ کیا، گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت صرف اللہ پاک ہی کی طرف سے ہے)

اس سے کہا جائے گا کہ تمہاری کفایت کر دی گئی، اور تم (دشمن کے شر سے) بچا لیے گئے اور شیطان تم سے دور ہو گیا۔

(4) عَنْ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قُلْتُ: "أَخْبِرْنِي عَنْ صِفَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّوْرَاةِ؟ قَالَ: أَجَلْ، وَاللَّهِ إِنَّهُ لَمَوْصُوفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ،" يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ، إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي سَمَّيْتُكَ المتَوَكِّلَ".

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:2043)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ تورات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات کے متعلق خبر دی گئی ہے۔ اللہ پاک نے تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض صفتیں بیان فرمائی ہیں جیسا کہ قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ تورات میں بیان کیا گیا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے تم کو گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھ لوگوں کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تم میرے بندے اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو۔ تمہارا نام ہم نے متوکل رکھا ہے)

(5) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ أَكْثَرْنَا الْحَدِيثَ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ ثُمَّ غَدَوْنَا إِلَيْهِ، فَقَالَ: عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ اللَّيْلَةَ بِأُمَمِهَا فَجَعَلَ النَّبِيُّ يَمُرُّ وَمَعَهُ الثَّلَاثَةُ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الْعِصَابَةُ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ النَّفَرُ وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، حَتَّى مَرَّ عَلَيَّ مُوسَى مَعَهُ كَبْكَبَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَأَعْجَبُونِي، فَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ؟ فَقِيلَ لِي هَذَا أَخُوكَ مُوسَى مَعَهُ بَنُو إِسْرَائِيلَ. قَالَ: قُلْتُ فَأَيْنَ أُمَّتِي: فَقِيلَ لِيَ انْظُرْ عَنْ يَمِينِكَ فَنَظَرْتُ فَإِذَا الظِّرَابُ قَدْ سُدَّ بِوُجُوهِ الرِّجَالِ ثُمَّ قِيلَ لِيَ انْظُرْ عَنْ يَسَارِكَ فَنَظَرْتُ فَإِذَا الْأُفُقُ قَدْ سُدَّ بِوُجُوهِ الرِّجَالِ، فَقِيلَ لِي أَرَضِيتَ؟ فَقُلْتُ: رَضِيتُ يَا رَبِّ رَضِيتُ يَا رَبِّ، قَالَ: فَقِيلَ لِي إِنَّ مَعَ هَؤُلَاءِ سَبْعِينَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِدًا لَكُمْ أَبِي وَأُمِّي إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَكُونُوا مِنَ السَّبْعِينَ الْأَلْفِ فَافْعَلُوا، فَإِنْ قَصَّرْتُمْ فَكُونُوا مِنْ أَهْلِ الظِّرَابِ، فَإِنْ قَصَّرْتُمْ فَكُونُوا مِنْ أَهْلِ الْأُفُقِ، فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ ثَمَّ نَاسًا يَتَهَاوَشُونَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ لِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنَ السَّبْعِينَ فَدَعَا لَهُ فَقَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ قَدْ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ قَالَ ثُمَّ تَحَدَّثْنَا فَقُلْنَا مَنْ تَرَوْنَ هَؤُلَاءِ السَّبْعُونَ الْأَلْفُ قَوْمٌ وُلِدُوا فِي الْإِسْلَامِ لَمْ يُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا حَتَّى مَاتُوا فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "هُمُ الَّذِينَ

لَا یَکْتَوُونَ وَلَا یَسْتَرْقُونَ وَلَا یَتَطَیَّرُونَ وَعَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُونَ".

(مسند احمد، ج:2، رقم الحدیث:1875)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کے وقت ہم لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ جب صبح کو حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج رات میں نے مختلف انبیا کرام علیہم السلام کو ان کی امتوں کے ساتھ دیکھا۔ چنانچہ ایک نبی علیہ السلام گزرے تو ان کے ساتھ صرف تین آدمی تھے۔ ایک نبی علیہ السلام گزرے تو ان کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت تھی۔ ایک نبی علیہ السلام گذرے تو ان کے ساتھ ایک گروہ تھا اور کسی نبی علیہ السلام کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔

حتیٰ کہ میرے پاس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گذر ہوا جن کے ساتھ بنی اسرائیل کی بہت بڑی تعداد تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان کے ساتھ بنی اسرائیل کے لوگ ہیں۔ میں نے پوچھا کہ پھر میری امت کہاں ہے؟ مجھ سے کہا گیا کہ اپنی دائیں جانب دیکھیے؟ تو ایک ٹیلہ لوگوں کے چہروں سے بھرا ہوا نظر آیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ اپنی بائیں جانب دیکھیے؟ میں نے بائیں جانب دیکھا تو افق لوگوں کے چہروں سے بھرا ہوا نظر آیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہیں؟ میں نے عرض کیا: اے پروردگار! میں راضی ہوں، میں خوش ہوں۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ ان لوگوں کے ساتھ ستر ہزار ایسے بھی ہوں گے جو بلاحساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جن پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں) نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: اگر تم ستر ہزار والے افراد میں شامل ہوسکو تو ایسا ہی کرو۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو ٹیلے والوں میں شامل ہوجاؤ اور اگر یہ بھی نہ کرسکو تو افق والوں میں شامل ہو جاؤ۔ کیونکہ میں نے وہاں بہت سے لوگوں کو ملتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن

محصن اسدی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر پوچھنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں بھی ان میں شامل ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں عکاشہ (رضی اللہ عنہ) تم انہی ستر ہزار لوگوں میں شامل ہو۔ پھر ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور پوچھنے لگے کہ میں بھی انہی ستر ہزار افراد میں شامل ہوں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عکاشہ (رضی اللہ عنہ) تم پر سبقت لے گئے۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور گھر تشریف لے گئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں یہ بحث کرنے لگے کہ بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہونے والے یہ لوگ کون ہوں گے؟ بعض نے کہا کہ شاید اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو اسلام کی حالت میں پیدا ہوئے ہوں اور انہوں نے اللہ پاک کے ساتھ کبھی شرک نہ کیا ہو؟ اسی طرح کچھ اور آرا بھی لوگوں نے دیں۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو داغ کر علاج نہیں کرتے۔ جھاڑ پھونک اور منتر نہیں کرتے۔ بدشگونی نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں)

(6) عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ، تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1044)

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم اللہ پاک پر ایسا توکل کرو جیسا کہ ہونا چاہیے، تو وہ تم کو اس طرح سے روزی دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے۔ صبح کو وہ بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے آتے ہیں)

(7) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِي".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:277)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرمایا ہے

کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے، تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں)

(8) عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ، وَلَا فِي إِضَاعَةِ الْمَالِ، وَلَكِنِ الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْثَقَ مِنْكَ بِمَا فِي يَدِ اللّٰهِ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:980)

(حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کا زہد یہ نہیں کہ آدمی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرلے اور نہ یہ ہے کہ اپنا مال تباہ کردے۔ بلکہ زہد اور درویشی یہ ہے کہ آدمی کو اس مال پر جو اس کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جتنا اس مال پر ہے جو اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے)

(9) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَقْوَامٌ أَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ أَفْئِدَةِ الطَّيْرِ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2661)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں کچھ ایسی قومیں داخل ہوں گی کہ جن کے دل (نرم مزاجی اور توکل علی اللہ میں) پرندوں کی طرح ہوں گے)

(10) عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ رَأْسَ الدَّجَّالِ مِنْ وَرَائِهِ حُبُكٌ حُبُكٌ فَمَنْ قَالَ أَنْتَ رَبِّي افْتُتِنَ وَمَنْ قَالَ كَذَبْتَ رَبِّيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ فَلَا يَضُرُّهُ أَوْ قَالَ فَلَا فِتْنَةَ عَلَيْهِ".

(مسند احمد، ج:6، رقم الحدیث:2076)

(حضرت ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دجال کا سر پیچھے سے ایسا محسوس ہوگا کہ اس میں راستے بنے ہوئے ہیں۔ جو اسے اپنا رب مان لے گا وہ فتنے میں مبتلا ہوجائے گا اور جو اس کو جھوٹا کہے گا کہ میرا اللہ پاک میرا رب ہے اور میں اسی پر

بھروسہ کرتا ہوں، تو وہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا)

(11) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنِ اكْتَوَى أَوِ اسْتَرْقَى فَقَدْ بَرِءَ مِنَ التَّوَكُّلِ".

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:2149)

(حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے داغ دلوایا یا جھاڑ پھونک کی وہ اہل توکل کے زمرے سے نکل گیا)

5 توکل کے ارکان

توکل کے تین ارکان ہیں:

(1) **معرفت:** توکل کا پہلا رکن معرفت ہے۔ توحید جس کا اقرار کلمہ توحید سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد وثنا (تعریف) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس میں اس کا اقرار ہے کہ حق تعالیٰ قدرت اور حکمت میں کمال رکھتا ہے جس کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے۔ جس نے سچائی اور اخلاص کے ساتھ اس کا اقرار کرلیا اس کے دل میں ایمان پکا ہوگیا اور اب توکل کی حالت ضرور پیدا ہوگی۔ جب دل پر توحید کا مضمون کھل جاتا ہے تو انسان کا دل اس سے مانوس ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے تو دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر تعلق سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ عارف اپنے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کو موثر سمجھتا ہے اور اللہ پاک کے علاوہ کو غیر موثر۔ توکل اس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔

(2) **حال:** توکل کا دوسرا رکن حال ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ بندہ اپنا کام اللہ پاک کے سپرد کر کے مطمئن رہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی آدمی کسی اعلیٰ وکیل کو اپنے مقدمے میں وکیل بنا کر مطمئن اور بے فکر ہوجایا کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ وکیل عقل مند اور اس کا خیر خواہ ہے۔ وہ مخالف کو کبھی بھی غلبہ نہیں پانے دے گا۔ اسی طرح جب بندہ جانتا ہو کہ رزق،

موت، زندگی اور مخلوق کے چھوٹے بڑے سارے کام اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کی سخاوت، حکمت اور رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ پھر بندہ اپنے دل کو اللہ تعالیٰ پر توکل میں مطمئن پاتا ہے۔

توکل کا دوسرا رکن پہلے رکن کا حاصل ہے۔ سالک اپنا کام خدا کے حوالے کر دیتا ہے۔ قلب کو مطمئن رکھتا ہے اور غیر اللہ کی طرف قطعی متوجہ نہیں ہوتا۔ وہ اسباب کو اللہ پاک کے حکم کی وجہ سے اختیار کرتا ہے اور نتائج کے حوالے سے اس کا دل اللہ پاک کی طرف ہی متوجہ رہتا ہے۔

(3) **اعمال:** توکل کا تیسرا رکن دوسرے رکن کا نتیجہ ہے۔ سالک اللہ پاک پر نظر رکھتے ہوئے اس کی مرضی کے مطابق سبب اختیار کرتا ہے۔ لیکن اس سبب کو مؤثر نہیں سمجھتا بلکہ اس کے حکم پر اس کی نظر ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے ارادے کو اپنے ساتھ کرنے کے لیے دعا اور اچھے اعمال کا اہتمام کرتا ہے۔ وہ سبب سے نہیں بھاگتا بلکہ سبب میں دل کے مشغول ہونے اور اللہ پاک سے غافل ہونے سے بھاگتا ہے۔

6 توکل کی اقسام

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دنیا کے تمام یا زیادہ تر کام اسباب کے تحت ہو رہے ہیں تو پھر اللہ پاک پر توکل کی کیا ضرورت ہے؟ یا آیا توکل صرف ان امور میں کیا جا سکتا ہے جن میں انسانی تدبیر کا عمل دخل نہیں؟

انسان کے دنیاوی معاملات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اختیاری اور غیر اختیاری۔ اس حوالے سے توکل کی بھی دو اقسام ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

(1) غیر اختیاری معاملات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ: غیر اختیاری امور سے مراد وہ معاملات ہیں جو انسانی دسترس سے باہر ہیں اور کوئی تدبیر ممکن نہیں۔ مثلاً ایک شخص اللہ پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے فجر کی نماز پڑھنے منہ اندھیرے گھر سے نکلتا ہے۔ راستے میں کوئی چور یا ڈاکو اسے نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس نقصان سے بچنا اس کے اختیار میں نہیں۔ چنانچہ وہ شخص بھروسہ

رکھتا ہے کہ اللہ پاک اسے کسی چور لٹیرے کے نقصان سے محفوظ رکھے گا۔ اسی طرح قدرتی آفات، حادثات، مالی نقصانات اور بیماریوں میں بہت سے معاملات غیر اختیاری ہوتے ہیں اور ان میں اللہ پاک پر بھروسہ رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ البتہ تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہیں۔

(2) اختیاری معاملات میں اللہ پاک پر توکل: دوسری طرح کے کام وہ ہوتے ہیں جو ظاہری طور پر انسان کی دسترس میں ہوتے ہیں۔ جیسے محنت کر کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنا، تدبیر سے کاروبار کا منافع کمانا، دوا سے بیماری کا علاج کرنا۔ ان امور میں انسان کو چاہیے کہ اس کے بس میں جو اسباب اور تدابیر ہیں انہیں بروئے کار لائے اور پھر نتیجہ اللہ پاک پر چھوڑ دے۔

مثال کے طور پر امتحان میں کامیابی کے لیے ایک طالب علم سارا سال کلاسیں لیتا اور کام مکمل کرتا ہے۔ پھر امتحان بھی دیتا ہے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ کر بھروسہ کرتا ہے کہ وہ اسے کامیاب کرے گا۔ لیکن اس تجزیے کے ساتھ ہی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب طالب علم نے خود ہی تمام محنت کر لی تو پھر اللہ پاک کی مدد کے کیا معنی؟ وہ تو ویسے ہی اپنی محنت کے بل بوتے پر پاس ہو جائے گا تو پھر توکل کیسا؟

اس شبہ کا جب بغور جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم کا امتحان میں پاس ہونا محض محنت کرنے پر منحصر نہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی دوسری چیزیں ہیں جن کی غیر موجودگی اسے ناکامی سے دوچار کرسکتی ہے۔ مثال کے طور یہ عین ممکن ہے کہ وہ امتحانی ہال میں سارا یاد کیا ہوا بھول جائے یا اس کی طبیعت خراب ہو جائے اور وہ پرچہ دینے سے قاصر ہو یا چیک کرنے والا کوئی غلطی کر بیٹھے وغیرہ۔

لہٰذا تمام معاملات کا گہرائی سے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محنت کامیابی کے عوامل (سبب) میں سے ایک سبب ہے۔ اس کی اہمیت اپنی جگہ ہے لیکن کوئی بھی دوسرا سبب اس محنت کو بے کار کرسکتا ہے۔ ایک بندۂ مومن اپنے حصے کا کام کرنے کے بعد نتیجہ کے لیے اللہ

پاک پر بھروسہ کرتا ہے۔ اسی سے مدد مانگتا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

7 توکل کے درجات

توکل کے تین درجے ہیں:

(1) توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ کا توکل اپنے پروردگار پر ایسا ہو جیسا کہ موکل کا اپنے وکیل پر ہوتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کام آدمی خود نہیں سمجھ سکتا اس کو دوسروں کے سپرد کر دیتا ہے۔ لہٰذا توکل کا پہلا درجہ یہی ہے کہ ضروری تدبیر کر کے نتیجہ دل سے اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے کہ وہی جانتا ہے کہ کس چیز میں ہماری خیر ہے۔ یہ عام لوگوں کا توکل ہے۔

(2) توکل کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ متوکل (توکل کرنے والے) کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہو جیسے بچے کا اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے۔ بچہ اپنی ماں کے علاوہ کسی کو جانتا یا پہچانتا ہی نہیں۔ اس کے سوا کسی سے فریاد نہیں کرتا۔ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ جب بھی اپنی ماں کو دیکھتا ہے تو اس کے بدن سے لپٹ جاتا ہے۔ ماں اسے مارتی بھی ہے تو اسی کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی موجودگی میں یا عدم موجودگی میں کوئی تکلیف دہ واقعہ پیش آجائے تو زبان پر سب سے پہلے ماں ہی کا نام آتا ہے۔ ماں کی گود ہی بچے کا ٹھکانہ ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ماں پر اعتماد اور یقین بچے کی فطرت بن چکی ہے۔ لیکن اگر اس سے اس کی عادت اور فطرت کے متعلق پوچھا جائے تو وہ اس کی وضاحت نہیں کر سکتا نہ ہی اس کی تفصیل ذہن میں لا سکتا ہے۔

جس بندے کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا اور اس کی نظر صرف اسی کے کرم پر ہوگی اور اس کی عطا اور بخشش پر اعتماد رکھتا ہوگا وہ اس سے اسی طرح محبت کرے گا جس طرح بچہ اپنی ماں سے کرتا ہے۔ حقیقت میں یہی شخص متوکل (توکل کرنے والا) ہے۔

پہلے درجے اور دوسرے درجے میں فرق یہ ہے کہ پہلے درجے والا شخص تکلف سے توکل اختیار کرتا ہے جبکہ دوسرے درجے والا اس حد تک توکل پر عمل کرتا ہے کہ توکل میں فنا ہو گیا ہے۔ وہ

توکل اوراس کی حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، بلکہ صرف اورصرف اس ذات کی طرف متوجہ رہتا ہے جس پر توکل کیا جاتا ہے۔اس کے سوااس کے دل میں کسی کی گنجائش نہیں ہوتی۔

(3) توکل کا تیسرا اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ متوکل (توکل کرنے والا) اپنی حرکات وسکنات میں اللہ پاک کے سامنے ایسا ہو جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔یعنی اپنے نفس کو مردہ تصور کر لے،جس طرح غسل دینے والے کا ہاتھ مردے کو حرکت دیتا ہے، اسی طرح متوکل (توکل کرنے والاے) کو پکا یقین ہوتا ہے کہ حرکت،قدرت، ارادہ،علم اور تمام صفات کا سرچشمہ صرف اورصرف اللہ پاک کی ذات ہے۔

ایسا شخص اس بچے سے مختلف ہے جو اپنی ماں کے پیچھے دوڑتا ہے،اس کا دامن پکڑ کر کھینچتا ہے اوراس سے فریاد کرتا ہے۔جب کہ یہ شخص اس بچے کی طرح ہے جسے یہ امید ہو کہ اسے اس کی ماں خود ڈھونڈ لے گی۔اگر وہ اس کا دامن نہ بھی تھامے گا تب بھی وہ اسے گود میں اٹھالے گی اور اگر دودھ نہ بھی مانگے گا تو ماں خود پہل کر کے اسے دودھ پلا دے گی۔

توکل کے اس درجے کا تقاضا یہ ہے کہ متوکل (توکل کرنے والا) اللہ تعالیٰ کے کرم اوراس کی توجہ پر اعتماد کر کے اپنے لیے کوئی سوال نہ کرے اور یقین رکھے کہ وہ مانگے بغیر ہی عطا کرنے والا ہے۔اس نے پہلے ہی بے شمار نعمتیں مانگے بغیر اور حق کے بغیر عطا کر رکھی ہیں۔اس درجے کا متوکل دعا صرف اس لیے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔یہ آخری اور انتہائی درجے کا توکل ہے۔اسے خاص الخواص کا توکل بھی کہتے ہیں۔

8 توکل سے متعلق غلط تصورات

اللہ تعالیٰ پر توکل سے متعلق مسلمانوں میں بہت زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ان غلط تصورات کا جائزہ لینا اور سمجھنا ضروری ہے ورنہ دنیا اور آخرت میں اس کے منفی نتائج نکل سکتے ہیں۔

(1) مادی وسائل کے استعمال سے گریز: عام طور پر توکل کا مطلب تدبیر، اسباب اور مادی وسائل کا انکار سمجھا جاتا ہے۔مادی وسائل پر تکیہ کرنا توکل کے مخالف سمجھا جاتا ہے۔حالانکہ اسباب

اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں۔مثال کے طور پر

(i) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بعض لوگ حج کرتے تھے مگر سفر کا خرچ ساتھ نہ رکھتے تھے۔حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یمن کے لوگ حج کرتے تھے اور سامان سفر ساتھ نہ رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں تب اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى.(سورۃ البقرہ،آیت:197)

(سامان سفر ساتھ لو اور سب سے بہتر سامان سفر پرہیز گاری ہے)

(ii) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: کیا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا بغیر باندھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ". (جامع ترمذی، ج:2،رقم الحدیث:417)

(اپنی اونٹنی کو باندھو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو)

(iii) شریعت کے نقطۂ نظر سے اگر کوئی شخص کسی غار میں بیٹھ جائے، جہاں آدم ہو نہ آدم زاد۔گھاس تک نہ ہو، چٹیل میدان ہو اور پھر بندہ کہے کہ میں توکل کر کے اس غار میں بیٹھ گیا ہوں، ایسا توکل قطعاً حرام ہے۔

(2) تدبیر سے گریز: کچھ لوگ تدبیر سے گریز کو توکل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ مالک ہے جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت تدبیر اور اسباب کے استعمال کا سبق دیتی ہے۔مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے وقت مدینے کی مخالف سمت نکلنا، معاملہ خفیہ رکھنا، ایک راہ دکھانے والے سے مدد لینا، غار ثور میں پناہ لینا وغیرہ سب تدابیر تھیں۔اسی طرح غزوہ بدر میں میدان کا انتخاب، غزوہ احد میں مدینہ منورہ سے باہر نکلنا، غزوہ احزاب میں خندقیں کھودنا وغیرہ، وہ سب تدابیر تھیں جو جنگ جیتنے کے لیے لازمی سمجھی گئیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تدبیر اور وسائل کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا لیکن ان اسباب پر کبھی کامل بھروسہ نہیں کیا۔مکہ مکرمہ

فتح کرنے سے قبل اس کی پوری منصوبہ بندی کی اور جب فتح مل گئی تو اللہ تعالیٰ پر توکل اور نصرت کو فوقیت دی۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے تو آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ پاک کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ یکتا و یگانہ ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا تمام لشکروں کو شکست دی۔ یہاں آپ ﷺ نے تدابیر اور اسباب کی تحسین کی بجائے سارا کریڈٹ اللہ تعالیٰ کو دے دیا۔

(3) ممکن و ناممکن کی تفریق: کچھ گروہ کسی ناممکن مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور اس کو توکل سمجھتے ہیں۔ جیسے کچھ جماعتیں کسی منصوبہ بندی کے بغیر پوری دنیا پر اسلامی حکومت نافذ کرنے کے خواب دیکھتی ہیں۔ اس ضمن میں سنت نبوی ﷺ یہ ہے کہ مطلوبہ طاقت نہ ہونے کے سبب آپ ﷺ نے ہجرت کی، مدینہ منورہ میں تیاری کی، مسلم معاشرہ کی تشکیل اور تربیت کی، یہاں تک کہ 8 ہجری میں مکہ مکرمہ فتح کرنے کا قصد کیا۔ اگر ناممکن مقاصد کو حاصل کرنا توکل تھا تو غزوہ بدر، احد اور احزاب (خندق) میں دفاع کی بجائے مکہ مکرمہ پر حملہ کر دینا چاہیے تھا۔

(4) بے پروائی، سستی اور کاہلی کو توکل سمجھنا: عام طور پر اللہ پاک کو خالق (پیدا کرنے والے)، مالک اور رازق (رزق دینے والے) سمجھتے ہوئے عملی کوشش کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ لوگ اس عمل کو توکل کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ توکل نہیں بلکہ انسان کی اپنی سستی، کاہلی اور بے عملی ہے۔ جبکہ توکل کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب بندے نے اپنے حصے کا کام کر لیا ہو۔

9 توکل کا طریقہ کار

توکل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل طریقہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے:

(1) سب سے پہلے یہ جائزہ لینا چاہیے کہ کام جائز ہے یا ناجائز۔ ناجائز ہونے کی صورت میں کام کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے۔ اسی طرح یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کام ممکن ہے یا ناممکن۔

(2) کام جائز ہونے کی صورت میں ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کام کا کتنا حصہ ہمارے اختیار میں ہے۔

جتنا حصہ ہمارے اختیار میں ہے اس کے متعلق تدبیر، مشاورت، وسائل اور اسباب کو استعمال میں لانا چاہیے۔

(3) کام کا جو حصہ اختیار میں نہ ہو اس پر بہت زیادہ تشویش میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

(4) اختیاری اور غیر اختیاری ہر معاملے میں اسباب، تدبیر اور وسائل استعمال کرتے ہوئے ان پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو فیصلہ کرنے والا اور قادر سمجھنا چاہیے۔

(5) کامیابی کی صورت میں اللہ پاک کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ تدبیر، وسائل اور اسباب سب اسی کے ہیں۔ وہی مسبب الاسباب ہے۔

(6) ناکامی کی صورت میں صبر، استقامت سے کام لینا چاہیے۔ ناکامی کے اسباب کا جائزہ لے کر ازسرنو ہمت کرنی چاہیے۔

(7) آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کر کے ایک نئے اعتماد کے ساتھ دوبارہ سفر کا آغاز کرنا چاہیے۔

(8) اگر معاملہ اسباب اور تدبیر کا ہو تو پہلے تمام ممکنہ اسباب مہیّا کرنے اور تدابیر اختیار کرنے کے بعد اللہ پاک پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

(9) ہر حال میں شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ وہ انسان کو اللہ پاک سے بدگمان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(10) نتیجہ آنے تک دعا اور توکل جاری رکھنا چاہیے۔ اس ضمن میں بزرگوں سے کئی ایک دعائیں روایت کی گئی ہیں۔ جیسا کہ

(i) اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَهْبَةً وَرَغْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ. (سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1638)

(اے میرے پروردگار! میں نے اپنی ذات تیرے سپرد کر دی اور اپنے تمام امور تیری طرف تفویض (حوالے) کر دیے اور اپنی پشت تیری طرف کر دی۔ تیری ذات پر مکمل بھروسہ کیا

رغبت ورہبت میں تیرے علاوہ کوئی ٹھکانہ نہیں۔ تجھ سے بچ کر کہیں امان کی جگہ نہیں جو کتاب تو نے نازل کی، اس پر ایمان لایا۔ جو انبیا علیہم السلام تو نے بھیجے، ان پر ایمان لایا)

(ii) بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ.

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1379)

(اللہ پاک کے نام سے میں نے اس پر بھروسہ کیا۔ گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت صرف اللہ پاک ہی کی طرف سے ہے)

(iii) اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ لَكَ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ.

اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ.

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1072)

(اے میرے پالنے والے! ساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ ساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو آسمانوں اور زمین کو قائم رکھنے والا ہے۔ ساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں اور وہ چیزیں کہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ تو حق ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تجھ سے ملاقات حق ہے اور تیرا فرمان حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور انبیا کرام علیہم السلام حق ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق ہیں اور قیامت حق ہے۔

اے میرے پالنے والے! میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں اور تجھی پر ایمان لایا ہوں اور تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور میں تیری ہی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور میں تیری خاطر اوروں سے جھگڑتا

ہوں اور تجھ ہی سے فیصلہ چاہتا ہوں۔ پس تو میرے اگلے پچھلے اور باطنی اور ظاہری گناہ بخش دے۔تو ہی میرا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے)

10 توکل کے بارے میں اقوال

توکل کے متعلق صوفیا کرامؒ کے بہت خوبصورت اقوال ہیں۔ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(1) حضرت جنید بغدادیؒ کے مطابق تمام حالات میں اللہ پاک پر اعتماد کرنا توکل ہے۔

(2) حضرت ابو یعقوب نہر جوریؒ فرماتے ہیں کہ توکل تو درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ علیہ السلام کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟ فرمایا مجھ کو تم سے کوئی حاجت نہیں۔

(3) حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ توکل غیر اللہ کی اطاعت چھوڑ کر صرف اللہ پاک کی اطاعت کرنے کو کہتے ہیں۔

(4) حضرت ذوالنون مصریؒ بیان کرتے ہیں کہ بندہ توکل کی طاقت اس وقت رکھ سکتا ہے جب اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جن میں وہ لگا ہوا ہے جانتا اور دیکھتا ہے۔

(5) حضرت اردشیر العبادیؒ سے منقول ہے کہ توکل تقدیر پر اعتماد کرنے اور فضلِ خداوندی پر بھروسہ کرنے کا نام ہے۔

(6) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ توکل کے دو معنی ہیں:

(i) جب درویش کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے، نہ طلب کرے نہ حرص کرے۔

(ii) جب اس کے پاس کوئی چیز ہو تو ایک دن کی روزی کے برابر اپنے پاس رکھے اور کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرے۔

(7) حضرت فضیل بن عیاضؒ کا قول ہے: توکل یہ ہے کہ نہ کسی سے خوف رکھے نہ توقع۔

(8) حضرت ابوسعید خرازؒ کہتے ہیں کہ توکل بغیر سکون کے اضطراب اور بغیر اضطراب کے سکون کا نام ہے۔

(9) حضرت ابن مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قضا (تقدیر) کو تسلیم کرنا توکل ہے۔

(10) حضرت ابوعثمان حیریؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے اللہ پاک ہی کو کافی سمجھنا توکل ہے۔

(11) حضرت حسین بن منصورؒ روایت کرتے ہیں کہ صحیح متوکل (توکل کرنے والا) وہ شخص ہے کہ جب تک شہر میں اس سے زیادہ حقدار لوگ موجود ہوں وہ بلاضرورت کوئی چیز نہ کھائے۔

(12) حضرت سہل بن عبداللہؒ کہتے ہیں: توکل کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے ہو، جس طرح غسل دینے والے کے سامنے مردہ ہوتا ہے کہ جس طرح چاہتا ہے اسے پلٹتا ہے، نہ وہ حرکت کرسکتا ہے نہ کوئی تدبیر۔

(13) حضرت سہل بن عبداللہؒ سے توکل کی نسبت دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ صحیح توکل تو اہل قبور کا توکل ہے۔

(14) حضرت احمد بن خضرویہؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت حاتم اصمؒ سے پوچھا کہ آپؒ کہاں سے کھاتے ہیں؟ فرمایا اللہ پاک ہی کے لیے زمین وآسمان کے خزانے ہیں۔ مگر نفاق والے نہیں سمجھتے۔

(15) حضرت ابوتراب نخشبیؒ بیان کرتے ہیں: توکل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت پر مطمئن ہو۔ اگر اسے کوئی چیز مل جائے تو وہ اس کا شکریہ ادا کرے اور اگر کوئی چیز نہ ملے تو صبر کرے۔

(16) حضرت ابودقاقؒ فرماتے ہیں: توکل یہ ہے کہ زندگی کی فکر ایک دن تک کرنا اور کل کا غم نہ کرنا۔ پھر فرمایا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سہل بن عبداللہ تستریؒ نے فرمایا: توکل یہ ہے کہ جو کچھ اللہ پاک چاہے، اس کے ساتھ خوشی اور انس (محبت) محسوس کرے۔

(17) حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ توکل کے تین درجے ہیں:

(i) **توکل:** توکل ابتدا ہے۔ اس میں متوکل (توکل کرنے والے) کو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اطمینان ہوتا ہے۔

(ii) **تسلیم:** تسلیم درمیانی درجہ ہے۔ تسلیم کے درجے والا اس پر اکتفا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی حالت کا علم ہے۔

(iii) **تفویض:** تفویض والا اللہ پاک کے حکم پر راضی ہوتا ہے، خواہ اس کے موافق ہو یا مخالف اور یہ انتہائی درجہ ہے۔

(18) کسی شخص نے حضرت حمدون قصارؒ سے توکل کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: اگر تمہارے پاس دس ہزار درہم ہوں اور تمہارے ذمے ایک درہم بھی قرض ہو تو تمہیں ڈر رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مرجاؤں اور یہ قرض میرے ذمے رہ جائے اور برعکس (الٹ) اس کے تمہارے ذمے دس ہزار درہم کا قرض ہو اور تم اتنی رقم نہ چھوڑ کر مرو جو اس قدر قرض کو پورا کردے تو پھر بھی اس بات سے مایوس نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے اسے ادا کردے۔

(19) حضرت حمدون قصارؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک پر اعتماد کرنے کا نام توکل ہے۔

(20) حضرت ابن عطاءؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ توکل کیا ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ اس کے باوجود کہ تمہیں سبب کی اشد ضرورت ہے۔ اگر تم سبب کی طرف لوٹ جانے کے لیے بے چین نہ ہوئے اور باوجود اس کے کہ تم سبب و ذرائع کو استعمال میں لا رہے ہو، پھر بھی تم اس سکون و اطمینان سے (جو تمہیں حق کے ساتھ حاصل ہے نہ ہٹے) تو تم میں توکل ہے۔

(21) ایک شخص حضرت شبلیؒ کے پاس آیا اور زیادہ اولاد کا شکوہ کیا۔ آپؒ نے فرمایا گھر جاؤ اور جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمے نہیں ہے اسے گھر سے نکال دو۔

(22) حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسا ہو جیسے کہ تو کبھی تھا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے ایسا ہو جس طرح وہ ازل (پہلے دن) سے تھا۔

(23) حضرت ابوعبداللہ بن الجلاءؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے پاس پناہ لینا توکل ہے۔

(24) حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ توکل اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور غیر اللہ (اللہ کے علاوہ) سے لالچ کو ختم کرنا ہے۔

(25) خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں: توکل یہ ہے کہ انسان صحیح طور پر یہ جان لے کہ کسی کے اختیار میں کچھ نہیں۔ بہانے بنانا بے کار ہے۔ رزق کی کشادگی (کھلا ہونا) اور تنگی حکمت الٰہی کے تحت ہے۔ رزق کا تقسیم کرنے والا مہربان ہے اور غافل نہیں اور اس کے بعد مطمئن ہو جائے۔

(26) حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں: توکل یہ ہے کہ اللہ پاک کی ذات پر کامل بھروسہ کیا جائے۔

(27) ایک صوفی بزرگ کا قول ہے: توکل یہ ہے کہ تیرے نزدیک دنیا کی کثرت (زیادتی) اور قلت (کمی) یکساں ہو۔

11 توکل کے نصیحت آموز واقعات

(1) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ ذات الرقاع [1] سے واپس نجد کی طرف آ رہے تھے کہ ایک جھاڑی والی وادی میں دوپہر کو آرام کے لیے اترے۔ جس کو جہاں جگہ ملی وہیں آرام کرنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک ببول (کیکر) کے درخت کے نیچے سو گئے اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی۔ جب سارے لوگ سو گئے تو موقع کو غنیمت جان کر ایک مشرک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور درخت سے تلوار اتار کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ اس کافر نے بڑے تکبر سے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اطمینان وسکون سے جواب دیا: اللہ سبحان وتعالیٰ۔ یہ سننا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اٹھالی اور اس کافر سے فرمایا: اب بتاؤ تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اس نے کہا: کوئی نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف فرما دیا۔ (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:1358)

(2) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اللہ پاک کے عظیم پیغمبر تھے۔ آپ علیہ السلام کی قوم بتوں کی پوجا کرتی

---

[1] ۔ 10 محرم 5 ہجری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تاجر کی خبر پر کہ قبیلہ انمار اور ثعلبہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ساتھ لے کر مقامِ ذات الرقاع تک تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لشکر کی خبر سن کر کفار پہاڑوں میں چھپ گئے اور لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ اس غزوہ کو غزوہ ذات الرقاع کہتے ہیں۔

تھی اوراس قوم کا سربراہ حکومت نمرود تھا۔آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتوں کی عبادت سے منع کیا اور ایک خدا کی عبادت کی تبلیغ کی۔ ایک دن ساری قوم جب ایک میلے پر گئی ہوتی تھی، آپ علیہ السلام اکیلے ہی پیچھے رہ گئے تو آپ علیہ السلام نے بت خانہ میں جا کر سب بتوں کو توڑ دیا اور کلہاڑی ایک بڑے بت کے کاندھے پر رکھ دی تاکہ قوم یہ بات سوچنے پر مجبور ہوجائے کہ جو بت خود اپنی حفاظت نہیں کرسکتے وہ دوسروں کی کیا حفاظت کریں گے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ میلے سے واپس آئے تو وہ اپنے بتوں کو ٹوٹا ہوا دیکھ کر حیران رہ گئے۔آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تفتیش کے لیے بلایا گیا۔آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا کیا آپ (علیہ السلام) نے ہمارے خداؤں کو توڑا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم بڑے بت سے ہی پوچھ لو کہ انہیں کس نے توڑا ہے۔تمام لوگ اس سے سمجھ گئے کہ ان کے خداؤں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہی توڑا ہے۔

سب لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس جرم کی سزا کے طور پر زندہ آگ میں ڈال دیا جائے تاکہ ان کے خداؤں کی عزت بحال ہوسکے۔اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا۔پھر ایک بہت بڑا اور گہرا گڑھا کھودا گیا اوراسے لکڑیوں سے بھر کر آگ لگادی گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ میں ڈالنے کے لیے ایک منجنیق (آلہ) بنائی گئی۔جس میں آپ علیہ السلام کو بٹھا کر پھینکا جانا تھا۔آگ میں پھینکنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں بٹھا لیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدد کرو۔فرشتوں نے مدد کرنے کے لیے آپ علیہ السلام سے اجازت مانگی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے اللہ پاک ہی کافی ہے اور وہ میرا حال دیکھ رہا ہے۔حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ علیہ السلام کو میری مدد کی ضرورت ہے تو میں یہ خدمت بہت ہی اچھے طریقے سے سرانجام دوں گا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا مدد کی ضرورت تو ہے مگر آپ علیہ السلام سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔

پس اللہ سبحان وتعالیٰ نے براہ راست آگ ہی کو حکم دیا:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ. (سورۃ الانبیاء، آیت:69)

(ہم نے کہا: اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا)

(3) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دودھ پیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اس کی ماں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو مکہ مکرمہ کی غیر آباد سنسان وادی میں بیت اللہ شریف کے پاس ایک درخت کے نیچے چھوڑ کر اور ایک مشکیزہ پانی اور کچھ سامان دے کر واپس جانے لگے تو بے سہارا ہاجرہ علیہا السلام نے اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا: اے ابراہیم علیہ السلام! آپ علیہ السلام ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں، جبکہ یہاں کوئی چیز ہے نہ انسان؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے آپ علیہا السلام کو یہاں بسانے کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اللہ پاک پر توکل و بھروسہ کرتے ہوئے فرمایا: جب یہ بات ہے تو اللہ تعالی ہم ماں بیٹے کو ہلاک وضائع نہیں کرے گا۔ (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:623)

(4) حضرت ابن طاؤس یمانیؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک اعرابی (عرب کا رہنے والا) اپنی سواری کے ساتھ آیا اور اسے بٹھا کر باندھ دیا۔ پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر دعا مانگی کہ اے اللہ پاک یہ سواری اور جو کچھ اس کے اوپر ہے تیرے حوالے ہے یہاں تک کہ میں واپس آجاؤں۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔ پھر مسجد حرام میں داخل ہو گیا۔ جب باہر آیا تو سواری اور اس پر سامان سب کچھ چوری ہو چکا تھا۔ اس آدمی نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: اے اللہ پاک مجھ سے کچھ نہیں چوری ہوا، چوری تو تیرے ہاں سے ہوئی ہے۔

حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی اعرابی کے ساتھ موجود تھے کہ ہم نے ابوقبیس [1] کے پہاڑ سے ایک آدمی کو اترتے ہوئے دیکھا۔ وہ بائیں ہاتھ سے اونٹ کی مہار پکڑ کر اسے لا رہا تھا اور اس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا گردن میں لٹک رہا تھا۔ وہ شخص اعرابی کے پاس آکر کہنے لگا، اپنی سواری اور سامان لے لیجئے۔ حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے ماجرا پوچھا تو اس

1۔ ابوقبیس ایک پہاڑ ہے جو مکہ مکرمہ کے میں واقع ہے۔

نے کہا کہ ابوقبیس پہاڑ پر مجھے ایک سوار ملا جو سیاہ وسفید رنگ کی سواری پر سوار تھا۔ اس نے کہا: اے چور! اپنا ہاتھ آگے بڑھا۔ اعرابی نے کہا کہ میں نے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے اسے ایک پتھر پر رکھا اور پھر دوسرے پتھر سے کاٹ کر میری گردن میں لٹکا دیا اور کہا: پہاڑ سے اترو اور سواری اور ساز وسامان اعرابی کے حوالے کرو۔

(5) ایک بار حضرت حسین بن منصور حلاجؒ نے حضرت ابراہیم خواصؒ سے پوچھا: تصوف نے تمہیں کہاں تک پہنچایا؟ فرمایا سفر کرتا ہوں تا کہ توکل زیادہ سے زیادہ حاصل کرسکوں۔ حضرت حلاجؒ نے کہا کہ ساری عمر پیٹ بھرنے میں گنوادی۔ توحید میں فنا کا مقام کب پاؤ گے؟

(6) حضرت شقیق بلخیؒ کے ایک شاگرد نے حج کا ارادہ کیا۔ حضرت شقیقؒ نے اس سے کہا: بسطام[1] جا کر حضرت بایزید بسطامیؒ سے ملنا۔ وہ حکم کے مطابق حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں پہنچا۔ انہوں نے کہا: تیرا مرشد کون ہے؟ اس نے کہا حضرت شقیق بلخیؒ۔ پوچھا کہ وہ کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت شقیق مخلوق سے فارغ ہوکر توکل حاصل کرلیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر آسمان بارش نہ برسائے، زمین پر گھاس نہ اگے اور ساری مخلوق کا میں کفیل ہوں، پھر بھی میں توکل سے انہیں پھروں گا۔

حضرت بایزیدؒ نے کہا کہ وہ تو بڑا مشرک اور کافر ہے اور فرمایا کہ اپنے پیر کو جا کر کہو! کہ دو روٹی کے لیے اللہ تعالیٰ کو مت آزماؤ۔ شاگرد یہ سن کر سکتے میں آگیا اور حج پر نہ گیا بلکہ سیدھا بلخ پہنچا اور حضرت بایزیدؒ کا پیغام حضرت شقیقؒ تک پہنچایا۔ انہوں نے کہا: اب پھر جاؤ اور پوچھو کہ تمہارا کیا مسلک ہے؟

مرید بسطام آیا اور حضرت بایزیدؒ سے سوال پوچھا؟ انہوں نے کہا کہ وہ تو بہت ہی نادان ہے۔ اگر میں بتاؤں گا بھی تو تم سمجھ نہ سکو گے۔ اس نے کہا: جناب میں بہت دور سے آیا ہوں، جواب لکھ کر دے دیجیے۔ حضرت بایزیدؒ نے کہا کہ اچھا لکھو:

۱۔ بسطام شمالی ایران کے صوبہ سمنان کا ایک چھوٹا سا شہر ہے جس کی وجہ شہرت حضرت بایزید بسطامیؒ کا مزار مبارک ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کاغذ لپیٹا اور مرید کو دے دیا۔ یعنی بایزیدؒ کچھ نہیں موصوف (خوبی والا) ہی نہیں تو صفت (خوبی) کہاں سے بیان کرے۔

(7) حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے ایک زاہد سے پوچھا کہ کہاں سے کھاتے ہو؟ اس نے کہا کہ یہ بات اس سے پوچھو جو کھانے کو دیتا ہے۔ مجھے اس سے کیا کہ وہ کہاں سے کھلاتا ہے۔

(8) حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا۔ اس سے پوچھا کہ تم کو کس نام سے پکارتے ہیں؟ اس نے کہا کہ جس نام سے آپ پکاریں گے وہی۔ میں نے پوچھا کہ کس قسم کا کھانا کھاتے ہو؟ جواب دیا کہ جو آپ کھانے کے لیے دیں گے۔ پوچھا کہ کیسا لباس پہنتے ہو؟ جواب دیا جیسا آپ پہنائیں گے۔ پوچھا کیا کام کرتے ہو؟ جواب دیا کہ جو آپ حکم دیں گے۔ پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں غلام ہوں میرا چاہنا نہ چاہنا کیا؟ میں نے کہا کہ بندگی اس غلام سے سیکھنی چاہیے اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

(9) حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ امام نے نماز کے بعد کہا: اے شیخ! تم کوئی کاروبار نہیں کرتے تو کہاں سے کھاتے ہو؟ شیخ نے کہا کہ ٹھہر جا! میں پہلے نماز قضا کر لوں۔ امام نے پوچھا کہ کیوں؟ بایزیدؒ نے کہا کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز نہیں جو روزی دینے والے کو نہیں جانتا۔

(10) حضرت شفیق بلخیؒ نے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے پوچھا کہ تمہاری گزر اوقات کیسے ہو رہی ہے؟ جواب دیا کہ اگر کچھ مل جاتا ہے تو شکر کرتا ہوں اور اگر نہ ملے تو صبر کرتا ہوں۔ حضرت شفیقؒ نے کہا کہ یہ تو بلخ کے کتے بھی کرتے ہیں۔ اگر مل جائے تو دم ہلاتے ہیں، اگر کچھ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے پوچھا کہ آپؒ کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا کہ اگر کچھ مل جائے تو ایثار کرتے ہیں۔ اگر کچھ نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ اُٹھے اور ان کے سر پر بوسہ دیا۔

(11) حضرت حسن بصریؒ ایک مرتبہ حبیب عجمیؒ کے پاس تشریف لے گئے تو اس وقت ان کے ہاں جو کی ایک روٹی اور تھوڑا سا نمک تھا۔ وہی مہمان نوازی کو آپؒ کے سامنے رکھ دیا۔ جب انہوں نے کھانا شروع کیا تو ایک مانگنے والا آ پہنچا۔ حضرت حبیبؒ نے وہ روٹی اسے دے دی۔ اس پر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ تم میں شائستگی (اخلاق) تو ضرور ہے اگر تھوڑا سا علم بھی ہوتا تو بہتر تھا۔ تم نے مہمان کے سامنے سے روٹی اٹھا کر فقیر کو دے دی حالانکہ بہتر یہ تھا کہ آدھی روٹی مہمان کے سامنے رہنے دیتے اور آدھی فقیر کو دے دیتے۔ یہ سن کر وہ خاموش رہے۔

کچھ دیر بعد ہی ایک غلام سر پر کھانے کا برتن رکھے ہوئے حاضر ہوا جس میں قسم قسم کے نفیس کھانے موجود تھے اور اس کے ہمراہ پانچ سو درہم بھی تھے۔ آپؒ نے وہ درہم تو غریبوں میں تقسیم کر دیے اور کھانا حضرت حسن بصریؒ کے سامنے رکھ دیا۔ جب حضرت حسنؒ کھانے سے فارغ ہو گئے تو حضرت حبیبؒ نے کہا: اے استاد! آپؒ کا شمار عالموں اور نیک مردوں میں تو ضرور ہوتا ہے لیکن اگر یقین اور توکل کا درجہ بھی حاصل ہوتا تو بہتر ہوتا۔

(12) دو بھوکے افراد حضرت رابعہ بصریؒ کے ہاں آئے۔ آپؒ کے پاس اس وقت صرف دو ہی روٹیاں تھیں۔ وہی ان کے سامنے رکھ دیں۔ اسی وقت ایک اور مانگنے والا آ گیا۔ آپؒ نے وہ دونوں روٹیاں اٹھا کر اس کو دے دیں۔ یہ دیکھ کر ان دونوں مہمانوں نے برا منایا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک کنیز بہت سی گرم روٹیاں لیے ہوئے حاضر ہوئی اور کہا کہ یہ روٹیاں میری مالکن نے بھجوائی ہیں اور جب آپؒ نے ان روٹیوں کو شمار کیا تو وہ گنتی میں اٹھارہ تھیں۔ یہ دیکھ کر حضرت رابعہ بصریؒ نے کنیز سے کہا کہ شاید تجھے غلط فہمی ہو گئی ہے کہ یہ روٹیاں ہمارے لیے نہیں، بلکہ کسی اور کے ہاں بھیجی گئی ہیں۔ کنیز واپس لوٹ گئی۔

جب واپس آئی تو بیس روٹیاں اس کے پاس تھیں۔ رابعہ بصریؒ نے روٹیاں شمار کیں اور پھر مہمانوں کے سامنے رکھ دیں۔ مہمان حیران ہوئے اور کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کھانے کے بعد مہمانوں نے حضرت رابعہ بصریؒ سے اس واقعے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب

دیا کہ جب میں نے سائل کو دو روٹیاں دیں تھیں تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ اے اللہ! تیرا وعدہ ایک کے بدلے دس دینے کا ہے اور مجھے تیری سچی بات پر پکا یقین ہے۔ میں نے تیری رضا کے لیے دو روٹیاں دی ہیں۔ اب مجھے بیس روٹیاں عطا کر۔ جب کنیز اٹھارہ روٹیاں لے کر آئی تو میں سمجھ گئی کہ اس میں اس سے غلطی ضرور ہوئی ہے۔

(13) حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شام کے راستے میں ایک نوجوان کو دیکھا جو بڑے اچھے اخلاق والا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ وہ میری صحبت میں رہنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو بھوکا رہتا ہوں۔ کہنے لگا کہ اگر تو بھوکا رہے گا تو میں بھی بھوکا رہوں گا۔ چار دن اس طرح گزر گئے۔ اس کے بعد ہمارے پاس کہیں سے کوئی چیز آئی تو میں نے اس سے کہا کہ آؤ کھالو۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو عہد کر چکا ہوں کہ کسی کے ذریعے سے کوئی چیز نہ لوں گا۔ میں نے کہا کہ اے بچے! تو نے تو بہت باریک بات کی ہے۔ کہنے لگا کہ اے ابراہیمؒ! میری جھوٹی تعریف نہ کر کیونکہ پرکھنے والا توکل کو خوب جانتا ہے۔ پھر کہنے لگا: توکل کا کمتر درجہ یہ ہے کہ اگرچہ تجھے فاقہ پر فاقہ آئے، پھر بھی تیرا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے۔

(14) حضرت ابراہیم خواصؒ سے کوئی عجیب واقعہ بیان کرنے کے لیے کہا گیا تو آپؒ نے فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام مجھے ملے اور مجھ سے ساتھ دینے کو کہا۔ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ ان کے پاس اطمینان سے رہنے سے کہیں میرے توکل میں فرق نہ آ جائے، لہٰذا میں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

(15) حضرت ابراہیم خواصؒ توکل میں یکتا تھے اور اس بارے میں گہری باتیں کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود اپنے ساتھ ہمیشہ سوئی، دھاگہ، لوٹا اور قینچی رکھتے تھے۔ کسی نے کہا کہ اے ابواسحاقؒ! (آپؒ کی کنیت) آپؒ تو ہر چیز سے خود کو روکتے ہو، پھر یہ چیزیں کیوں اٹھائے اٹھائے پھرتے ہو؟ فرمایا: اس قسم کی چیزوں سے توکل میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ ہمارے ذمہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرائض ہیں اور فقیر کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ کپڑا پھٹ جاتا ہے لہٰذا اپنے پاس سوئی دھاگہ نہ ہو تو ستر کھل جانے کا اندیشہ ہے، جس سے

نماز خراب ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر آپ کے پاس لوٹا نہ ہو تو طہارت خراب ہونے پر پا کی کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟ لہٰذا اگر کوئی فقیر تمہیں لوٹے اور سوئی دھاگے کے بغیر دکھائی دے تو سمجھ لو کہ اس کی نماز کیسی ہو گی؟

(16) ایک آدمی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک لڑکا نہایت خشوع وخضوع سے (دل لگا کر) نماز پڑھ رہا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس نے لڑکے سے پوچھا: تم کس کے بیٹے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میں یتیم ہوں۔ میرے ماں باپ دونوں وفات پا چکے ہیں۔ اس آدمی نے کہا: تم میرے بیٹے بن جاؤ؟ لڑکے نے پوچھا کہ اگر میں بھوکا ہوں تو کھانا کھلاؤ گے؟ اس آدمی نے جواب دیا: ہاں۔ لڑکے نے پوچھا کہ اگر میں ننگا ہوں تو کپڑے پہناؤ گے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ لڑکے نے پوچھا کہ اگر میں بیمار ہو جاؤں تو مجھے شفا دو گے؟ اس آدمی نے کہا: یہ تو میرے اختیار میں نہیں ہے۔ لڑکے نے پوچھا: اگر میں مر جاؤں تو مجھے زندہ کر دو گے؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ یہ اختیار تو مخلوق میں کسی کو حاصل نہیں۔

تب لڑکے نے جواب دیا: تو پھر مجھے اس ذات پر بھروسہ کرنے دیجیے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ وہی مجھے ہدایت دے گا جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ بیمار ہوتا ہوں تو شفا دیتا ہے۔ جس کی ذات سے مجھے پوری امید ہے کہ کل قیامت کے دن میرے گناہوں کو بخش دے گا۔ لڑکے کا یہ جواب سن کر اس آدمی نے کہا:

آمنت باللہ من توکل علی اللہ کفا.

(میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا، جس نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے)

(17) حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بلخ میں سخت قحط پڑا جس سے سب لوگ پریشان تھے۔ لیکن ایک غلام بازار میں بہت خوش اور ہنستا پھر رہا تھا۔ لوگوں نے اسے ملامت کرتے ہوئے کہا: تمہیں شرم نہیں آتی کہ ہر طرف لوگ بھوکے مر رہے ہیں اور تو ہنستا پھر رہا ہے۔ غلام نے جواب دیا: مجھے کوئی غم نہیں، اس لیے کہ میرے مالک کے پاس پورا گاؤں ہے۔ اس بات

نے میرے دل کو ہر قسم کی پریشانی سے آزاد کردیا ہے اور میرے سب غم مٹا دیے ہیں۔
غلام کے اس جواب سے حضرت شقیق بلخیؒ کی گویا آنکھیں کھل گئیں اور تمام پردے دور ہو گئے۔ آپؒ سخت شرمندگی کے احساس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ پاک! یہ غلام اس شخص کا ہے جس کی ملکیت میں صرف ایک گاؤں ہے اور یہ اتنی خوشی منا رہا ہے اور ہم تجھے اپنا پروردگار کہتے ہیں اور اپنی روزی کے لیے اس درجہ فکرمند ہیں جس کا کوئی شمار نہیں۔ بس اس خیال کے بعد آپؒ ساری زندگی کبھی بھی اپنی روزی کے لیے پریشان نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیا۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس غلام کا شاگرد ہوں۔ میں نے توکل اسی غلام سے سیکھا۔

7

مقام صدق

1 صدق کا مفہوم

(1) صدق کے معنی گفتگو، کردار اور احوال (حال) میں سچائی کے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولنے والے کو صادق (سچا) کہتے ہیں۔ صدیق کا لفظ اسی سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بہت زیادہ سچ بولنے والا یعنی جس میں سچائی غالب ہو۔ جو آدمی اپنے نفس کے ساتھ یا دوسروں کے ساتھ دھوکا کرتا ہے وہ صادق نہیں ہو سکتا۔

(2) اخلاقیات میں صدق کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔ صدق سے مراد عام طور پر صرف سچ بولنا سمجھا جاتا ہے مگر درحقیقت اس لفظ کا مفہوم زیادہ وسیع ہے۔ صدق کی علامات میں زبان اور دل کی ہم آہنگی، قول اور فعل میں مطابقت، ظاہر اور باطن کی ہم رنگی اور عقیدہ و فعل کی ہم آہنگی سب شامل ہیں۔

(3) کتنے ہی خطرات کا سامنا ہو قدم صدق سے نہ ڈگمگائیں۔ ذاتی نفع نقصان کا لحاظ کیے بغیر سچائی کے ساتھ حق بات کہنا اور حق پر عمل کرنا ایک کامل مومن کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صدق کو ایمان اور اس کے مقابل جھوٹ کو نفاق (منافقت) کی علامت قرار دیا ہے۔

(4) صدق وہ بنیادی صفت ہے جس کے بغیر صحت مند اور با اخلاق معاشرت کا قیام ناممکن ہے۔ صدق پر قائم معاشرے کا تنا مضبوط اور جڑیں گہری ہوتی ہیں۔ زبان، دل اور عمل میں اگر صدق کا عنصر موجود ہے تو انسانی شخصیت عظمت سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

(5) عبادت و اطاعت میں کمال کا درجہ اختیار کرنا صدق ہے۔ مثلاً نماز اس طرح پڑھنا جسے شریعت نے صلوٰۃ کاملہ (کامل نماز) کہا ہے یعنی ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا صدق ہے۔

(6) صدق بنیاد ہے اور اخلاص شاخ۔ کمال صدق یہ ہے کہ ظاہر اور باطن یکساں ہو۔ ایسا آدمی صدیق کہلانے کا مستحق ہے۔

(7) صدیق کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذوق کو شریعت کے عقائد کا ادراک ہونے لگے اور شریعت

کے اعمال فطری طور پر ہونے لگیں۔ عقائد اس کے نزدیک بدیہیات ہو جائیں اور عبادات، عادات بن جائیں۔

(8) جو لوگ قول و عمل کے اس درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں، ان کو شریعت کی زبان میں صدیق کہتے ہیں جو نبوت کے بعد نہ صرف انسانیت کا سب سے بلند مرتبہ بلکہ معراج انسانیت ہے۔

(9) توریہ کرنا یعنی ایسی بات کرنا جس کے دو یا دو سے زیادہ معنی ہوں (کہنے والا کا مقصد وہ نہ ہو جو ظاہری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہو، بلکہ اصل معنی چھپا ہوا ہو، جو کہ سننے والا آسانی سے نہ سمجھ سکتا ہو) توریہ کرنا کہلاتا ہے۔ توریہ کرنا صدق کے خلاف نہیں ہے لیکن توریہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دو شرائط کو سامنے رکھے:

(i) ایسی بات میں استعمال کیے گئے الفاظ میں دوسرے معانی ممکن ہوں۔

(ii) وہ بات ظلم یا کسی گناہ کے لیے نہ ہو۔

اس کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ بات ہے، جو آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوران فرمائی تھی۔ جب راستے میں لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ تمہارے ساتھ یہ شخص (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کون ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ انہیں بتاتے کہ هٰذَا هَادٍ يَهْدِي السَّبِيلَ. (یہ راہنما ہیں، مجھے راستہ دکھا رہے ہیں)

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:1528)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو فرما رہے تھے وہ بالکل سچ تھا۔ لیکن سننے والے کو یہی سمجھ آتا کہ یہ کوئی مقامی راستے جاننے والا رہنما ہے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس بات سے مراد یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی جنت کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔

2 صدق قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب قرآن کریم میں بار بار صدق کا حکم دیا ہے۔ صادقین کو آخر میں ملنے والے بلند درجات کا ذکر فرمایا ہے۔ ایسی بہت سی آیات ہیں، کچھ یہ ہیں:

(1) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. (سورۃ التوبہ، آیت:119)

(اے ایمان والو! اللہ پاک سے ڈرتے رہو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ رہو)۔

اس آیت پاک میں کیسا عظیم الشان اور انقلابی دو نکاتی پروگرام بتایا گیا ہے:

(i) تم خود متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔ ہر اس چیز سے بچو جو تمہارے خالق و مالک کی ناراضی کا باعث ہو۔ اس طرح تم پاکیزہ اور قیمتی انسان بن جاؤ گے۔

(ii) سچے، متقی اور پرہیزگار لوگوں کا ساتھ دو تاکہ اس طرح تم حق اور اہل حق کی قوت کا ذریعہ بنو۔

ان دو باتوں پر عمل کرنے سے پورا معاشرہ پاکیزہ اور مثالی معاشرہ بن جائے گا۔

(2) مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ.

(سورۃ الاحزاب، آیت:23-24)

(مومنوں میں کتنے ہی ایسے ہیں کہ جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اسے سچ کر دکھایا۔ بعض نے تو (شہید ہو کر) اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض انتظار کر رہے ہیں اور وہ (اپنے عہد و پیمان میں) ذرا بھی نہیں بدلے۔ تاکہ اللہ پاک سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے)

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ

(i) مومنین میں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرتے ہیں۔ اللہ پاک سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کی مکمل اطاعت کرتے ہیں۔

(ii) مومنین اس سلسلے میں تھوڑی سستی برتتے ہیں۔ اللہ پاک سے ان کا تعلق ذرا کمزور ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کچھ کوتاہی کرتے ہیں۔

(iii) کچھ لوگ محبت الٰہی میں کوشش کرتے کرتے شہید ہو جاتے ہیں، فوت ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی حق کے لیے خرچ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنا وعدہ پورا کر دکھاتے ہیں۔

(iv) وہ مومنین جو ابھی بھی حق کے لیے دن رات کوشش کر رہے ہیں۔ جان اور مال لگا رہے ہیں۔ اس امید پر کہ وہ اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگا کر مالک حقیقی سے جلد جا ملیں گے اور

اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غلامی کا وعدہ پورا کر دکھائیں گے۔

(v) اللہ پاک ان مومنین کو اس پاک زندگی کا ضرور بدلہ دے گا۔ ان سے اس دنیا میں اور آخرت میں خوش ہوگا۔ انہیں فلاح (کامیابی) اور سلامتی عطا کرے گا۔ غم اور تکلیف سے دور رکھے گا اور ان کے کسی بھی عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔

(vi) سچے مومن کی زندگی خیر ہی خیر ہے۔ اسے ناکامی اور نامرادی نہیں ملتی۔ اس دنیا میں بھی وہ خیر و برکت والی زندگی گزارتا ہے اور اجر اور ثواب کی دولت کے ساتھ مرتا ہے۔ ایمان و یقین اور خیر سے محرومی ہی خسارہ ہے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

(3) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ.

(سورۃ القمر، آیت: 54-55)

(پرہیزگار لوگ باغوں اور نہروں میں سچی عزت کی جگہ بادشاہ قادر کے قریب ہوں گے)۔

اس آیت پاک میں واضح کیا گیا ہے کہ متقی و پرہیزگار اور سچے لوگوں کو آخرت میں ایسی جنت عطا ہوگی جس میں نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کو بہت بلند مقام عطا کیا جائے گا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی قربت عطا ہوگی، جس کے سبب ان کی عزت میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔

(4) اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا.

(سورۃ الاحزاب، آیت: 35)

(مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی

عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، کچھ شک نہیں کہ ان کے لیے اللہ پاک نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر خیر فرمایا ہے جنہیں ان کے اعمال کے بدلے میں نہ صرف بخش دیا گیا ہے بلکہ ان کے لیے بہت بڑا اجر (انعام) ہے۔ ان کی خصوصیات یہ ہیں:

(i) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔

(ii) اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری (تابعداری) کرتے ہیں۔

(iii) ہمیشہ سچ بولتے اور سچ ہی کی پیروی کرتے ہیں۔

(iv) دکھ اور تکلیف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش سمجھتے ہوئے اس پر آہ وزاری کی بجائے صبر کرتے ہیں۔

(v) ہمیشہ اللہ پاک سے ڈرتے ہیں۔

(vi) تنگی اور کشادگی میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔

(vii) اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر روزے رکھتے ہیں۔

(viii) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

(ix) خدا تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔

(5) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. (سورۃ الحجرات، آیت:15)

(حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ پاک کی راہ میں جہاد کیا، وہی سچے لوگ ہیں)

اس آیت پاک میں سچوں کی درج ذیل خوبیاں بیان کی گئی ہیں:

(i) وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ ہر لمحہ اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے کوشش کرتے رہتے ہیں۔

(ii) وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس سے محبت اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

(iii) ان کا ایمان پختہ ہوتا ہے۔ انہیں اپنے عقیدے اور عمل پر کوئی شک نہیں ہوتا۔ ان کا دل اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر مطمئن ہوتا ہے۔

(iv) وہ اپنی جان سے اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اپنے قول اور عمل سے اللہ پاک کا تعارف کراتے ہیں۔ حق کی راہ میں مشکلات برداشت کرتے اور انسانوں کی بھلائی کے لیے جان کھپاتے ہیں۔

(v) اپنے مال سے اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی خدمت کرتے ہیں۔ خیرات اور صدقات دیتے ہیں۔

(6) فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى.

(سورۃ اللیل، آیت: 5-7)

(تو جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کو سچ جانا۔ تو ہم اس کے لیے جنت کی راہیں آسان کر دیں گے)

ان آیات مبارکہ میں اللہ پاک کی طرف سے خوشخبری دی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رستے میں اپنا مال خرچ کرتے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔ اس کے احکامات کو سچ جان کر اپنی طاقت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ان کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی یہ خوشخبری ایک عظیم سعادت (خوش قسمتی) اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے، جس کو ہرگز نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

(7) قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.

(سورۃ المائدہ، آیت: 119)

(اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچ بولنے والوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ ان سے اللہ پاک راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہی بڑی کامیابی ہے)

اس آیت شریفہ میں بتایا گیا ہے کہ

(i) قیامت کے دن اللہ تعالی ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچ بولنے والوں کو ان کی سچائی کام دے گی اور وہ اس کا اجر پائیں گے۔

(ii) صدق (سچائی) اور صفا (پاکیزگی) کے بدلے میں جنت کی ایسی بے مثال کامیابی اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے سرفرازی ہوگی، جس کا اس دنیا میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔

(iii) جو لوگ زندگی بھر حق اور صدق کی راہ پر رہے ہوں گے، وہ اس دن اپنی اس سچائی کا انعام ہمیشہ کی کامیابی کی صورت میں پائیں گے۔

(iv) حساب و کتاب اور عدل و انصاف کا وہ دن سچ بولنے والوں کے لیے کامیابیوں اور خواہشات کے پورا ہونے کا دن ہوگا۔

(v) اصل اور حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے جو کہ حقیقی و ابدی ہوگی۔ اس جیسی اور کوئی کامیابی ممکن ہی نہیں۔

(vi) جن کو یہ سب سے بڑی کامیابی نصیب ہوگی وہی اصل اور حقیقی معنوں میں کامیاب لوگ ہوں گے۔

(vii) یہی وہ اصل اور حقیقی کامیابی ہے جسے انسان کو ہر وقت اور ہر حال میں اپنے سامنے رکھنا چاہیے اور اسی کے لیے کوشش اور محنت کرنی چاہیے۔

(viii) اس دن اللہ تعالیٰ ان صادق لوگوں سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے گا اور صادق مومنین اللہ تعالیٰ سے خوش ہوں گے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: "يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ"، فَيَقُولُونَ:

لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ، فَيَقُولُ: "هَلْ رَضِيتُمْ"، فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى، وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: "أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ"، قَالُوا: يَا رَبِّ، وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ، فَيَقُولُ: "أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1496)

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا کہ اے جنت والو! جنتی جواب دیں گے ہم حاضر ہیں اے ہمارے پروردگار! تیری سعادت حاصل کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا، کیا اب تم لوگ خوش ہوئے؟ وہ کہیں گے اب بھی بھلا ہم راضی نہ ہوں گے کیونکہ تو نے ہمیں وہ سب کچھ دے دیا، جو اپنی مخلوق میں کسی آدمی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہیں اس سے بھی بہتر چیز دوں گا۔ جنتی کہیں گے، اے ہمارے رب! اس سے بہتر اور کیا چیز ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا! کہ اب میں تمہارے لیے اپنی رضامندی کو ہمیشہ کے لیے کر دوں گا (اس کے بعد کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا))

(8) لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا. (سورۃ الاحزاب، آیت:24)

(تاکہ اللہ تعالیٰ سچ بولنے والوں کو ان کے سچ کی جزا عطا فرمائے اور اگر چاہے تو منافقوں کو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کرے، بے شک اللہ پاک بخشش کرنے والا اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے:

(i) اللہ پاک آخرت میں سچ بولنے والوں کو سچ بولنے کا اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

(ii) اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔

(iii) اللہ پاک رحم کرنے والا ہے۔

(iv) اللہ پاک توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

(v) اللہ پاک اگر چاہے تو منافقوں کو سزا دے۔

(vi) اگر منافق سچے دل سے توبہ کریں تو اللہ پاک ان کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے۔

(9) لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ.

(سورۃ البقرہ، آیت:177)

(نیکی صرف مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرنے ہی میں نہیں۔ حقیقی نیکی اس شخص کی (نیکی) ہے جو اللہ تعالیٰ، قیامت کے دن، فرشتوں، کتاب اللہ اور نبیوں پر ایمان لاتا ہے۔ جو لوگ مال کے محبوب ہونے کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دیں۔ غلاموں کو آزاد کریں، نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اپنے وعدے پورے کریں۔ تنگ دستی اور لڑائی کے وقت صبر کریں۔ یہی لوگ سچے اور یہی پرہیز گار ہیں)

اس آیت پاک میں صادقین (سچے) اور فلاح پانے والوں کی یہ دس نشانیاں بیان کی گئی ہیں:

(i) اللہ پاک پر ایمان لاتے ہیں۔

(ii) قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔

(iii) فرشتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

(iv) آسمانی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔

(v) انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔

(vi) اللہ پاک کے راستے میں مال خرچ کرتے ہیں۔

(vii) نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

(viii) زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

(ix) اپنے وعدے پورے کرتے ہیں۔

(x) مشکلات میں صبر کرتے ہیں۔

(10) اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ.

(سورۃ آل عمران، آیت:17)

(وہ صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، تابعداری کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت بخشش مانگنے والے ہیں)

اس آیت پاک میں مومنین کی مندرجہ ذیل نشانیاں بیان کی گئی ہیں:

(i) مومنین مشکلات میں صبر کرتے ہیں۔

(ii) ہر حال میں سچ بولتے ہیں۔

(iii) اللہ پاک کے احکامات کی پابندی کرتے ہیں۔

(iv) اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

(v) اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے صبح کے وقت بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔

(11) اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ سچ بولنا انبیا علیہم السلام کی سنت ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کے سب صادق تھے۔ ہر امتی کو اپنے نبی علیہ السلام سے خصوصی محبت ہوتی ہے اور انسان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جس سے محبت کرتا ہے، اس کے ہر عمل کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ پاک نے بعض انبیا علیہم السلام کا نام لے کر یاد کروایا ہے کہ وہ تو صادق تھے۔ اگر تم حقیقت میں ان سے سچی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو ان کی پیروی کرو۔ خدا پاک نے بعض انبیاء علیہم السلام کا نام لے کر قرآن پاک میں ان کے صادق ہونے کی گواہی دی ہے:

(i) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا. (سورۃ مریم، آیت:41)

(اور کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرو بیشک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے)

(ii) وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا. (سورۃ مریم، آیت:50)

(ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کو سچی ناموری سے نوازا)

(iii) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا.
(سورۃ مریم، آیت:54)
(اور کتاب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کرو وہ وعدہ کے سچے اور (ہمارے) بھیجے ہوئے نبی تھے)

(iv) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا. (سورۃ مریم، آیت:56)
(اور کتاب میں حضرت ادریس علیہ السلام کا بھی ذکر کرو وہ بھی نہایت سچے رسول اور نبی تھے)

(v) مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (سورۃ آلِ عمران، آیت:67)
(حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سچے مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے)

3 صدق احادیث کی روشنی میں

اللہ پاک کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کی تلقین کی ہے۔مثال کے طور پر:

(1) عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أمرني ربي بتسع خشية الله في السر والعلانية، وكلمة العدل في الغضب والرضى، والقصد في الفقر والغنى، وأن أصل من قطعني، وأعطي من حرمني، وأعفو عمن ظلمني، وأن يكون صمتي فكرا، ونطقي ذكرا، ونظري عبرة".
(مشکوٰۃ المصابیح، ج:4، رقم الحدیث:1288)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے مجھ کو نو باتوں کا حکم دیا ہے:

(i) ظاہر اور چھپی ہر حالت میں اللہ پاک سے ڈروں۔
(ii) ہمیشہ سچ بولوں، غصہ کی حالت ہو یا رضامندی کی۔
(iii) امیری اور غریبی دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کروں۔

(iv) اس سے تعلق جوڑوں جو مجھ سے تعلق توڑے۔ (اس کا حکم دیا گیا ہے اگر کوئی رشتہ دار بدسلوکی کرے اور رشتہ داری کا تعلق ختم کرے تو اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے اور اس کے ساتھ تعلق کو قائم رکھنے کی کوشش کی جائے)

(v) جو مجھے محروم کرے اسے عطا کروں۔ (اس شخص کو بھی بخشش سے نوازا جائے جو آپ کو خیر سے محروم رکھے)

(vi) ظلم اور زیادتی کرنے والوں کو معاف کروں۔

(vii) خاموشی کی حالت میں غور وفکر کروں یا اللہ پاک کا ذکر۔

(viii) جب بولوں تو اللہ پاک کا ذکر کروں۔

(ix) میری نظر عبرت (سبق حاصل کرنے) کے ہو (جب اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کی طرف دیکھا جائے تو وہ دیکھنا عبرت حاصل کرنے کے لیے اور توجہ کے ساتھ ہو، نہ کہ غفلت کے ساتھ)

(2) قَالَ أَبُو سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ هِرَقْلَ، قَالَ لَهُ: سَأَلْتُكَ، مَاذَا يَأْمُرُكُمْ؟ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ "أَمَرَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:2569)

(حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہرقل نے ان سے (مسلمان ہونے پہلے) پوچھا کہ تمہارے پیغمبر تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ تو میں نے جواب دیا کہ وہ ہمیں نماز، سچائی، پاک دامنی، وعدہ پورا کرنے اور امانتوں کی ادائی کا حکم دیتے ہیں)

(3) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا".

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:2057)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچ بولنے کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ ہمیشہ اور پابندی کے ساتھ سچ بولنا، نیکی کی طرف لے جاتا ہے۔ نیکی جنت کے اعلی درجات تک پہنچاتی ہے اور یادرکھو! جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے اور ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق (سچا) لکھا جاتا ہے۔ تم اپنے آپ کو جھوٹ بولنے سے باز رکھو کیونکہ جھوٹ بولنا گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی آگ میں دھکیلتا ہے اور یادرکھو! جو شخص بہت جھوٹ بولتا ہے اور زیادہ جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب (جھوٹا) لکھا جاتا ہے)

(4) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "كُلُّ مَخْمُومِ الْقَلْبِ صَدُوقِ اللِّسَانِ"، قَالُوا: صَدُوقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهُ، فَمَا مَخْمُومُ الْقَلْبِ، قَالَ: "هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ، لَا إِثْمَ فِيهِ، وَلَا بَغْيَ، وَلَا غِلَّ، وَلَا حَسَدَ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1096)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کون سا آدمی افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صاف دل اور زبان کا سچا۔ لوگوں نے عرض کیا: زبان کے سچے کو تو ہم پہچانتے ہیں، لیکن صاف دل کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پرہیز گار، پاک صاف جس کے دل میں نہ گناہ ہو، نہ بغاوت، نہ بغض، نہ حسد)

(5) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، "أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا؟ فَقَالَ نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ بَخِيلًا؟ فَقَالَ نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟ فَقَالَ لَا".

(موطا امام مالک، ج:1، رقم الحدیث:1713)

(حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ پھر عرض کیا گیا کہ مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ پھر عرض کیا گیا کہ کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا)

(6) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "التَّاجِرُ الْأَمِينُ الصَّدُوقُ الْمُسْلِمُ مَعَ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ".

(سنن ابن ماجہ، ج:2، رقم الحدیث:297)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سچا امانت دار تاجر قیامت کے دن شہدا (شہید) کے ساتھ ہوگا)

(7) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِمِثْلِهَا حَتَّى يَلْقَى اللّٰهَ".

(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:336)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی سچے دل سے اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کی ہر نیکی کو دس سے لے کر سات سو نیکیوں تک لکھا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاتا ہے)

(8) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُؤْمِنُ الْعَبْدُ الْإِيمَانَ كُلَّهُ حَتَّى يَتْرُكَ الْكَذِبَ فِي الْمِزَاحِ، وَالْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ صَادِقًا". (مسند احمد، ج:4، رقم الحدیث:1590)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک مذاق میں بھی جھوٹ بولنا چھوڑ نہ دے اور سچا ہونے کے باوجود جھگڑا ختم نہ کردے)

(9) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ، وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ، وَإِنْ كَانَ مَازِحًا، وَبِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَّنَ

خُلُقَهُ". (سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1396)

(حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، میں اس کے لیے جنت میں ایک گھر کا ضامن ہوں اور جو شخص مذاق اور مزاح میں بھی جھوٹ بولنا چھوڑ دے، میں اس کے لیے جنت کے وسط (درمیان) میں ایک گھر کا ضامن ہوں اور جو شخص اعلیٰ اخلاق کا مالک ہو، میں اس کے لیے اعلیٰ جنت میں ایک مکان کا ضامن ہوں)

(10) عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّمَا يَنْصُرُ اللّٰهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ بِضَعِيفِهَا، بِدَعْوَتِهِمْ، وَصَلَاتِهِمْ، وَإِخْلَاصِهِمْ".

(سنن نسائی، ج:2، رقم الحدیث:1091)

(حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ اس امت کی امداد کمزور افراد کی دعا اور نماز اور اخلاص کی برکت سے فرمائیں گے)

(11) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا عَمَلُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: "الصِّدْقُ وَإِذَا صَدَقَ الْعَبْدُ بَرَّ وَإِذَا بَرَّ آمَنَ وَإِذَا آمَنَ دَخَلَ الْجَنَّةَ". قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا عَمَلُ النَّارِ؟ قَالَ: "الْكَذِبُ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ فَجَرَ وَإِذَا فَجَرَ كَفَرَ وَإِذَا كَفَرَ دَخَلَ يَعْنِي النَّارَ".

(مسند احمد، ج:3، رقم الحدیث:2137)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جنت میں جانے کا باعث عمل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: سچ بولنا۔ جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کرتا ہے اور جب نیکی کرتا ہے تو ایمان لاتا ہے اور جب ایمان لے آیا تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پھر اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جہنم میں جانے کا باعث عمل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: جھوٹ بولنا۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو گناہ کرتا ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو کفر کرتا ہے اور

جب کفر کرتا ہے تو جہنم میں داخل ہو جائے گا)

(12) عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، أَوْ قَالَ حَتَّى يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا، بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا، مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا".

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1999)

(حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیچنے والے اور خریدنے والے کو اختیار ہے جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوں۔ اگر دونوں سچ بولیں اور صاف صاف بیان کریں تو ان دونوں کی بیع (خرید و فروخت) میں برکت ہو گی اور اگر دونوں نے (عیب) چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان دونوں کی بیع کی برکت ختم کر دی جائے گی)

(13) قَالَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ". (سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1581)

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تباہی ہے اس شخص کے لیے جو محض دوسروں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے)

(14) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ، بُنِيَ لَهُ قَصْرٌ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ، بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا". (سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:51)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص جھوٹ بولنا چھوڑ دے اور وہ جھوٹ ناحق ہو تو اس کے لیے جنت کے کنارے پر محل بنایا جاتا ہے اور جو شخص حق پہ ہونے کے باوجود جھگڑا اور بحث و تکرار چھوڑ دے، اس کے لیے جنت کے درمیان میں محل بنایا جاتا ہے)

(15) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي قُرَادٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ يَتَمَسَّحُونَ بِوَضُوئِهِ، فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: مَا يَحْمِلُكُمْ عَلَى هَذَا؟ قَالُوا: حُبُّ اللهِ وَرَسُولِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّ اللهَ وَرَسُولَهُ، أَوْ يُحِبَّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ فَلْيَصْدُقْ حَدِيثَهُ إِذَا حَدَّثَ، وَلْيُؤَدِّ أَمَانَتَهُ إِذَا ائْتُمِنَ، وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ".

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:4، رقم الحدیث:921)

(حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے پانی کو اپنے جسم پر ملنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا: تم یہ جو کچھ کر رہے ہو اس کا سبب کیا ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے محبت کریں تو اس کو چاہیے کہ جب بولے تو سچ بولے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس امانت کو ادا کرے اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھی ہمسائیگی کا ثبوت دے)

(16) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدٍ الْحَضْرَمِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ، وَأَنْتَ لَهُ بِهِ كَاذِبٌ". (سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1563)

(حضرت سفیان بن اسد حضرمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے کوئی بات کہو، وہ تم کو اس بات میں سچا جانے جب کہ حقیقت میں تم نے اس سے جھوٹ بولا ہو)

(17) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ".

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:2570)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں:

(i) جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔

(ii) جب امانت دی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(iii) جب وعدہ کرے تو اس کو وفا نہ کرے۔

(18) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُؤْمِنُ الْعَبْدُ الْإِيمَانَ كُلَّهُ حَتَّى يَتْرُكَ الْكَذِبَ فِي الْمُزَاحَةِ وَيَتْرُكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ صَادِقًا". (مسند احمد، ج:4، رقم الحدیث:1455)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک کامل (پکا) مومن نہیں ہوسکتا جب تک مذاق میں بھی جھوٹ بولنا نہ چھوڑ دے اور سچا ہونے کے باوجود جھگڑا ختم نہ کردے)

(19) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ".
(سنن ابوداؤد، ج:2، رقم الحدیث:597)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور برے عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے)

(20) عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: "صَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا، فَقَالَ: " عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّورِ، بِالْإِشْرَاكِ بِاللّٰهِ، ثَلَاثَ مِرَارٍ". (سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:206)

(حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا: جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے۔ یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار دہرایا)

(21) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "ثَلَاثَةٌ لَا

يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ خَابُوا وَخَسِرُوا؟ فَأَعَادَهَا ثَلَاثًا، قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ خَابُوا وَخَسِرُوا؟ فَقَالَ: الْمُسْبِلُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ أَوِ الْفَاجِرِ". (سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:696)

(حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ بات کرے گا، نہ انہیں رحمت کی نظر سے دیکھے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کون لوگ ہیں جو ناکام ہوئے اور گھاٹے اور خسارے میں رہے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی بات تین بار دہرائی۔ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کون لوگ ہیں جو ناکام ہوئے اور گھاٹے اور خسارے میں رہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(i) تکبر سے ٹخنے سے نیچے تہ بند لٹکانے والا۔

(ii) احسان جتانے والا۔

(iii) جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا۔

(22) عَنْ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّهُ قِيلَ لِلُقْمَانَ مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرَى يُرِيدُونَ الْفَضْلَ؟ فَقَالَ لُقْمَانُ: "صِدْقُ الْحَدِيثِ، وَأَدَاءُ الْأَمَانَةِ، وَتَرْكُ مَا لَا يَعْنِينِي".

(موطا امام مالک، ج:1، رقم الحدیث:1712)

(حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ تم کو کس وجہ سے اتنی بزرگی حاصل ہوئی؟ انہوں رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ سچ بولنے، امانت داری اور لغو کام چھوڑ دینے کی وجہ سے)

4 صدق کی اقسام

دین میں صدق سے عام طور پر افعال (کام) کا صدق، اقوال (بات) کا صدق اور احوال (حال) کا صدق مراد لیا جاتا ہے۔

(1) اقوال کا صدق تو یہ ہے کہ بات مستند ہو یعنی واقع کے مطابق ہو۔ جس شخص میں یہ صفت ہو اس کو صادق الاقوال (بات میں سچا) کہتے ہیں۔

(2) افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو، شریعت کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ جس شخص کے کام ہمیشہ شریعت کے مطابق ہوں اس کو صادق الافعال (کام میں سچا) کہا جاتا ہے۔

(3) احوال کا صدق یہ ہے کہ وہ احوال سنت کے موافق ہوں جو احوال خلاف سنت ہوں وہ احوال جھوٹے ہیں اور جس شخص کے احوال سنت کے موافق ہوتے ہیں اس کو صادق الاحوال (حال کا سچا) کہتے ہیں۔

5 صدق کے مراتب

صدق (راستی) کا تعلق چھ چیزوں سے ہے یعنی یہ صدق چھ چیزوں میں ہوتی ہے اور جو کوئی ان چیزوں میں کامل ہو وہ صدیق ہے:

(1) پہلا صدق زبان کا صدق ہے کہ انسان کبھی جھوٹ نہ بولے، نہ گزرے ہوئے زمانہ کی خبر میں، نہ زمانہ حال میں اور نہ اس وعدہ میں جو آئندہ کے لیے کیا ہے۔

(i) صدقِ زبان کا کمال یہ ہے کہ اشارہ میں بھی بات چیت نہ کرے کہ اس نے کچھ کہا اور دوسرا شخص اسے کچھ اور سمجھے۔

(ii) اگر بات کرنے والا ایسی جگہ ہے جہاں سچ کہنا مصلحت کے مناسب نہیں ہے، مثلاً دشمن سے بات کرنا پڑے یا مسلمانوں کے مابین صلح کرانا مقصود ہو، تو بھی کمال یہ ہے کہ ان مواقع پر ممکنہ حد تک اشارے میں بات کہے، صاف جھوٹ نہ بولے۔ مثال کے طور پر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ بات جو آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوران فرمائی تھی۔ جب راستے میں لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ تمہارے ساتھ یہ شخص کون ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ انہیں بتاتے کہ

ھٰذَا ھَادٍ یَھْدِی السَّبِیْلَ. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:1528)

(یہ راہنما ہیں، مجھے راستہ دکھا رہے ہیں)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو فرما رہے تھے وہ بالکل سچ تھا۔ لیکن سننے والے کو یہی سمجھ آتا کہ یہ کوئی مقامی راستے جاننے والا رہنما ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس بات سے مراد یہ ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ پاک کی طرف، اس کی رضا اور اس کی جنت کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔

لیکن ضروری ہے کہ انسان کا اس طرح کہنا حق تعالیٰ کے واسطے ہو اور جو کچھ کہے مصلحت کی خاطر کہے، وہ درجہ صدق سے نہیں گرے گا۔

(2) دوسرا صدق نیت کا صدق ہے کہ ہر ایک کام اللہ پاک کے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور مقصد نہ ہو اور نہ کسی کو شریک بنائے، یہ اخلاص ہے۔ اخلاص کو بھی صدق کہتے ہیں کیونکہ جب آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے قرب کے علاوہ اور کچھ مقصود ہو تو اس عبادت میں وہ جھوٹا ہوگا۔

(3) تیسرا صدق ارادہ میں ہے مثلاً کسی نے ارادہ کیا اگر مجھے اقتدار حاصل ہو جائے تو میں عدل کروں گا اور اگر مال حاصل ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ وخیرات کروں گا۔ ایسا ارادہ کبھی تو قائم رہتا ہے اور کبھی اس میں معمولی سا شک پیدا ہو جاتا ہے۔ جو مضبوط ارادہ بغیر کسی ہچکچاہٹ اور شک کے ہو اس کو صدق عزم (سچا ارادہ) کہتے ہیں۔ صدیق وہ شخص ہے جو ہمیشہ اپنے دل میں نیکی کے ارادہ کو محکم اور مضبوط پائے۔

(4) چوتھا صدق ارادے کو پورا کرنے کا صدق ہے۔ ایک شخص کا ارادہ مضبوط ہو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے کام کروں گا لیکن جب اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے کام کا موقع آئے تو محنت کرنے پر تیار نہ ہو۔ یہ صدق نہ ہوگا بلکہ صدق یہ ہوگا کہ وہ اپنے اچھے ارادے کو خوشی خوشی پورا کرے۔

(5) پانچواں صدق صدقِ باطن ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کوئی ایسا کام نہ کرے جب تک

اس کے باطن میں یہ صفت موجود نہ ہو۔مثال کے طور پر ایک شخص اگر بظاہر سنجیدگی سے چلتا ہے مگر اس کے باطن میں وقار نہیں ہے تو ایسا شخص صادق نہ ہوگا کیونکہ صدق باطن اس وقت پیدا ہوگا کہ انسان اپنے ظاہر کو باطن کے مطابق رکھے۔جس شخص میں صدق باطن ہوگا اس کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہوگا یا کم از کم ظاہر کے برابر ہوگا۔اسی بنا پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيرَتِي خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِي وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِي صَالِحَةً.

(جامع ترمذی، ج:2،رقم الحدیث:1543)

(اے میرے رب! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر فرما دے اور میرا ظاہر اچھا کر دے)

(6) چھٹا صدق صدق طلب ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ مقامات دین کی حقیقت دل سے چاہے، ظاہر پر قناعت نہ کرے۔جیسے زہد و محبت،توکل،خوف، رجا اور رضا وغیرہ کا طلب گار ہو۔ ہر ایک مومن کو ان مقامات سے کچھ حصہ ضرور ملتا ہے لیکن کمزوری کے ساتھ۔ جو شخص ان مقامات پر مضبوطی سے قائم ہوگا اس کو صادق کہا جائے گا۔مثلاً جب کوئی شخص ایک چیز سے ڈرتا ہے تو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے، کانپنے لگتا ہے، کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور اس میں بے قراری ہوتی ہے۔

جو کوئی ان چھ مقامات میں صادق رہے گا اس کا صدق کمال کو پہنچ جائے گا اور اس کو صدیق کہیں گے اور جو کوئی ایک صفت میں صادق ہوگا اور دوسری میں نہیں تو اس کو صدیق نہیں کہیں گے بلکہ اس کا درجہ اس کے صدق کے مطابق ہوگا۔

6 صدق کے درجات

صدق کی پہچان تین درجوں پر ہوتی ہے:

(1) کسی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہو کہ وہ صادق (سچا) ہے۔

(2) کسی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ صَدُوق (بہت سچا) ہے۔

(3) کسی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ صِدِّیق (بہت ہی زیادہ سچا) ہے۔

یہ تیسرا درجہ صدق کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فائز ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ مقام اس لیے ملا کہ جب ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ہر کوئی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو جھٹلا رہا تھا تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایمان لا کر اپنے ظاہر، باطن، قول اور فعل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی۔

7 صدق کے ثمرات

صدق کے بڑے فائدے ہیں مثال کے طور پر:

(1) اللہ تعالیٰ صادق کو ان تین نعمتوں سے ضرور نوازتا ہے:

(i) اس کی باتوں میں حلاوت (مٹھاس) پائی جاتی ہے۔

(ii) دوسرے کے دل میں اس کا رعب ہوتا ہے۔

(iii) اس کا چہرہ پُررونق ہوتا ہے۔

(2) دنیا وآخرت کی تمام بھلائیاں ملتی ہیں۔

(3) صدق سے بندے کو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

(4) لوگوں کے دلوں میں اس کی مقبولیت لکھ دی جاتی ہے۔

(5) صدق تمام اعمال کی اساس اور روح ہے۔

(6) صدق سے تھوڑے عمل اور معمولی دعا پر بھی عظیم ثواب ملتا ہے۔

(7) صادق اور مخلص کا ہر عمل جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہو لکھا جاتا ہے، خواہ وہ عمل مباح ہی ہو۔

(8) صدق والا بندہ جس عمل کی بھی نیت کرتا ہے اس کا ثواب لکھ لیا جاتا ہے، اگرچہ وہ اسے سرانجام نہ دے سکے۔

(9) سچ بولنے کے سبب سے اللہ پاک انسانوں کی مدد فرماتا ہے۔

(10) صدق آخرت کے عذاب سے نجات دلاتا ہے۔

(11) صدق کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات میں بلندی حاصل ہوتی ہے۔

(12) صدق کے سبب گمراہی سے نجات ملتی ہے۔

(13) صدق ہدایت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔

(14) صدق سے دل کو اطمینان اور نیک بختی کا احساس ہوتا ہے۔

(15) صدق سے انسان کے دل میں ایمان کی آرائش ہوتی ہے۔

(16) صدق سے مخلص لوگوں کی صحبت کی توفیق ملتی ہے۔

(17) صدق سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

(18) صدق سے حسن خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔

(19) صدق سے جنت میں داخلہ ملتا ہے۔

(20) صدق سے جہنم سے نجات عطا ہوتی ہے۔

8 صدق کے بارے میں اقوال

صدق کے بارے میں صوفیائے کرامؒ نے بڑی پر مغز باتیں کی ہیں:

(1) حضرت ابوسلمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ دل اور زبان کی یکسانیت ہی صدق ہوتا ہے۔

(2) حضرت قتادؒ فرماتے ہیں کہ اپنے منہ میں حرام نہ جانے دینا صدق ہے۔

(3) حضرت واسطیؒ نے فرمایا کہ توحید کے صحیح ہونے کا اقرار ہی صدق ہے۔

(4) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ صدیق وہ ہے جو اپنے اقوال، افعال اور احوال میں ہمیشہ سچا رہے۔

(5) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ صدق صادق کی صفت ہے اور صادق وہ ہے جسے تم نے جیسا سچا سنا تھا ہمیشہ اسے ویسا ہی سچا پاؤ۔

(6) حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص مخلوق کی نگاہوں سے بچنے کا نام ہے اور صدق نفس کو

اعمال دکھانے سے بچنے کو کہتے ہیں۔ مخلص ریا کار نہیں ہوتا اور صادق خود پسند نہیں ہوتا۔

(7) حضرت ابوعلی دقاقؒ نے فرمایا کہ صدق یہ ہوتا ہے کہ تم لوگوں سے وہ معاملہ کرو جسے تمہارا نفس بھی پسند کرتا ہے۔

(8) حضرت حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ صدق یہ ہے:

(i) صدق کی خاطر لوگوں کے دلوں سے تمہاری قدر و قیمت نکل جانے کی بھی تمہیں ذرا پروانہ ہو۔

(ii) انسان ذرہ بھر بھی اپنی نیکیوں کی نمائش پسند نہ کرے اور اسے یہ فکر بھی دامن گیر نہ ہو کہ اس کی بداعمالی کا کسی کو پتہ چل جائے گا اگر ایسا ہے تو وہ اپنی عبادت کے بدلے میں لوگوں سے عزت و وقار کی خواہش رکھتا ہے اور یہ صدیقوں کی عادت نہیں ہوتی۔

(9) حضرت حذیفہ مرعشیؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر اور باطن میں بندے کے افعال (کام) کی یکسانیت کا نام صدق ہے۔

(10) حضرت ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں کہ بے شمار وسوسے اور ریا کاری (دکھاوا) اس وقت ختم ہو جاتی ہے جب انسان صدق اور اخلاص سے کام لیتا ہے۔

(11) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص صرف صداقت اور اس پر صبر کے ذریعے مکمل ہوتا ہے اور صدق اس صورت میں مکمل ہوتا ہے کہ اس میں اخلاص ہو اور اس پر مداومت (ہمیشگی) اختیار کی جائے۔

(12) حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن تک صدق اور اخلاص کا مظاہرہ کرنے والے بندے کے دل سے حکمت اور دانائی زبان پر آجاتی ہے۔

(13) حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ عمل کے ذریعے حقوق اللہ کی ادائی صدق اور اخلاص ہے۔

(14) امام شعرانیؒ کے مطابق صدق اور اخلاص اللہ تعالیٰ کے منع کردہ کاموں کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔ جس نے تمام منع کردہ کاموں کو چھوڑ دیا، موت کو یاد رکھا اور طبیعت کی سختی اور نفسانی خواہشات کو چھوڑ دیا تو اسے مقام صدیقیت میں استقامت حاصل ہو جاتی ہے۔

(15) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ صدق کی تین اقسام ہیں:

(i) اقوال میں صدق تو یہ ہے کہ دل کی موافقت قول کے ساتھ اپنے وقت میں ہو۔

(ii) اعمال (عمل) میں صدق یہ ہے کہ اعمال اس تصور کے ساتھ بجالائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے اور خود کو بھول جائے۔

(iii) احوال میں صدق یہ ہے کہ انسانی طبیعت ہمیشہ حق پر قائم رہے اگرچہ دشمن کا خوف ہو یا دوست کا مطالبہ۔

(16) حضرت ابونجیب سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ صدق انسان کے ظاہر اور باطن کے ایک جیسے ہونے کا نام ہے۔

(17) ایک صوفی کا قول ہے کہ صدق یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا گواہ اللہ پاک کے سوا کسی اور کو نہ بنائے۔

9 صدق کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے اللہ والوں کے صدق اور اخلاص کے کچھ واقعات بیان کیے جاتے ہیں:

(1) حضور نبی کریم ﷺ ہمیشہ سچ بولتے تھے اور سچ بولنے ہی کا درس دیتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے تمام دشمن بھی آپ ﷺ کے صادق و امین ہونے کی گواہی دیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ صفا پہاڑ پر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے رواج کے مطابق قریش مکہ کے قبیلوں کو ان کے ناموں سے پکارنا شروع کر دیا۔ جب قریش کی تمام شاخوں کے لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ جنگل میں ایک لشکر آ کر اترا ہے اور تمہیں تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہے تو کیا تم مجھ کو سچا جانو گے؟ ان سب نے ایک زبان ہو کر کہا: بیشک کیونکہ ہمارا ہمیشہ کا تجربہ یہ ہے کہ آپ (ﷺ) نے جب بھی کوئی بات کہی ہے سچ کہی ہے۔ آپ (ﷺ) کی زبان سے ہم نے کبھی سچ کے علاوہ کوئی بات نہیں سنی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر تم مجھے سچا سمجھتے ہو تو سنو کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں

اس کے سخت ترین عذاب کے اترنے سے پہلے ڈرانے آیا ہوں۔ میں اللہ پاک کے رسول کی حیثیت سے تمہارے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتا ہوں۔ اس کو قبول کرو! اگر تم اس دعوت کو قبول نہیں کرو گے اور مجھ پر ایمان نہیں لاؤ گے تو پھر میں تمہیں یہ خبر دیتا ہوں کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا نہایت سخت عذاب نازل ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:4، رقم الحدیث:1304)

(2) ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سچ بولنے کی وجہ سے صادق اور امین مشہور تھے۔ اسی حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا: ہرقل (شاہ روم) نے ان کے پاس ایک آدمی بلانے کو بھیجا اور اس وقت یہ لوگ تجارت کے لیے ملک شام گئے ہوئے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش اور ابوسفیان سے ایک معاہدہ کیا ہوا تھا۔ جب ابوسفیان اور دوسرے لوگ ہرقل کے پاس ایلیا پہنچے جہاں ہرقل نے دربار طلب کیا تھا۔ اس کے گرد روم کے بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہرقل نے ان کو اور اپنے ترجمان کو بلوایا۔ پھر ان سے پوچھا کہ تم میں سے کون شخص رسالت کا دعویٰ کرنے والے کا زیادہ قریبی عزیز ہے؟ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں بول اٹھا کہ میں اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں۔ ہرقل نے حکم دیا کہ اس کو میرے قریب لا کر بٹھاؤ اور اس کے ساتھیوں کو اس کی پیٹھ کے پیچھے بٹھا دو۔ پھر اپنے ترجمان سے کہا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں ابوسفیان سے اس شخص کے حالات پوچھتا ہوں۔ اگر یہ مجھ سے کسی بات میں جھوٹ بول دے تو تم اس کی نشاندہی کر دینا۔ ابوسفیان بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ غیرت نہ آتی کہ یہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں گے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ضرور غلط گوئی سے کام لیتا۔

پہلی بات جو ہرقل نے مجھ سے پوچھی وہ یہ کہ اس شخص کا خاندان تم لوگوں میں کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ تو بڑے اونچے خاندان نسب والے ہیں۔ کہنے لگا اس سے پہلے بھی کسی نے تم لوگوں میں ایسی بات کہی تھی؟ میں نے کہا نہیں۔ ہرقل کہنے لگا: اچھا اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوا

ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر ہرقل نے کہا: بڑے لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ہے یا کمزوروں نے؟ میں نے جواب دیا کہ کمزوروں نے۔ پھر پوچھا: اس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ہرقل نے پوچھا کہ کیا اپنے اس دعوے سے پہلے کبھی اس نے جھوٹ بولا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ کبھی بھی نہیں بلکہ وہ ہمارے ہاں صادق اور امین مشہور ہیں اور اب ہماری اس سے (صلح کی) ایک مقررہ مدت ٹھہری ہوئی ہے۔ معلوم نہیں وہ اس میں کیا کرنے والا ہے۔

ابوسفیان بیان کرتے ہیں کہ میں اس بات کے سوا اور کوئی اس گفتگو میں شامل نہ کر سکا۔ ہرقل نے کہا کیا تمہاری اس سے کبھی لڑائی بھی ہوتی ہے؟ ہم نے کہا کہ ہاں۔ بولا پھر تمہاری اور اس کی جنگ کا کیا حال ہوتا ہے؟ میں نے کہا، لڑائی ڈول کی طرح ہے، کبھی وہ ہم سے جیت لیتے ہیں اور کبھی ہم ان سے جیت لیتے ہیں۔ ہرقل نے پوچھا۔ وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا وہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو۔ اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور اپنے باپ دادا کی باتیں چھوڑ دو اور ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پرہیز گاری اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:6)

(3) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ساری زندگی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں رنگی ہوئی تھی۔ اس لیے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ حتیٰ کہ چھوٹے بچے بھی سچ بولنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور میرا باپ علم کے حصول کے لیے قبیلہ حی میں گئے۔ یہ اس قبیلہ کی ہلاکت سے پہلے کی بات ہے، تو سب سے پہلے ہماری ملاقات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا، جس کے پاس صحیفوں کا ایک بستہ تھا۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور مغافری کپڑے پہنے ہوئے تھے اور حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ کے غلام پر بھی ایک چادر تھی اور وہ بھی مغافری کپڑے پہنے ہوئے تھا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے ان سے کہا اے چچا! میں آپ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ناراضی کے اثرات دیکھ رہا ہوں۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ فلاں بن فلاں کے اوپر میرا کچھ قرض تھا۔ میں اس کے گھر گیا اور میں نے سلام کیا اور میں نے کہا کیا کوئی شخص ہے؟ گھر والوں نے کہا نہیں۔ اسی دوران اس کا بیٹا باہر نکلا۔ میں نے اس سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر میری ماں کے کمرہ میں داخل ہو گیا ہے۔ پھر میں نے کہا: میری طرف باہر نکل۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تو کہاں ہے۔ پھر وہ باہر نکلا، تو میں نے اس سے کہا، تو مجھ سے چھپا کیوں تھا؟ اس نے کہا! اللہ پاک کی قسم! میں آپ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتا ہوں اور آپ رضی اللہ عنہ سے جھوٹ نہیں کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے آپ رضی اللہ عنہ سے جھوٹ کہتے ہوئے ڈر لگا اور مجھے آپ رضی اللہ عنہ سے وعدہ کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خوف محسوس ہوا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اور اللہ پاک کی قسم میں ایک تنگ دست (غریب) آدمی ہوں۔

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کیا تو اللہ تعالیٰ کو حاضر اور ناظر جان کر کہتا ہے؟ اس نے کہا! میں اللہ پاک کو حاضر اور ناظر جان کر کہتا ہوں۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کیا تو اللہ پاک کو حاضر اور ناظر جان کر کہتا ہے؟ اس نے کہا! میں اللہ پاک کو حاضر اور ناظر جان کر کہتا ہوں۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا: کیا تو اللہ پاک کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہے؟ اس نے کہا! میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے وہ کاغذ منگوا کر اپنے ہاتھ سے اسے مٹا دیا اور فرمایا کہ اگر تو (مال) پائے تو ادا کر دینا ورنہ میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:3011)

(4) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں حاضر رہا، مگر غزوہ بدر اور غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گیا۔ غزوہ بدر میں پیچھے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عتاب (ڈانٹ ڈپٹ) نہیں ہوا۔ جنگ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض یہ

تھی کہ قریش کے قافلہ کا پیچھا کیا جائے۔اللہ پاک نے دشمنوں کو اچانک حائل کر دیا اور جنگ ہوگئی۔ جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل کبھی بھی میرے پاس دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں مگر اس غزوہ کے وقت میرے پاس دو سواریاں تھیں۔

آپ ﷺ کا یہ دستور تھا کہ جب کہیں جنگ کا خیال کرتے تو صاف صاف پتہ نشان اور جگہ نہیں بتاتے تھے بلکہ کچھ گول مول الفاظ میں ظاہر کرتے تھے تا کہ کوئی دوسرا مقام سمجھتا رہے۔ جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہونے کا وقت آیا تو شدید گرمی تھی، راستہ لمبا اور ویران تھا، دشمن کی تعداد زیادہ تھی۔آپ ﷺ نے مسلمانوں کو پورے طور پر بتادیا کہ ہم تبوک جارہے ہیں تا کہ تیاری کرلیں۔اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ بڑی تعداد میں مسلمان موجود تھے مگر کوئی ایسا رجسٹر نہیں تھا کہ اس میں سب کے نام لکھے ہوئے ہوں۔کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا کہ جو اس لڑائی میں شریک ہونا نہ چاہتا ہو، مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی کرتے تھے کہ کسی کی غیر حاضری حضور نبی کریم ﷺ کو اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتی جب تک کہ وحی نہ آئے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ پھلوں کے پکنے کا موسم تھا اور سایہ میں بیٹھنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔سب تیاریاں کر رہے تھے مگر میں ہر صبح کو یہی سوچتا تھا کہ میں تیاری کرلوں گا کیا جلدی ہے، میں تو ہر وقت تیاری کر سکتا ہوں۔اسی طرح دن گزرتے رہے، ایک دن صبح کو آپ ﷺ روانہ ہوگئے۔ میں نے سوچا ان کو جانے دوں اور میں ایک دو دن میں تیاری کر کے راستہ میں آپ ﷺ کے ساتھ مل جاؤں گا۔ دوسری صبح کو میں نے تیاری کرنی چاہی مگر نہ ہوسکی اور میں یوں ہی رہ گیا۔تیسرے دن بھی یہی ہوا اور پھر میرا برابر یہی حال ہوتا رہا۔اب سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے۔ میں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ آپ ﷺ سے جا کر مل جاؤں مگر قسمت میں نہ تھا، کاش! ایسا کر لیتا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے چلے جانے کے بعد میں جب مدینہ پاک میں چلتا پھرتا تو مجھے یا تو منافق نظر آتے یا وہ نظر آتے جو کمزور، ضعیف اور بیمار تھے، مجھے بہت افسوس ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ میں مجھے کہیں بھی یاد نہیں کیا، البتہ تبوک پہنچ کر جب سب لوگوں میں تشریف فرما ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہاں ہے؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ تو اپنے حسن اور جمال پر فخر کرنے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے اچھی بات نہیں کی۔ اللہ پاک کی قسم! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم تو انہیں اچھا آدمی جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو رہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آرہے ہیں تو میں سوچنے لگا کہ کوئی ایسا بہانہ مل جائے جو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غصہ سے بچا سکے۔ میں اپنے گھر کے سمجھدار لوگوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اس سلسلہ میں کچھ تم بھی سوچو، مگر جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے بالکل قریب آگئے ہیں، تو میرے دل سے اس حیلہ کا خیال دور ہو گیا اور میں نے یقین کر لیا کہ جھوٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غصہ سے نہیں بچا سکے گا۔ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تشریف لائے اور دو رکعت نفل ادا فرمائے۔ اب جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور اپنے اپنے عذر بیان کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ اسی (80) تھے یا اس سے کچھ زیادہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کے عذر قبول کر لیے اور ان سے دوبارہ بیعت لی اور ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور ان کے دلوں کے خیالات کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بھی آیا السلام وعلیکم کہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی مسکراہٹ سے جس میں غصہ بھی جھلک رہا تھا جواب دیا اور فرمایا، آؤ! میں سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کعب (رضی اللہ عنہ) تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے؟ حالانکہ تم نے تو

سواری کا بھی انتظام کرلیا تھا۔ میں نے عرض کیا! آپ ﷺ کا فرمانا درست ہے، میں اگر کسی اور کے سامنے ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے بہانہ وغیرہ کر کے چھوٹ جاتا کیونکہ میں بول بھی خوب سکتا ہوں مگر اللہ گواہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں نے جھوٹ بول کر آپ ﷺ کو راضی کرلیا، تو کل اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے بتادے گا۔ اللہ پاک کی قسم میں قصور وار ہوں حالانکہ مال و دولت میں کوئی بھی میرے برابر نہیں ہے، مگر میں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی غزوہ میں شریک نہ ہوسکا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ کعب (رضی اللہ عنہ) نے صحیح بات بیان کردی، اچھا جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا اپنے حق میں انتظار کرو۔

میں اٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے آدمی بھی میرے ساتھ ہو لیے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو اب تک تمہارا کوئی گناہ نہیں دیکھا ہے، تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی بہانہ پیش کردیا ہوتا، حضور ﷺ کی دعائے مغفرت آپ رضی اللہ عنہ کے لیے کافی ہوتی۔ وہ برابر مجھے یہی سمجھاتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ واپس آنحضرت ﷺ کے پاس جاؤں اور پہلے والی بات کو غلط ثابت کر کے کوئی بہانہ پیش کردوں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے؟ جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان سے بھی وہی فرمایا ہے جو کہ تم سے ارشاد کیا ہے۔ میں نے ان کے نام پوچھے؟ تو پتا چلا کہ ایک حضرت مرارہ بن ربیع عمروی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ دونوں نیک آدمی تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ مجھے ان سے ملنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ غرض ان دو آدمیوں کا نام سن کر مجھے اطمینان ہو گیا اور میں چل دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ ان تین آدمیوں سے کوئی کلام نہ کرے مگر دوسرے رہ جانے والے اور جھوٹے بہانے کرنے والوں کے لیے یہ حکم نہیں دیا تھا۔ آخر لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کردیا اور ہم ایسے ہو گئے جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ گویا

آسمان اور زمین بدل گئے ہیں۔ میرے دونوں ساتھی تو گھر میں بیٹھ گئے مگر میں ہمت والا تھا، گھر سے باہر نکلتا، نماز باجماعت میں شریک ہوتا، بازار وغیرہ جاتا، مگر کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی آتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصلے پر رونق افروز ہوتے، میں سلام کرتا اور مجھے ایسا شبہ ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ ہل رہے ہیں، شاید سلام کا جواب دے رہے ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا مگر آنکھ چرا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دیکھتا رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ میں جب نماز میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھتے رہتے اور جب میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ اس حال میں مدت گزر گئی اور میں لوگوں کی خاموشی سے تنگ آ گیا اور پھر اپنے چچازاد بھائی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس باغ میں آیا اور سلام کیا اور اس سے مجھے بہت محبت تھی مگر اللہ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ! تو مجھے اللہ اور اس کے رسول کا طرفدار جانتا ہے یا نہیں؟ مگر اس نے جواب نہ دیا۔ پھر میں نے قسم کھا کر یہی بات کہی، مگر جواب نہ ملا! میں نے تیسری مرتبہ یہی کہا، تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب معلوم ہے۔ مجھ سے ضبط نہ ہوسکا آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس چل دیا۔

میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ ایک عیسائی کسان جو ملک شام کا رہنے والا تھا اور اناج فروخت کرنے آیا تھا وہ میرا پتہ لوگوں سے معلوم کر رہا تھا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے عیسائی بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا، جس میں لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں، حالانکہ اللہ نے تم کو ذلیل نہیں بنایا ہے۔ تم بہت کام کے آدمی ہو، تم میرے پاس آ جاؤ، ہم تم کو بہت آرام سے رکھیں گے۔ میں نے سوچا یہ دوہری آزمائش ہے اور پھر اس خط کو آگ کے تندور میں ڈال دیا۔

ابھی صرف چالیس راتیں گزری تھیں اور دس باقی تھیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے قاصد حضرت حزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مجھ سے آ کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ میں نے کہا کیا مطلب ہے، طلاق دے دوں یا کچھ اور؟ حزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا، بس الگ رہو۔ ایسا ہی حکم میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ملا تھا۔ میں نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے رشتہ داروں میں جا کر رہو، جب تک اللہ تعالیٰ میرا فیصلہ نہ فرما دے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ میرا خاوند بہت بوڑھا ہے اگر میں اس کا کام کر دیا کروں تو کوئی برائی تو نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کچھ نہیں مگر تعلق نہ رکھو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس میں تو ایسی خواہش ہی نہیں ہے اور جب سے یہ بات ہوئی ہے روتا رہتا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے کچھ میرے عزیزوں نے کہا کہ تم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس جا کر اپنی بیوی کے بارے میں ایسی ہی اجازت حاصل کر لو تا کہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے، جس طرح حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اجازت مل گئی ہے۔ میں نے کہا، اللہ کی قسم! میں کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ معلوم نہیں کہ آپ ﷺ کیا فرمائیں۔ میں نوجوان آدمی ہوں، حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی مانند کمزور نہیں ہوں۔

اس کے بعد وہ دس راتیں بھی گزر گئیں اور میں پچاسویں رات کی صبح کو نماز کے بعد اپنے گھر کے پاس بیٹھا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی مشکل ہو چکی ہے اور زمین میرے لیے باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو چکی ہے کہ اتنے میں کوہ سلع پر سے کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ! تم کو بشارت دی جاتی ہے۔ اس آواز کے سنتے ہی میں خوشی سے سجدہ میں گر پڑا اور یقین کر لیا کہ اب یہ مشکل آسان ہو گئی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نماز فجر کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کا قصور معاف کر دیا ہے۔ اب لوگ میرے

پاس اور میرے ان ساتھیوں کے پاس خوشخبری اور مبارکباد کے لیے جانے لگے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کو بھگاتے ہوئے میرے پاس آئے اور ایک دوسرا آدمی بنی سلمہ کا کوہِ سلع پہاڑ پر چڑھ گیا، اس کی آواز جلدی میرے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس وقت میں اس قدر خوش ہوا کہ اپنے کپڑے اس کو دے دیے، حالانکہ میرے پاس ان کے سوا کوئی دوسرے کپڑے نہیں تھے۔ میں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے دو کپڑے لے کر پہنے۔

میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا، راستہ میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا، جو مجھے مبارکباد دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمہیں مبارک ہو۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ مجھے دیکھ کر دوڑے، مصافحہ کیا، پھر مبارکباد دی۔ مہاجرین میں سے یہ کام صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اللہ گواہ ہے کہ میں ان کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے کعب رضی اللہ عنہ! یہ دن تمہیں مبارک ہو۔ یہ دن تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک سب دنوں سے اچھا ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ معافی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کیا گیا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اپنی اس نجات اور معافی کے شکریہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خیرات نہ کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھوڑا کرو اور کچھ اپنے لیے بھی رکھو کیونکہ یہ تمہارے لیے فائدہ مند ہے۔ میں نے عرض کیا ٹھیک ہے، میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے سچ بولنے کی وجہ

سے نجات پائی ہے۔اب میں تمام زندگی سچ ہی بولوں گا۔اللہ کی قسم! میں نہیں کہہ سکتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے اللہ نے کسی پر ایسی مہربانی فرمائی ہو،جیسی مجھ پر کی ہے۔اس وقت سے جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی بات کہہ دی، پھر اس وقت سے اب تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میں امید کرتا ہوں کہ زندگی بھر اللہ مجھے جھوٹ سے بچائے گا۔

(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:1605)

(5) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک رات مدینہ منورہ میں گشت کر رہے تھے کہ لوگوں کے حالات سے باخبر ہوں۔ایک گھر سے کچھ آوازیں آرہی تھیں۔آپ رضی اللہ عنہ نے غور سے سنا کہ ایک ماں اپنی جوان لڑکی سے کہہ رہی ہے، بیٹی! آج رات اونٹنیوں نے دودھ کم دیا ہے اس لیے تم تھوڑا سا پانی ملا دو تا کہ گاہکوں کو دودھ برابر مل جائے۔ بیٹی نے جواب دیا کہ امّی جان! امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ہے کہ فروخت کرنے کے دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔ ماں نے کہا، اس رات کے اندھیرے میں کون سا امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہے جو تجھے دیکھ رہا ہے؟ بیٹی نے جواب دیا کہ اگر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کا رب تو ضرور دیکھ رہا ہے۔ میں یہ جرم ہرگز نہیں کر سکتی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اس لڑکی کی یہ بات سنی تو رو پڑے۔ دوسرے دن اس لڑکی کے متعلق معلومات جمع کیں، معلوم ہوا کہ لڑکی غیر شادی شدہ ہے۔ پھر اپنے بیٹوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا: میرے بچو! گذشتہ رات میں نے ایک دین دار لڑکی کی یہ باتیں سنیں۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ میں جوانی ہوتی تو ضرور میں اسے اپنے گھر میں بیوی بنا کر لاتا لیکن میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اب مجھ میں یہ صلاحیت نہیں کہ میں کسی جوان لڑکی سے شادی کروں لیکن میں نہیں چاہتا کہ وہ لڑکی ضائع ہو جائے۔ میری خواہش ہے کہ وہ میری بہو بن کر میرے گھر میں آئے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں سن کر حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، ابّا جان! اس لڑکی سے میں شادی

کروں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس نیک لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے سے کر دیا۔ ان سے ایک بچی ہوئی اور پھر اس بچی کی شادی عبدالعزیز سے ہوئی۔ ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پیدا ہوئے۔ جنہیں امت اسلامیہ نے بالاتفاق پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اپنے دوڑھائی سال (717ء تا 720ء) کے مختصر دورِ حکومت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

(6) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تو یہ بات ان کے دل پر بہت گراں گزری اور انہوں نے کہا کہ یہ واحد غزوہ ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہو سکا۔ بخدا! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک ہونے کا موقع عطا فرمایا تو میں ضرور شریک ہوں گا۔ پھر جب آئندہ سال وہ غزوہ احد میں شریک ہوئے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کے سامنے سے گزرے اور کہا: اے ابوعمرو رضی اللہ عنہ! کہاں کا ارادہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جنت کی ہوا کتنی عمدہ ہے، بے شک میں احد کی طرف سے یہ خوشبو محسوس کرتا ہوں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں لڑے اور شہید ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جسم پر 80 سے زیادہ تیر، تلوار اور نیزے کے زخم تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کو صرف کپڑوں کی وجہ سے پہچانا۔

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1148)

(7) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک دفعہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے جانے والے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ رخصت کے وقت آپؒ کی والدہ محترمہ نے چالیس دینار آپؒ کے لباس میں ڈال کر اوپر سے سلائی کر دی تاکہ ضرورت کے وقت نکال کر استعمال کی جا سکیں۔ روانہ ہوتے وقت والدہ محترمہ نے نصیحت کی کہ بیٹا جھوٹ نہیں بولنا بلکہ صدق سے کام لینا خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

جب قافلہ ہمدان سے آگے نکلا تو ڈاکوؤں کے گروہ نے اسے لوٹ لیا۔ ایک ڈاکو نے حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے پوچھا کہ لڑکے تیرے پاس بھی کچھ ہے؟ آپؒ نے جواب دیا: ہاں، میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ڈاکو کو یقین نہ آیا اور مذاق سمجھ کر چلا گیا۔ تھوری دیر کے بعد ایک دوسرے ڈاکو نے بھی آ کر یہی سوال کیا اور وہی جواب سن کر اپنے سردار سے اس کا ذکر کیا۔ سردار نے آپؒ کو بلوا کر پوچھا تو آپؒ نے اسے بھی سچ سچ بتا دیا۔ سردار کے پوچھنے پر بتایا کہ یہ دینار میرے کپڑوں میں سلے ہوئے ہیں۔

ڈاکوؤں کے سردار کے حکم پر جب آپؒ کے لباس کو پھاڑا گیا تو واقعتاً چالیس دینار برآمد ہوئے۔ اس پر ڈاکوؤں کا سردار احمد بدوی سخت حیران ہو کر بولا کہ اے لڑکے! تمہیں معلوم ہے کہ ہم ڈاکو ہیں جو مسافروں کا سامان لوٹتے ہیں۔ پھر تم نے ان دیناروں کا راز کیوں ظاہر کر دیا، جسے تم نہایت آسانی سے چھپا سکتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جواب دیا کہ روانگی کے وقت مجھے میری والدہ نے نصیحت کی تھی کہ بیٹا جھوٹ نہ بولنا، ہمیشہ سچ سے کام لینا۔ آپؒ کی بات سن کر ڈاکوؤں کے سردار پر رقت طاری ہو گئی اور وہ روتے ہوئے کہنے لگا: اے بچے! تو اپنی والدہ کے حکم کا اس قدر پابند ہے جبکہ ہم نجانے کتنے سالوں سے خدا تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ سردار اٹھا اور توبہ کی۔ اس کے ساتھیوں نے بھی یہ کہتے ہوئے توبہ کی کہ ڈاکہ زنی میں تو ہمارا سردار تھا تو توبہ میں بھی تو ہی ہمارا قائد ہے۔ پس سردار نے لوٹا ہوا سارا سامان واپس کر دیا۔

(8) ایک دن حضرت ابو علی ثقفیؒ نے وعظ کرنا شروع کیا تو عبداللہ بن منازلؒ نے کہا کہ اے ابو علیؒ! موت کی تیاری کرو! کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ابو علی ثقفیؒ نے کہا، اے عبداللہ بن منازلؒ تم بھی تیاری کر لو کیونکہ اس سے چھٹکارا نہیں۔ حضرت عبداللہؒ نے یہ سن کر بازو سر کے نیچے رکھ کر فرمایا: سمجھو کہ میں مر گیا اور واقعی فوت ہو گئے۔

(9) حضرت ابو عمر زجاجیؒ فرماتے ہیں کہ میری والدہ فوت ہو گئیں۔ مجھے ان کی وراثت سے ایک

حویلی ملی۔ میں نے پچاس دینار میں بیچی اور حج کو روانہ ہو گیا۔ بابل پہنچا تو راستہ بتانے والا مل گیا۔ کہنے لگا تمہارے پاس کیا ہے؟ میں نے دل میں کہا کہ سچ سچ بتانا چاہیے۔ چنانچہ میں نے بتایا کہ پچاس دینار ہیں۔ اس نے کہا، مجھے دو۔ میں نے تھیلی اسے دے دی۔ اس نے گنتی کی تو پچاس دینار ہی تھے۔ وہ کہنے لگا لو تمہاری سچائی نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ پھر وہ اپنے جانور سے اترا اور کہا کہ تم اس پر سوار ہو جاؤ! میں نے کہا، ایسا تو کوئی ارادہ نہیں، وہ کہنے لگا، ضروری ہے۔ پھر اصرار کیا تو میں نے سواری کر لی۔ اس نے کہا، میں تمہارے پیچھے آؤں گا۔ پھر مرنے تک میرے ساتھ ہی رہا۔

(10) حضرت ابوعبداللہ رملیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت منصور دینوریؒ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ پاک نے آپؒ سے کیا معاملہ فرمایا؟ حضرت منصور دینوریؒ نے جواب دیا کہ اللہ پاک نے مجھے بخش دیا اور مجھ پر رحم فرمایا اور مجھے میری توقع سے بڑھ کر عطا فرمایا۔ میں نے پوچھا: سب سے اچھی چیز کیا ہے، جس کے ذریعے بندہ اللہ پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ صدق۔

(11) شیخ سعدیؒ بیان کرتے ہیں، ایک درویش نے بادشاہ کے سامنے کوئی سچی بات کہہ دی جس سے بادشاہ نے ناراض ہو کر اسے قید کرنے کا حکم دے دیا۔ اس درویش کے ایک دوست نے اسے کہا کہ بادشاہ کے سامنے یہ بات کہنا مناسب نہ تھا۔ درویش نے جواب دیا کہ حق بات کہنا عبادت ہے اور ہمیں اللہ پاک نے سچ بولنے کا حکم دیا ہے۔ میں قید و بند سے نہیں ڈرتا کیونکہ یہ تھوڑی دیر کے لیے ہے۔ کسی نے بادشاہ سے جا کر کہا کہ درویش کہتا ہے کہ میری قید تھوڑی دیر کے لیے ہے۔ بادشاہ نے طنز سے ہنس کر کہا کہ اسے غلط فہمی ہے۔ اب موت ہی اس کو قید سے چھٹکارا دلائے گی۔

بادشاہ کے غلام نے یہ پیغام درویش کو پہنچایا تو اس نے کہا کہ اے غلام بادشاہ سے کہہ دینا کہ یہ زندگی چند روزہ ہے اور دنیا آخرت کے مقابلے میں تھوڑی دیر کے لیے ہے۔ درویش کے

نزدیک غم اور خوشی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اگر آج تیرے پاس لشکر، خزانہ اور حکومت ہے اور میں اہل وعیال سے دور مصیبت میں مبتلا ہوں تو کوئی بات نہیں۔ کل جب ہم مر جائیں گے تو دونوں برابر ہو جائیں گے۔ میں بھی کیڑوں کی خوراک بن جاؤں گا اور تو بھی۔ اس چند روزہ دولت سے دل لگا کر سچ کو نہ جھٹلا۔ اس طرح زندگی گزار کہ لوگ تیرا ذکر بھلائی سے کریں۔

8

مقامِ شکر

1 شکر کا مفہوم

(1) شکر کا مطلب اچھے سلوک پر تعریف کرنا ہے۔ جب بندہ محسوس کرتا ہے کہ وہ تمام مادی اور روحانی نعمتیں جو اس کو حاصل ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اس کے دل میں حمد و ثنا (اللہ تعالیٰ کی تعریف) کا جذبہ پیدا ہوتا ہے یہی شکر گزاری ہے۔ جب بندہ خود کو شکر کرنے سے عاجز پاتا ہے تو وہ پاش پاش اور ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنی عاجزی کے اعتراف کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہتا، یہ شکر گزاری کا اعلیٰ درجہ ہے۔

(2) شکر کی حقیقت یہ ہے کہ نہایت عاجزی و انکساری سے بھلائی کرنے والے کا اعتراف کیا جائے۔ اس لحاظ سے شکر کے معنی میں مبالغہ پیدا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو شکور کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شکر کا بدلہ دیتا ہے اور شکر کی جزا شکر ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کے یہ معنی بھی لیے جاتے ہیں کہ تھوڑے عمل پر زیادہ انعام دیتا ہے۔

(3) شکر، احسان کرنے والے کے احسان پر اس کی تعریف کرنا ہے۔ بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ہے کہ انعامات پر اس کا شکر گزار ہو جائے اور حقیقی شکر یہ ہے کہ بندہ زبان سے اس کی تعریف اور دل سے اس کے انعامات کا اقرار کرے۔ اسی کی عبادت کرے اور اسی سے مدد مانگے۔

(4) احسان کرنے والے کے بارے میں صحیح احسان مندانہ رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ آدمی دل سے اس کے احسان کا اعتراف کرے۔ زبان سے اس کا اقرار کرے اور عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے۔ انہی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام شکر ہے۔ شکر کا تقاضا یہ ہے کہ

(i) انسان احسان کو احسان کرنے والے ہی سے منسوب کرے۔

(ii) کسی دوسرے کو احسان کے شکریہ اور نعمت کے اعتراف میں اس کا حصہ دار نہ بنائے۔

(iii) انسان کا دل اپنے محسن کے لیے محبت اور وفاداری کے جذبہ سے بھرا ہوا ہو۔

(iv) احسان کرنے والے کے مخالفوں سے محبت، اخلاص اور وفاداری کا تعلق بھی نہ رکھے۔

(v) انسان اپنے محسن (احسان کرنے والے) کا فرماں بردار ہو۔

(vi) احسان کرنے والے کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے مرضی کے خلاف استعمال نہ کرے۔

(5) شکر گزاری کے لیے بہت زیادہ نعمتوں کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ معمولی سے معمولی نعمت پر بھی شکر لازم ہے۔ شکر گزاری اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک انسان ماضی میں اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملات کو یاد نہ کرے۔ اللہ پاک نے جو نعمتیں ماضی میں عطا کی تھیں ان پر ساری زندگی احسان مند رہے اور شکر بجالاتا رہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب حج سے واپسی پر ضجنان [1] میدان سے گزرے تو اپنا ماضی یاد کر کے فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ جس کو جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس میدان میں اپنے والد خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ وہ سخت غصہ والا تھا۔ میں کام کرتا تو مجھے تھکا دیتا اور کوتاہی کرتا تو مارتا۔ اب میرا یہ حال ہے کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی نہیں جس سے میں ڈروں۔

2 شکر قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب میں بار بار شکر کا ذکر کیا ہے۔ بعض آیات میں شکر کرنے کا حکم اور شکر کرنے کی وجہ بھی بتائی گئی ہے۔ کچھ آیات پاک یہ ہیں:

(1) فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ. (سورۃ البقرہ، آیت:152)

(پس تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکر کرو، کفران نعمت نہ کرو)

اس آیت پاک سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ:

(i) جو انسان اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی بدلے میں اسے یاد رکھتا ہے۔

(ii) جو انسان دنیا داری میں مصروف ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، اللہ بھی اسے بھلا دیتا ہے۔

(iii) انسان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پر ذکر اور شکر کرے۔

1۔ ضجنان مکہ مکرمہ کے قریب ایک وادی ہے جہاں پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بچپن میں اونٹ چرایا کرتے تھے۔

(iv) ذکر کا مطلب ہر وقت اللہ پاک کی تسبیح کرنا ہے۔

(v) اللہ پاک کی دی ہوئی طاقت کو اس کی اطاعت میں صرف کرنا، شکر ہے۔

(vi) اللہ پاک کی عطا کردہ طاقت کو اس کی نافرمانی میں صرف کرنا، ناشکری (کفرانِ نعمت) ہے۔

(vii) شکر کرنے پر مزید احسانات کی خوش خبری دی گئی ہے۔

(viii) ناشکری پر عذاب کی سزا ہے۔

(2) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِلّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:172)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ پاک کا شکر ادا کرو اگر تم واقعی اس کی بندگی کرنے والے ہو)

(i) اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ایمان والوں کو حلال اور پاکیزہ روزی کھانے اور کمانے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بغیر کوئی دعا اور عبادت قبول نہیں ہوتی۔ جب انسان کی کوئی دعا اور عبادت قبول نہیں ہوتی تو شکر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے رزق حلال کھانے سے ہی شکر گزاری کی توفیق ملتی ہوتی ہے۔

(ii) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ". فَقَالَ: "يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ". وَقَالَ: " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ".

(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:2339)

(اے لوگوں اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں علیہم السلام کو دیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے رسل علیہم السلام! تم پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو میں تمہارے عملوں کو جاننے والا ہوں اور فرمایا: اے ایمان والو! ہم نے جو تم کو پاکیزہ رزق دیا اس میں سے کھاؤ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کرتا ہے، بکھرے بالوں والا ہے، گرد و غبار سے اٹا ہوا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور اسے جو غذا دی گئی ہے وہ بھی حرام، تو بھلا اس کی دعا کیسے قبول کی جائے گی؟)

(iii) اللہ پاک کی نعمتوں کے احساس کے طور پر لازم ہے کہ انسان اللہ پاک کا شکر ادا کرے۔

(iv) اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے لازم ہے کہ انسان اس کا شکر ادا کرے۔

(3) فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ.

(سورۃ النحل، آیت:114)

((اے لوگو!) اللہ پاک نے جو کچھ حلال اور پاک رزق تم کو دیا ہے اسے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اسی کی بندگی کرنے والے ہو)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک کی بندگی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ شکر گزاری کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے جن اشیا کو حلال کیا ہے انہیں استعمال کیا جائے اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے یا حرام قرار دیا ہے انہیں چھوڑ دیا جائے۔

اس آیت پاک سے یہ نکات سمجھ آتے ہیں:

(i) اللہ پاک ہی رزق دینے والا ہے۔

(ii) کھانا حلال اور پاک کھانا چاہیے۔

(iii) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرنا چاہیے۔

(iv) اللہ پاک ہی کی عبادت کرنی چاہیے۔

(v) اللہ پاک کا شکرادا کرنا، اس کی عبادت کرنے کی علامات میں سے ہے۔

(4) فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ.

(سورۃ العنکبوت، آیت:17)

(اللہ تعالیٰ سے رزق مانگو اور اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکرادا کرو، اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو)

اس آیت پاک سے یہ نکات سامنے آتے ہیں:

(i) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رزق دینے والا نہیں۔

(ii) اللہ تعالیٰ ہی سے رزق مانگنا چاہیے۔

(iii) تمام نعمتیں اللہ پاک ہی کی طرف سے ملتی ہیں۔

(iv) اللہ پاک ہی کی عبادت کرنی چاہیے۔

(v) اللہ تعالیٰ کا ہی شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

(vi) اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی گزارنا زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ ہے۔

(vii) ہم سب کو آخرت میں اپنے کاموں کا جواب دینا ہے۔

(5) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ. (سورۃ لقمان، آیت:14)

(اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر بجالاؤ، میری ہی طرف تمہیں پلٹنا ہے)

اس ارشاد خداوندی میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ، اس کے بعد والدین کے حق شکر کی یاددہانی فرمائی گئی ہے۔ سب سے پہلے انسان پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہوتا ہے جو انسان کا خالق،

مالک، رازق اور رب ہے۔ جس نے اسے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس کے بعد انسان کے لیے والدین کی شکر گزاری کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کسی بھی انسان پر اللہ پاک کے احسانات کے بعد سب سے زیادہ احسانات والدین ہی کے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس آیت مبارکہ میں شکر خداوندی کے فوراً بعد والدین کی شکر گزاری کو بیان کیا گیا ہے۔

اس آیت پاک سے حسب ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i) انسان پر سب سے پہلا حق اللہ پاک کا ہے۔

(ii) اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد والدین کے حقوق کا درجہ ہے۔

(iii) ہر انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(iv) والدین میں والدہ کا درجہ زیادہ ہے کہ اس نے اولاد کے لیے زیادہ تکلیفیں اٹھائی ہوتی ہیں۔

(v) والدین کے حقوق ادا کرنے چاہیں۔

(vi) والدین غیر مسلم بھی ہوں تو بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔

(vii) اللہ پاک کی رحمتوں کے سبب اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے۔

(viii) والدین کے احسانات کی خاطر ہمیں ان کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ شکر اچھے سلوک سے ممکن ہے۔

(ix) ہم سب کو اللہ پاک کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

(x) ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ آخرت میں ہمیں اللہ تعالیٰ کو حساب و کتاب دینا ہے۔

(6) كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ. (سورۃ سباء، آیت: 15)

(اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ، رہنے کے لیے عمدہ و پاکیزہ شہر ہے اور پروردگار بخشنے والا ہے)

اس آیت پاک میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہمیں کھلی آنکھوں سے اپنے ملک اور شہر کو دیکھنا چاہیے اور اس میں پھیلی ہوئی عظیم الشان نعمتوں کے بارے میں غور کرنا چاہیے کہ یہ نعمتیں کس کے کرم کا نتیجہ ہیں؟ اللہ پاک نے طرح طرح کی عظیم الشان نعمتوں کو بے مثال سلیقے اور کثرت سے

ہمارے لیے چن دیا ہے۔ اللہ پاک کرم کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے جس نے ہماری ناقدریوں اور ناشکریوں کے باوجود ہمارے لیے ان نعمتوں کے انبار (ڈھیر) لگا دیے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ اللہ پاک کا ہم پر کیا حق بنتا ہے؟ اللہ پاک کی نعمتوں پر غور کرنے سے ازخود شکر کے شعور کا پیدا ہونا انسانی فطرت کا ایک تقاضا ہے۔ ہمیں اللہ پاک کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کرنا ہے اور ان نعمتوں کا شکرادا کرنا ہے۔ اگر ان نعمتوں کے صحیح استعمال میں کوئی کوتاہی ہوجائے تو ہمیں اللہ پاک سے معافی مانگنی چاہیے۔ وہ یقیناً بہت معاف فرمانے والا ہے۔

(7) بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ. (سورۃ الزمر، آیت:66)

(تم بس اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہوجاؤ)

اس ارشاد باری تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہر قسم کے شرک سے منع کرتے ہوئے صرف اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ عبادت کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ اللہ پاک انسان کا خالق (پیدا کرنے والا) ہونے کے ساتھ ساتھ تمام ضرورتوں کا ذمہ دار بھی ہے۔ اس لیے اس کا شکرادا کرنا انسان پر لازم ہے۔

اس بات کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق (پیدا کرنے والا) اور رب مانتا ہے، اس کے دل میں شکر کا جذبہ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ جس کے دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہو، اسے اپنے رب کی ہر حال میں بندگی کرنی چاہیے۔

(8) وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ. (سورۃ الضحیٰ، آیت:11)

(اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کیا کرو)

اس آیت پاک میں ہمیں حکم دیا جارہا ہے کہ

(i) جو نعمتیں اللہ پاک نے ہمیں عطا فرمائی ہیں، ان کا ذکر اور اس کا اظہار کرنا چاہیے۔ اللہ پاک اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ بندہ اس کی طرف سے ہونے والے انعامات کا اظہار کرے۔ انعامات کا اظہار شکر کا ایک طریقہ ہے۔

(ii) نعمتوں کے ذکر اور اظہار کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں اور ہر نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے اظہار کی ایک خاص صورت چاہتی ہے۔ نعمتوں کے اظہار کی ایک صورت یہ ہے کہ زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے۔ اس بات کا اقرار اور اعتراف کیا جائے کہ جو نعمتیں بھی ہمیں حاصل ہیں یہ سب اللہ پاک کا فضل اور احسان ہیں۔ ورنہ کوئی چیز بھی انسان کے کسی ذاتی کمال کا نتیجہ نہیں ہے۔

(9) مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا.

(سورۃ النساء، آیت: 147)

(اللہ پاک تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا، اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لے آؤ اور اللہ پاک قدردان، جاننے والا ہے)

(i) اللہ پاک کے رحم کو بیان کرتے ہوئے ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ انسانوں کو عذاب دے کر کیا کرے گا؟ انسانوں کو سزا دینے سے اللہ پاک کا کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ پاک ایسے تمام تصورات سے اعلیٰ اور ان سب چیزوں سے پاک ہے۔ اللہ پاک کا کام عذاب دینا نہیں بلکہ رحم کرنا اور بخشش فرمانا ہے۔

(ii) اللہ پاک بڑا ہی قدر کرنے والا ہے۔ بڑا مہربان کہ اس کی مہربانی اور اس کی قدردانی کی کوئی حد ہی نہیں۔ یہ اللہ پاک کی شان قدردانی ہے کہ وہ تھوڑے کیے پر بڑے اجر (بدلے) سے نوازتا ہے۔ نیکی کرنے کی نیت پر ہی نیکی کا اجر دیتا ہے۔ نیکی کر لینے پر ایک نیکی کا اجر دس گنا، سو گنا، سات سو گنا اور اس سے بھی کہیں زیادہ عطا فرماتا ہے۔ زندگی بھر کے گناہوں کو سچی توبہ کرنے پر ایک ہی بار معاف فرما دیتا ہے۔ اللہ پاک چھوٹی سی زندگی میں کی گئی مختصر چھوٹی چھوٹی نیکیوں کے بدلے میں جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے نوازتا ہے جن کی کوئی انتہا نہیں۔

(iii) اللہ پاک قدردان ہونے کے ساتھ ساتھ علیم (علم والا) بھی ہے۔ اس لیے وہ پوری طرح جانتا ہے کہ کس کا عمل اور شکر گزاری کس درجے پر کس بدلے کے لائق ہے اور اسی کے مطابق وہ

نوازتا اور عنایت فرماتا ہے۔ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھا جائے۔

(10) وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. (سورۃ آل عمران، آیت:144)

(اور اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو ثواب دے گا)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ

(i) اللہ پاک چاہتا ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔

(ii) اللہ تعالیٰ شکر کرنے والے سے خوش ہو کر اسے کامیابی عطا فرماتا ہے۔

(iii) اللہ پاک نیکی ضائع نہیں کرتا بلکہ اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔

(11) وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ. (سورۃ آل عمران، آیت:145)

(اور جو شخص دنیا میں بدلہ چاہے گا ہم اسے دنیا ہی میں دے دیں گے اور جو آخرت میں بدلہ چاہے گا ہم اسے آخرت ہی میں دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ انسانوں کی دو اقسام ہیں:

(i) ایک تو وہ جو اللہ پاک سے صرف اور صرف دنیا کا سوال کرتے ہیں۔ان لوگوں کو وہ دنیا ہی میں جزا عطا فرما دیتا ہے۔

(ii) دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اپنی نیکیوں کا بدلہ آخرت میں چاہتے ہیں اور دنیا کو صرف آزمائش کی جگہ سمجھتے ہیں۔یہی لوگ شکر کرنے والے ہیں۔ان کو اللہ پاک آخرت میں اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

(iii) سچے مومن کو ہمیشہ صبر اور شکر ہی سے کام لینا چاہیے تاکہ اس کو اپنے مالک کی رحمت اور اس کی طرف سے کامیابی نصیب ہو سکے۔

(iv) مومن کو ہمیشہ اپنے پیدا کرنے والے کا شکر کرنا چاہیے۔یہ اس مالک کا اپنے بندوں کے ذمے حق ہے۔

(v) شکر ادا کرنے میں خود انسان ہی کا بھلا ہے۔

(12) كَذٰلِكَ نَجۡزِیۡ مَنۡ شَکَرَ. (سورۃ القمر، آیت:35)
(ہم ہر اس شخص کو جزا دیتے ہیں جو شکر گزار ہوتا ہے)
اس آیت مبارکہ سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i) اللہ پاک ہر شکر گزار کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔
(ii) اس کا شکر گزار انعام و احسان کا حق دار ہوگا۔
(iii) نعمت پر شکر دنیا اور آخرت میں نجات اور بچاؤ کا ذریعہ اور سبب ہے۔
(iv) شکر گزار بندے اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سے کامیاب ہوں گے۔

(13) وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكُمۡ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ.
(سورۃ ابراہیم، آیت:7)
(اور تمہارے رب نے اعلان کیا، اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے)
اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ

(i) نعمتوں کا شکر کرنا بہت ضروری ہے۔ اس کا سب سے پہلا درجہ اللہ پاک کی نعمتوں کا اقرار کرنا ہے۔
(ii) نعمتوں کا اقرار اس طرح سے کیا جائے کہ دل میں بھی اس کا احساس اور یقین ہو اور زبان سے اظہار کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ ہی کی بخشی ہوئی ہے۔
(iii) پھر اس نعمت کا استعمال بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اور اس کی ہدایت کے مطابق ہو۔ یہ سب نعمت کا شکر کرنے میں داخل ہے۔
(iv) شکر ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ اس سے نعمتوں میں برکت ہوتی ہے اور ان کی حفاظت ہوتی ہے۔
(v) یوں تو مومنین پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں لیکن سب سے بڑی نعمت ہدایت کی نعمت ہے۔ جو انسان کو دونوں جہانوں میں کامیاب کرتی ہے۔
(vi) جس طرح شکر اللہ پاک کے انعامات کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے اسی طرح اللہ پاک کی عطا کردہ نعمتوں پر ناشکری عذاب کا سبب ہوتی ہے۔

(vii) کفرانِ نعمت کا انجام بہت برا ہے۔

(viii) انسان کی دنیا میں آزمائش صرف اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکرا بن کر رہتا ہے۔

(ix) ایمان کی ضد (الٹ) بھی کفر ہے اور شکر کی ضد بھی کفر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان اور شکر کا آپس میں گہرا تعلق ہے ویسا ہی کفر اور ناشکری میں ہے۔

(x) جو شخص زیادہ مضبوط ایمان والا ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ ہوگا۔

(14) **وَمَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىۡ غَنِىٌّ كَرِيۡمٌ.**

(سورۃ النمل، آیت:40)

(جو کوئی شکر کرتا ہے اس کے شکر کا اس کو ہی فائدہ ہے اور جو کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور بزرگ ہے)

(i) اللہ والے اللہ پاک کی عطا کردہ کسی نعمت پر اترانے اور فخر کرنے کی بجائے اسے اللہ پاک کی عنایت سمجھ کر شکر بجا لاتے ہیں جو کہ اصل نعمت سے بھی بڑھ کر نعمت ہے۔ اس طرح وہ نعمت در نعمت سے فیضیاب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہمیشہ ان کے پیشِ نظر ہوتی ہے کہ اس طرح ہماری آزمائش ہو رہی ہے۔

(ii) ایمان کی دولت بڑی عظیم دولت ہے جو انسان کو کہیں کا کہیں پہنچا دیتی ہے۔ اہلِ ایمان اللہ پاک کی نعمت کو دیکھتے ہی فوراً پکار اٹھتے ہیں: یہ سب کچھ میرے رب کے فضل اور کرم ہی سے ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔

(iii) جو کوئی بھی اللہ پاک کا شکر کرتا ہے تو اس کا فائدہ خود اسی کو پہنچتا ہے۔

(iv) جو کوئی ناشکری کرتا ہے، اس کا نقصان بھی خود اسی کو ہوتا ہے۔ اللہ پاک بڑا ہی غنی اور بے نیاز ہے۔ اسے بندوں کی شکر گزاری کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ پاک ہر اعتبار سے بے نیاز ہے۔

(v) شکر کی خاصیت ہے کہ وہ مزید نعمتوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کے الٹ ناشکری کی خوبی یہ

ہے کہ ناشکرا آدمی موجود نعمت سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

3 شکر احادیث کی روشنی میں

احادیث مبارکہ میں جابجا شکر گزاروں کی فضیلت بیان کی گئی ہے:

(1) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ: "رَبِّ أَعِنِّي وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ، وَانْصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ، وَامْكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ، وَاهْدِنِي وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِي، وَانْصُرْنِي عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ، رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ شَكَّارًا، لَكَ ذَكَّارًا، لَكَ رَهَّابًا، لَكَ مِطِيعًا، إِلَيْكَ مُخْبِتًا إِلَيْكَ أَوَّاهًا مُنِيبًا، رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي، وَاغْسِلْ حَوْبَتِي، وَأَجِبْ دَعْوَتِي، وَاهْدِ قَلْبِي، وَسَدِّدْ لِسَانِي، وَثَبِّتْ حُجَّتِي، وَاسْلُلْ سَخِيمَةَ قَلْبِي". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:710)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے:

رَبِّ أَعِنِّي وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِي وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِي وَانْصُرْنِي عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ شَكَّارًا لَكَ ذَكَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مِطِيعًا إِلَيْكَ مُخْبِتًا إِلَيْكَ أَوَّاهًا مُنِيبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي وَاغْسِلْ حَوْبَتِي وَأَجِبْ دَعْوَتِي وَاهْدِ قَلْبِي وَسَدِّدْ لِسَانِي وَثَبِّتْ حُجَّتِي وَاسْلُلْ سَخِيمَةَ قَلْبِي

(اے میرے پروردگار! میری مدد کر، میرے خلاف کسی کی مدد نہ کر، مجھے فتح دے، مجھ پر کسی کو فتحیاب نہ کر اور میری مدد کرنے کے لیے دشمنوں کے حق میں میرے لیے منصوبہ بندی کر، میرے ضرر کے لیے منصوبہ بندی نہ کر، مجھے سیدھی راہ دکھا، سیدھی راہ پر چلنا میرے لیے آسان کر اور اس کے خلاف میری مدد کر جو مجھ پر زیادتی کرے۔

اے میرے پروردگار! مجھے ہر وقت، اپنا شکر گزار (ہر حال میں) اپنا ذکر کرنے والا، تجھ سے ڈرنے والا، اپنی بہت فرمانبرداری کرنے والا بنا۔

اے میرے پروردگار! میری توبہ قبول کر، میرے گناہ دھو دے، میری دعا قبول کر، میری دلیل کو ثابت کر، میری زبان کو درست رکھ، میرے دل کو ہدایت بخش اور میرے سینے کی

سیاہی دور کر دے)

(2) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِهِ، وَقَالَ: "يَا مُعَاذُ، وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، فَقَالَ: أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ تَقُولُ: اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ". (سنن ابوداؤد، ج:1، رقم الحدیث:1518)

(حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ارشاد فرمایا: اے معاذ! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا نہ چھوڑنا:

اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ.

(اے میرے پروردگار! میری مدد کر اپنے ذکر اور شکر کرنے پر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر)

(3) عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ: إِذَا جَاءَهُ أَمْرُ سُرُورٍ، أَوْ بُشِّرَ بِهِ خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلَّهِ".

(سنن ابوداؤد، ج:2، رقم الحدیث:1008)

(حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جب کوئی خوشی والی بات پیش آتی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی بات کی خوش خبری سنائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ کرتے)

(4) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَوَّلُ مَنْ يُدْعَى إِلَى الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يَحْمَدُونَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:2، رقم الحدیث:838)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن جنت میں سب سے پہلے بہت زیادہ حمد (اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر) کرنے والوں کو بلایا جائے گا۔ یہ وہ بندے ہیں جو ہر حال (خوش حالی اور تنگی) میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں)

(5) عَنْ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَفْضَلُ الذِّكْرِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1335)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: افضل ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ اور افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے)

(6) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ". (سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:1765)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھانا کھا کر شکر کرنے والا نفلی روزہ رکھ کر صبر کرنے والے کے برابر ہے)

(7) عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ".

(صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2999)

(حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن آدمی کا بھی عجیب حال ہے۔ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ بات مومن کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اسے کوئی تکلیف بھی پہنچی، اس نے شکر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا اور اس نے صبر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے)

(8) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ، قَالَ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهِ: قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: مَاذَا قَالَ عَبْدِي، فَيَقُولُونَ: حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ، فَيَقُولُ اللّٰهُ: ابْنُوا لِعَبْدِي بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوهُ بَيْتَ الْحَمْدِ". (جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:1016)

(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی مومن بندے کا کوئی بچہ فوت ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ جی ہاں! پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے: اس حادثہ پر میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اس نے تیری تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں ایک بڑا گھر بنادو اور اس کا نام بیت الحمد (شکر کرنے والے کا گھر) رکھو)

(9) عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: "إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَقُومُ لِيُصَلِّيَ حَتَّى تَرِمُ قَدَمَاهُ أَوْ سَاقَاهُ، فَيُقَالُ لَهُ: فَيَقُولُ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1081)

(حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اتنی زیادہ دیر تک کھڑے ہوتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک یا پنڈلیاں پھول جاتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں)

(10) عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ رَاحَ إِلَى مَسْجِدِ دِمَشْقَ وَهَجَّرَ بِالرَّوَاحِ فَلَقِيَ شَدَّادَ بْنَ أَوْسٍ وَالصُّنَابِحِيُّ مَعَهُ فَقُلْتُ أَيْنَ تُرِيدَانِ يَرْحَمُكُمَا اللّٰهُ قَالَا نُرِيدُ هَاهُنَا إِلَى أَخٍ لَنَا مَرِيضٍ نَعُودُهُ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُمَا حَتَّى دَخَلَا عَلَى ذٰلِكَ الرَّجُلِ، فَقَالَا لَهُ كَيْفَ أَصْبَحْتَ؟ قَالَ أَصْبَحْتُ بِنِعْمَةٍ. فَقَالَ لَهُ شَدَّادٌ أَبْشِرْ بِكَفَّارَاتِ السَّيِّئَاتِ، وَحَطِّ الْخَطَايَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ إِنِّي إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنًا فَحَمِدَنِي عَلَى مَا ابْتَلَيْتُهُ فَإِنَّهُ يَقُومُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ مِنَ الْخَطَايَا وَيَقُولُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ أَنَا قَيَّدْتُ عَبْدِي وَابْتَلَيْتُهُ وَأَجْرُوا لَهُ كَمَا كُنْتُمْ

تُجْرُونَ لَهُ وَهُوَ صَحِيحٌ". (مسند احمد، ج:7، رقم الحدیث:288)

(حضرت ابواشعث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ دوپہر کے وقت دمشق کی ایک مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ ان کے ساتھ صنابحی بھی تھے۔ میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہاں ایک بھائی بیمار ہے۔ اس کی عیادت کے لیے جارہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔ جب وہ دونوں اس کے پاس پہنچے تو اس سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ اس نے بتایا کہ ٹھیک ہوں (مریض نے کہا: میں نے صبر اور شکر کیا) حضرت شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں بشارت ہو کہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو چکا اور گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے: جب میں اپنے بندوں میں سے کسی مومن بندہ کو بیماری اور مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ بندہ اس آزمائش پر ناخوش نہیں ہوتا بلکہ میری تعریف کرتا ہے تو وہ اپنی بیماری کے بستر سے ایسے گناہوں سے پاک صاف ہو کر اٹھتا ہے جیسا کہ وہ اس دن گناہوں سے پاک صاف تھا جس روز اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندہ کو قید میں ڈالا اور اسے آزمائش میں مبتلا کیا تھا، تم وہ نیک اعمال لکھنا جاری رکھو جو تم اس کے زمانہ تندرستی میں لکھتے تھے)

(11) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1437)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے، جو مال اور شکل وصورت میں اس سے بڑھ کر ہو تو اس وقت اسے ایسے شخص کو دیکھنا چاہیے، جو اس سے کم درجہ ہے)

(12) عَنْ عُطَارِدٍ الْقُرَشِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَرْزُقُ اللهُ عَبْدًا الشُّكْرَ فَيَحْرِمَهُ الزِّيَادَةَ". (کتاب الشکر، رقم الحدیث:2)

(حضرت عطار دقرشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو شکر کی توفیق عطا فرماتا ہے تو پھر اسے نعمت کی زیادتی سے محروم نہیں فرماتا)

(13) عَنِ ابْنِ عبَاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال: "أَرْبَعٌ مَنْ أُعْطِيَهُنَّ، فَقَدْ أُعْطِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: "قَلْبًا شَاكِرًا، وَلِسَانًا ذَاكِرًا، وَبَدَنًا عَلَى الْبَلَاءِ صَابِرًا، وَزَوْجَةً لَا تَبْغِيهِ خَوْنًا فِي نَفْسِهَا، وَلَا مَالِهِ".

(کنز العمال، ج:8، رقم الحدیث:3612)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جسے چار چیزیں عطا کی گئیں، اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(i) شکر کرنے والا دل۔

(ii) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی زبان۔

(iii) مصیبت پر صبر کرنے والا جسم۔

(iv) اس کے مال اور عزت میں خیانت نہ کرنے والی بیوی۔

(14) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا، وَمَنْ لَمْ تَكُونَا فِيهِ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا، مَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَاقْتَدَى بِهِ، وَمَنْ نَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلَى مَا فَضَّلَهُ بِهِ عَلَيْهِ، كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا، وَمَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَسِفَ عَلَى مَا فَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:411)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو خصلتیں (خوبیاں) ایسی ہیں کہ جس شخص میں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اسے صابر اور شاکر (صبر اور شکر کرنے والا) لکھ دے گا اور جس میں نہیں ہوں گی اسے صابر اور شاکر نہیں لکھے گا۔

(i) دین کے معاملات میں اپنے سے بہتر کو دیکھے اور اس کی پیروی کرنے کی کوشش کرے۔

(ii) دنیاوی معاملات میں اپنے سے کمتر کی طرف دیکھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اسے اس پر فضیلت دی ہے۔

اگر کوئی شخص دینی معاملات میں اپنے سے کم تر کی طرف دیکھے اور دنیاوی معاملات میں اپنے سے برتر کی طرف دیکھے اور جو کچھ اسے نہیں ملا اس پر افسوس کرے تو اللہ تعالیٰ اسے شاکر اور صابر لوگوں میں نہیں لکھتے)

(15) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ". (جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:2039)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ پاک کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا)

(16) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهِ، فَمَنْ أَثْنَى بِهِ فَقَدْ شَكَرَهُ". (سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1409)

(حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے ساتھ کوئی احسان کرے تو اسے اس کا بدلہ دینا چاہیے۔ اگر بدلہ دینے کی استطاعت (طاقت) نہ ہو تو اس کا اچھے الفاظ میں ذکر ہی کر دے کیونکہ جس نے اچھے الفاظ میں ذکر کیا گویا کہ اس کا شکر ادا کیا)

4 شکر کی اقسام

شکر ادا کرنے کے لحاظ سے شکر کی دو قسمیں ہیں:

(1) اللہ پاک کا شکر گزار ہونا: انسان کا اللہ تعالیٰ کے لیے شکر گزار ہونا ایک لازمی امر ہے، جس کا اللہ پاک نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ اللہ پاک نے ہمیں اپنا ذکر کرنے اور اپنا شکر ادا

کرنے کا حکم دیا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(i) فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ. (سورۃ البقرہ، آیت:152)

(پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔میرا شکرادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو)

(ii) فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ. (سورۃ النحل، آیت:114)

(اللہ تعالیٰ نے جو حلال اور پاک چیزیں تمہیں رزق کے طور پر دی ہیں، انہیں کھاؤ اور اللہ پاک کی نعمتوں کا شکرادا کرو، اگر تم واقعی اسی کی عبادت کرتے ہو)

(2) انسان کا ایک دوسرے کا شکرادا کرنا: انسان دوسرے انسان کا شکریہ اس وقت ادا کرتا ہے جب وہ اسے کوئی نفع پہنچاتا ہے۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنے کے لوازمات میں سے ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ". (جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:2039)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ پاک کا بھی شکر نہیں کرتا)

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جو شخص اپنی ذات پر اپنے بھائیوں کے احسانات کا شکریہ ادا نہیں کرتا تو یقیناً وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ناشکرا ہوتا ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں مثال کے طور پر

(i) جس انسان کی فطرت میں انسانوں کے احسانات کی ناقدری اور ناشکری ہو تو اس کی یہ عادت بن جاتی ہے کہ وہ اللہ پاک کی نعمتوں کی ناقدری کرتا ہے اور اس کا شکر نہیں کرتا۔

(ii) جب تک انسان دوسرے انسان کے احسان پر شکریہ ادا نہیں کرتا اس وقت تک اللہ پاک بھی اس کے شکر کو قبول نہیں کرتا۔کیونکہ بندے کا شکر اور اللہ پاک کا شکر لازم و ملزوم ہیں۔

(iii) بندے کا شکریہ یا تو اس کا بدلہ ادا کرنے کی شکل میں ہوتا ہے یا لوگوں کے درمیان اس کی

تعریف کرنے یا پھر اس کے حق میں دعا کرنے کی صورت میں ہوتا ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهِ، فَمَنْ أَثْنَى بِهِ فَقَدْ شَكَرَهُ". (سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1409)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے ساتھ کوئی احسان کرے تو اسے اس کا بدلہ دینا چاہیے۔ اگر بدلہ دینے کی طاقت نہ ہو تو اس کا اچھے الفاظ میں ذکر ہی کر دے کیونکہ جس نے اس کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا گویا کہ اس کا شکر ادا کیا)

5 شکر کی مختلف صورتیں

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کی یہ تین صورتیں ہیں:

(1) دل سے شکر ادا کرنا: اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی اللہ پاک سے محبت کرے، خود کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا پابند بنا لے۔ اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور انہیں پہچانے۔

جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: حضرت طلق بن حبیب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: "أَرْبَعٌ مَنْ أُوتِيَهُنَّ أُوتِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: مَنْ أُوتِيَ لِسَانًا ذَاكِرًا، وَقَلْبًا شَاكِرًا، وَجَسَدًا عَلَى الْبَلَاءِ صَابِرًا، وَزَوْجًا مُؤْمِنَةً لَا تَبْغِيهِ فِي نَفْسِهَا خَوْنًا". (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:5361)

(جسے چار چیزیں عطا کی گئیں، اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(i) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی زبان۔

(ii) شکر کرنے والا دل۔

(iii) مصیبت پر صبر کرنے والا جسم۔

(iv) ایمان والی بیوی جو اپنے بارے میں شوہر کے ساتھ کوئی خیانت نہ کرے۔

(2) زبان سے شکر ادا کرنا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے اللہ پاک کی نعمتوں کا اعتراف کرے۔

اس کے ذکر اور حمد (تعریف) زبان پر رہے اور ان نعمتوں کو بیان کرے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(i) وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ. (سورۃ الضحیٰ، آیت:11)

(اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو)

(ii) عَنۡ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنۡ أُعۡطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلۡيَجۡزِ بِهِ، وَمَنۡ لَمۡ يَجِدۡ فَلۡيُثۡنِ، فَإِنَّ مَنۡ أَثۡنَى فَقَدۡ شَكَرَ، وَمَنۡ كَتَمَ فَقَدۡ كَفَرَ". (جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:2123)

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو کسی کی طرف سے کوئی چیز بطور عطیہ دی جائے تو اگر وہ طاقت رکھتا ہو تو اس کا بدلہ دے دے اور اگر یہ طاقت نہ رکھے تو اس کی تعریف ہی کر دے کیونکہ جس نے تعریف کر دی گویا کہ اس نے شکر ادا کر دیا اور جس نے چھپایا (کلمہ خیر نہ کہا) تو گویا کہ اس نے ناشکری کی)

(iii) عَنۡ عُمَرَ بۡنِ عَبۡدِ الۡعَزِيزِ، قَالَ: "ذِكۡرُ النِّعَمِ شُكۡرُهَا".

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث:5290)

(حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کرنا بھی اس کا شکر ادا کرنا ہے)

اس سے مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرنا اور انہیں بیان کرنا بھی شکر ادا کرنے کی ایک قسم ہے جو کہ پسندیدہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ نعمت کے اظہار میں نہ تو خود پسندی ہو اور نہ ہی فخر اور غرور۔ اس لیے کہ غرور اور تکبر انسان کی نیکیوں کو برباد کر دیتے ہیں۔

(3) دیگر طریقوں سے شکر ادا کرنا: شکر صرف زبان سے ہی نہیں بلکہ دیگر جسمانی اعضا، مال اور دولت سے بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مال کی نعمت کا شکر اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے جسمانی اعضا کو اللہ پاک کی فرماں برداری میں استعمال کرے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہوگا۔ خود اللہ پاک نے عمل کرنے کو شکر کی

حیثیت سے بیان کیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَقَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ. (سورۃ السباء، آیت: 13)

(اے آلِ داؤد! شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں)

6 شکر کے درجے

شکر کا مطلب اللہ پاک کی نعمتوں کا اعتراف کرنا ہے اور اس کے تین درجے ہیں:

(1) قلبی: انسان دل سے اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف کرے۔

(2) قولی: انسان اللہ پاک کی نعمتوں کا زبان سے اقرار کرے اور دوسروں کے سامنے تذکرہ کرے۔

(3) عملی: اس شکر کے اثرات اس کے جسم سے ظاہر ہوں۔

یہ تینوں مدارج لازم وملزوم ہیں۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کے احسانات کا خیال کرتا ہے تو اس کا دل اس کی محبت اور وفاداری کے جذبات سے بھر جاتا ہے۔ پھر انہی جذبات کا اثر ہوتا ہے کہ خود اکیلے بھی اور دوسروں کے سامنے بھی ان احسانات کا ذکر کرتا ہے اور اس سے دل میں خوشی محسوس ہوتی ہے۔ پھر اسی محبت اور اخلاص کا اس کی فکر پر اثر ہوتا ہے کہ اللہ پاک کے انسان پر جتنے زیادہ احسانات ہیں اتنا ہی زیادہ وہ اللہ پاک کا فرماں بردار اور عبادت گزار بننے کی کوشش کرتا ہے۔

7 ناشکری سے بچنے کے طریقے

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَقَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ. (سورۃ سباء، آیت: 13)

(اے داؤد علیہ السلام کی اولاد! شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہیں)

اس آیت پاک میں جہاں شکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہیں اپنی مخلوق (انسان) کی فطرت کو جانتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا: میرے بندوں میں کم لوگ شکر گزار ہیں (اور زیادہ ناشکرے ہیں)۔ یہ اللہ پاک کا ایک طرح اپنے بندوں سے شکوہ بھی ہے کہ وہ بے پناہ انعامات کے باوجود شکر نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔اس لیے انسان کو اپنے پروردگار کی ناشکری سے بچنا چاہیے اور ہر حال میں شکرگزاری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ہمیں ناشکری سے بچنے کے لیے درج ذیل ہدایات پر غور کرنا چاہیے:

(1) کائنات میں غوروفکر کر کے اللہ پاک کے احسانات کو تلاش کریں اور اس پر شکرادا کریں۔

(2) اپنی نفسیاتی، مادی اور دیگر کمزوریوں پر غور کریں اور ان کی اصلاح پر اللہ پاک کے شکرگزار رہیں۔

(3) جب کوئی غیر معمولی نعمت (جیسے بیماری کے بعد صحت) ملے تو اس پر اللہ پاک کا شکرادا کریں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی یاد میں تازہ کریں اور اللہ پاک کے احسان مند ہوں۔

(4) نعمتوں کا موازنہ کرتے وقت انسان کو ہمیشہ ان لوگوں کی طرف دیکھنا چاہیے جو اپنے سے نیچے ہوں تاکہ شکرگزاری کی عادت پیدا ہو۔

8 شکر کی مشکلات

شکر کے امتحان میں درج ذیل مشکلات پیش آسکتی ہیں:

(1) **نعمت کو خدا تعالیٰ کا انعام سمجھ لینا:** اگر کسی شخص پر نعمتوں کی بارش ہو رہی ہو تو اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کو اللہ پاک کی رضا سمجھ بیٹھتا ہے اور اس مغالطے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اللہ پاک اس سے راضی ہے حالانکہ نعمتوں کا عطا کیا جانا انسان کی آزمائش بھی ہے کیونکہ یہ دنیا انعام کی جگہ نہیں بلکہ آزمائش کی جگہ ہے اور انعامات کی جگہ تو آخرت ہے۔

(2) **تکبر:** اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر مسلسل ملتی رہیں تو انسان عام طور پر خود کو برتر اور دوسروں کو اپنے سے کمتر محسوس کرنے لگتا ہے۔ برتری کا یہ احساس ایک حد سے بڑھ جائے تو تکبر میں تبدیل ہو جاتا ہے حالانکہ یہ نعمتیں آزمائش کے لیے دی جاتی ہیں۔

(3) **نعمت کو حق سمجھنا:** شکر کے امتحان کی ایک مشکل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کو اپنا حق سمجھ لیتا ہے کہ یہ نعمتیں تو اسے ملنی ہی چاہیے تھیں۔ جب یہ سوچ پیدا ہو جاتی ہے تو انسان ان نعمتوں کو ایک معمول کی چیز سمجھ لیتا ہے۔ یوں وہ شکر کی صلاحیت سے محروم

ہو جاتا ہے۔

(4) **نعمت کا عادی ہو جانا:** جب انسان مسلسل کسی نعمت کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسے معمولی اور حقیر سمجھنے لگتا ہے بلکہ وہ اسے نعمت کی حیثیت سے قبول کرنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھتا ہے۔ مثال کے طور پر آنکھیں بڑی نعمت ہیں لیکن ان آنکھوں کا استعمال مسلسل ہونے کی بنا پر انسان بینائی کی نعمت کو سراہنے سے محروم رہ جاتا ہے۔

(5) **اسباب کو منعم سمجھ لینا:** شکر کے امتحان کی ایک مشکل یہ ہے کہ اکثر اوقات انسان نعمتوں کے ملنے کو اسباب کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے اور ان نعمتوں کے اصل مالک اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔ ایسا انسان اسباب میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور اسباب پیدا کرنے والے کی معرفت سے محروم رہتا ہے۔

(6) **نعمتوں کے حصول کو اپنی صلاحیتوں کا مرہون منت سمجھ لینا:** ناشکری کی ایک وجہ یہ ہے کہ انسان دولت، صحت، عہدہ، ترقی اور شہرت وغیرہ حاصل کرنے کے بعد یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی اپنی محنت کا نتیجہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص کردار نہیں۔ حالانکہ انسان کو جو کچھ بھی ملتا ہے سب اسی کا عطا کردہ ہے۔

(7) **نسیان یا فراموشی:** انسان کی یادداشت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دھندلی ہوتی چلی جاتی ہے جس کی بنا پر بھی وہ نعمتوں کا بہتر طور پر شکر ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا۔ وہ اولاد کی پیدائش کے وقت تو اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کرتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہ اولاد اسے اللہ پاک نے دعاؤں کے ذریعے عطا کی ہے اور یہ اس کا احسان ہے۔

9 شکر خداوندی کی وجوہات

اکثر اوقات انسان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ پاک کا شکر کیوں کیا جائے؟ کچھ لوگ شکر گزاری کو ایک رسم اور روایت کے طور پر مانتے ہیں اور کچھ لوگ یہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے کہ شکر کیوں ضروری ہے۔ ایک صاحب دل انسان جب غور وفکر سے کام لیتا ہے تو اسے اللہ

تعالیٰ کا شکر کرنے کی کی بے شمار وجوہات نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر

(1) اجتماعی نعمتوں پر شکر کی وجوہات

(i) اجتماعی شکر کرنے کی پہلی وجہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شفقت اور رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ ان میں تقاضے پیدا کیے اور پھر ان تقاضوں کو انتہائی خوبی کے ساتھ پورا کرتے ہوئے اپنی رحمت اور کرم کا اظہار کیا۔

(ii) اجتماعی شکر کی دوسری وجہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت ہے۔ ربوبیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ پاک مخلوقات کو پیدا کر کے ان سے غافل نہیں ہو گیا بلکہ دن رات ان کو ہر قسم کی سہولت فراہم کر رہا ہے۔ وہ سانس کے لیے آکسیجن، حرارت کے لیے سورج کی روشنی، نشونما کے لیے سازگار ماحول اور ذائقے کی تسکین کے لیے انواع واقسام کے میوے اور پھل بنا کر اپنی ربوبیت اور رزاقیت (روزی دینے کا کام) کا اظہار کر رہا ہے۔ اسی طرح وہ ایک نومولود کو دنیا میں آتے ہی ماں کی گود میں اس کی نشونما کا بندوبست کرتا اور دنیا کے ماحول کو اس کے لیے سازگار بنا دیتا ہے۔

(2) انفرادی نعمتوں پر شکر کی وجوہات

اجتماعی شکر کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر شکر کرنے کی بھی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ساتھ انفرادی معاملہ کرتا اور خاص طور پر اسے اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تا کہ اسے شکر کے امتحان میں ڈال کر آزمائے۔ انفرادی طور پر شکر کرنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر

(i) جسم کے تمام اعضا کی سلامتی، بیماری سے حفاظت یا بیماری سے تندرستی، کسی بھی جسمانی معذوری سے پاک ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا۔

(ii) اچھے حافظہ اور عقل پر شکر گزار ہونا۔

(iii) زندگی میں مادی اور روحانی دونوں پہلوؤں سے سکون حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بننا۔

(iv) مال اور جائداد میں کثرت پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا۔

(v) اولاد میں کثرت یا حسب توقع اولاد کے حصول میں کامیابی پر اللہ پاک کا شکر گزار ہونا۔

(vi) شہرت اور عزت حاصل ہونے پر اظہار تشکر کرنا۔

(vii) انسان کا ماں باپ کے زندہ ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا۔

(viii) انسان جب تک زندہ رہتا ہے اس کے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ علم میں اضافے پر شکر گزار ہونا چاہیے۔

(ix) کسی مصیبت یا بیماری سے نجات پانے پر شکر گزار ہونا۔

(x) کسی گناہ سے بچنے پر یا نیکی کی توفیق (طاقت) ملنے پر شکر کا اظہار کرنا۔

10 شاکر اور شکور کا فرق

(1) شاکر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے اس پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو اس چیز پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اسے عطا نہیں کی۔

(2) بعض کا خیال ہے کہ شاکر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا پر شکر کرے اور شکور وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کے چھن جانے پر بھی شکوہ شکایت کی بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔

(3) شاکر نفع پر شکر کرتا ہے اور شکور نفع کے روک لینے پر بھی شکر کرتا ہے۔

(4) شاکر اللہ تعالیٰ کی عنایات دیکھ کر شکر کرتا ہے اور شکور مصیبتوں اور تکالیف ملنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے۔

11 اہل رجا اور خائفین کا شکر

رجا (اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے) والے کا شکر ہے۔ دوسرا خائفین (اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے) کا شکر ہے۔

(1) اہل رجا کا شکر یہ ہے کہ وہ ظاہری نعمتوں سے امید رکھتے ہیں اور حسن معاملہ کی وجہ سے انہیں اچھی امید ہوتی ہے تو اس کو مکمل کرنے کی امید میں کام کرتے ہیں۔ ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ شکر کے طور پر تیزی سے نیک کاموں کی طرف دوڑتے ہیں۔

(2) خائفین کا شکر یہ ہے کہ بُرے انجام کے خوف سے شکر کرتے ہیں۔ انہیں بدبختی غالب آنے کا ڈر ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کا خوف انہیں ایمان کے انعامات ملنے کا باعث بن جاتا ہے اور یہ انعامات کا غلبہ ان کے دلوں میں اسلام کی قدر و منزلت اور عظمت پیدا کر دیتا ہے۔

12 شکر کے طریقے

شکر باری تعالیٰ کے کئی طریقے ہیں:

(1) زبان سے نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنا چاہیے۔ جب دل میں کسی نعمت کا سرور محسوس ہوتا ہے تو اس کا اظہار سب سے پہلے زبان ہی سے ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ عربی میں ہی شکر ادا کیا جائے بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اپنے الفاظ میں شکر کیا جائے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام کی مانگی ہوئی شکر گزاری کی دعاؤں پر بھی غور کر لینا چاہیے۔ اس سے شکر گزاری کے کئی مضامین ذہن میں آجاتے ہیں۔ یہ شکر اہل علم/علماء کا شکر ہے جو ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

(2) جسم اور اعضا سے اللہ پاک سے وفاداری اور بندگی دکھانی چاہیے۔ نعمت کے ملنے پر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی جائے۔ اس میں لمبا قیام اور طویل سجدے کیے جائیں اور خدا کا شکر ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے نفلی روزہ رکھا جائے۔ اللہ پاک کی راہ میں مال خرچ کیا جائے۔ یہ عبادت گزاروں کا شکر ہے جو ان کے اعمال (کاموں) سے ظاہر ہوتا ہے۔

(3) دل سے اللہ پاک کے احترام کا خیال کرنا چاہیے۔ ہمیشہ اللہ پاک کے احسان کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے اور اپنی خواہشات کو اس کی مرضی کے تابع کر دینا، شکر کا سب سے مشکل لیکن مؤثر طریقہ ہے۔ یہ شکر گزاری کی حقیقی صورت ہے کہ اپنے منعم (نعمت دینے والے) کے احسانات پر احسان مند ہوتے ہوئے اس کی مکمل فرماں برداری کی جائے۔ یہ عارفوں کا شکر ہے جو اپنے عام حالات میں اللہ پاک کی نعمتیں دیکھتے ہیں اور ان پر کامل یقین دکھاتے ہیں۔

(4) اللہ پاک کے احسانات اور نعمتوں کو بار بار سوچنا اور یاد کرنا چاہیے اور ہر نعمت کو صحیح معنوں میں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصور کرنا چاہیے۔ اس سے اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت خداوندی سے شکر کا اعلیٰ درجہ نصیب ہوتا ہے۔

(5) انسان کی سجدہ کی حالت اللہ پاک کو انتہائی پسند ہے اس لیے جب بھی انسان اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کو دیکھے تو فوراً سجدہ شکر بجالائے۔ جیسا کہ

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ: "إِذَا جَاءَهُ أَمْرُ سُرُورٍ، أَوْ بُشِّرَ بِهِ خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلّٰهِ". (سنن ابوداود، ج:2، رقم الحدیث:1008)

(حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جب کوئی خوشی والی بات پیش آتی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی بات کی خوشخبری سنائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اللہ پاک کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ کرتے)

(6) ہمیں اپنے سے کم نعمتوں والوں کو دیکھنا چاہیے۔ اپنے سے کم نعمتوں والوں کو دیکھنے سے بھی شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ رَأَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ هُوَ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ لَا يَزْدَرِيَ نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ".

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:1856)

(جو شخص اپنے سے بہتر صورت یا زیادہ مالدار کی طرف دیکھے تو اسے اپنے سے کم تر آدمی کو دیکھنا چاہیے، جس پر اسے فضیلت دی گئی۔ یقیناً اس سے اس کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی نعمت حقیر نہیں ہوگی)

(7) اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ اے اللہ! مجھے شکر کی توفیق عطا فرما دیجئے، مجھے اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرما دیجیے۔

(8) ہمیں شکر پر ملنے والے عظیم اجر پر غور اور فکر کرنا چاہیے جو دنیا و آخرت میں ملتا ہے۔

(9) قیامت کے دن نعمتوں پر جو سوال ہوگا۔ اس سوال کی عظمت اور ہیبت (رعب) کا تصور کرے

کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ شکر الٰہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

13 شکر کے بارے میں اقوال

شکر کے بارے میں صوفیاء کرامؒ سے بہت پیارے اقوال منسوب ہیں:

(1) حضرت ابوبکر دقاقؒ فرماتے ہیں کہ کسی نعمت کے شکر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ پاک کے احسان پر نظر رکھے اور اس کی عزت کی حفاظت کرے۔

(2) حضرت حمدونؒ فرماتے ہیں کہ نعمت کے شکر کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ہم اپنے نفس کو عارضی سمجھیں اور ایک طفیلی (اللہ تعالیٰ پر انحصار کرنے والا) خیال کریں۔

(3) حضرت عثمانؒ فرماتے ہیں کہ شکر اس پہچان کو کہتے ہیں جو شکر سے عاجزی کی بنا پر حاصل ہوتی ہے۔

(4) حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ ہم پوری استطاعت (طاقت) سے انعامات کرنے والے کی فرماں برداری کریں۔

(5) حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شکر انعام دینے والے کو دیکھنے کا نام ہے نہ کہ نعمت دیکھنے کا۔

(6) حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شکر عاجزی، نیک کاموں کا ہمیشہ کرنا، نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھنا، اطاعت کرنا، زمین اور آسمانوں کے مالک سے تعلق رکھنا ہے۔

(7) حضرت ابوعثمانؒ فرماتے ہیں کہ عام لوگ تو کھانے اور لباس پر شکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ ان چیزوں پر شکر کرتے ہیں جو دل پر وارد ہوتی ہیں (اللہ تعالیٰ کے راز)۔

(8) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہوتا ہے کہ انسان خود کو نعمتوں کا اہل نہ سمجھے بلکہ نعمتوں کو اللہ پاک کی رحمت سمجھے۔

(9) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نعمت عطا کرے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کبھی نہ کرے اور اس کو اپنے گناہوں کا سرمایہ نہ بنائے۔

(10) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی نعمتوں کا بار بار ذکر کیا کرو۔ نعمتوں کا بار بار ذکر کرنا ہی نعمتوں کا شکر ہے۔

(11) حضرت مطرف بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دو چیزوں پر غور کیا: ایک عافیت اور دوسری شکرگزاری۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ ان دو چیزوں میں دنیا اور آخرت کی سب خیر سمیٹ دی گئی ہے۔ مجھے عافیت نصیب ہو اور میں اس پر شکر کروں، یہ مجھے اس سے کہیں عزیز (پسند) ہے کہ میں کسی آزمائش میں پڑوں اور اس پر صبر کروں۔

(12) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ عاجزی کرتے ہوئے نعمت دینے والے کی نعمت کا اقرار کرنا اور اسی طرح عاجزی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احسان کو ماننا اور یہ سمجھ لینا کہ انسان اس کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہے۔

(13) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اپنے سے بڑے کا شکر اطاعت وفرمانبرداری کی صورت میں ادا ہوگا۔ برابر والے کا شکر اس پر احسان کرنے سے اور اپنے سے کم اہم شخص کا، اسے بدلہ دینے سے ہوگا۔

(14) حضرت ابودقاقؒ فرماتے ہیں: شکر یہ ہے کہ نہایت عاجزی کے ساتھ انعام کرنے والے کی نعمت کا اعتراف کرلیا جائے۔

(15) حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ شکر سے مراد بڑھ چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور ظاہری اور چھپی ہوئی نافرمانیوں سے بچنا ہے۔

(16) امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ شکر انعامات کرنے والے کے انعامات کا اعتراف کرنے اور ان انعامات کو منعم (انعام کرنے والے) کی نافرمانی میں نہ لگانے کا نام ہے۔

(17) حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ شکر زبان سے نعمتوں کے اقرار، دل سے ان نعمتوں کی تصدیق اور عمل سے انعام کرنے والے کی رضا کے حصول میں لگے رہنے کا نام ہے۔

(18) حضرت محمد بن لوط انصاریؒ فرماتے ہیں کہ شکر نافرمانی چھوڑ دینے کا نام ہے۔

(19) حضرت ابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ شکر انعام کرنے والے کے انعامات کا اعتراف کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت (رب ہونے) کا اقرار کرنا ہے۔

(20) حضرت حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر گزاروں کے لیے شکر زیادتی کا سبب ہے۔

14 شکر کے واقعات

یہاں ہم شکر کرنے والوں کے چند واقعات نقل کرتے ہیں تا کہ ان سے سبق حاصل کیا جا سکے:

(1) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی نماز میں اتنی زیادہ دیر تک کھڑے ہوتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں پھول جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو غلطی کرتے بھی نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاف فرما دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے کہ کیا میں اللہ پاک کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1081)

(2) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے صبح کیسے کی؟ اس نے عرض کیا! خیریت سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ پوچھا کیسے ہو؟ اس نے عرض کیا! خیریت سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری بار پوچھا کیسے ہو؟ اس نے عرض کیا، خیریت سے ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی حمد (تعریف) کرتا ہوں اور اس کا شکر کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم سے یہی تعریف اور شکر چاہا تھا۔

امت کے بزرگوں کا طریقہ کار بن گیا کہ جب کسی سے ملتے تو دوسرے کا حال پوچھتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر بیان کرتے۔ وہ سب ہی حمد وثنا (اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر) میں حصہ لیتے اور یہ بات اجتماعی ذکر بن جاتی۔ اگر کسی کو معلوم ہوتا کہ فلاں آدمی اپنے خداوند کریم کی شکایت کرتا ہے تو اسے برا سمجھتے اور اس سے پوچھتے ہی نہ تھے تا کہ پوچھنے والا اس کی شکایت کا باعث نہ بن جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شکایت برا فعل ہے۔

(3) حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم نبی تھے۔ اللہ پاک نے آپ علیہ السلام کو بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا۔ آپ انتہائی شکر گزار نبی تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو شکر گزاری پر وہ حکومت ملی کہ

اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکر گزاری کا خاص مظاہرہ اس وقت ہوا جب حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے لشکر کے ساتھ چیونٹیوں کی ایک وادی میں سے گزر رہے تھے، جس کا ذکر اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب میں اس طرح فرمایا ہے:

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ. (سورۃ النمل، آیت:18)

(جب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان (علیہ السلام) اور اس کا لشکر تمہیں کچل ڈالے اور انہیں خبر بھی نہ ہو)

چیونٹی کی یہ بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فخر اور غرور نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کرتے ہوئے شکر ادا کیا اور مزید عنایات کے لیے درخواست کی۔ اللہ پاک نے بڑے فخر کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے:

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ.

(سورۃ النمل، آیت:19)

(پھر اس کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑا اور کہا: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اور یہ کہ میں نیک کام کروں جو تو پسند کرے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے)

(4) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو دنیا کی دولت سے بہت نوازا گیا اور پھر سب کچھ جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس بچھانے کے لیے صرف ایک چٹائی ہی رہ گئی، مگر وہ پھر بھی اللہ پاک کی تعریف اور شکر میں مصروف رہا۔ ایک دوسرے مالدار شخص نے اس سے کہا کہ اب تم کس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں ان نعمتوں پر اللہ پاک کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ساری دنیا کی دولت بھی خرچ کر کے بھی وہ نعمتیں مجھے نہیں مل

سکتیں۔ مالدار نے پوچھا کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں؟ اس نے جواب دیا: کیا تم اپنی آنکھ، زبان، ہاتھوں اور پاؤں کو نہیں دیکھتے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمتیں ہیں۔

(کتاب الشکر، رقم الحدیث: 100)

(5) حضرت اسحاق بن عبداللہؒ بیان کرتے ہیں، ایک شخص کا یہ معمول تھا کہ جب بھی حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا سلام عرض کرتا۔ آپ ﷺ اس سے دریافت فرماتے: تم نے صبح کس حال میں کی؟ وہ عرض کرتا: میں آپ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں۔ آپ ﷺ اس کے لیے دعا فرماتے۔ ایک دن وہ حاضر خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے حسب معمول پوچھا: اے فلاں کیسے ہو؟ اس نے عرض کیا: اگر شکر کروں تو خیریت سے ہوں۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور اس کے حق میں کوئی دعا نہ کی۔ اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! پہلے تو آپ ﷺ میرا حال دریافت فرمانے کے بعد میرے لیے دعا بھی فرمایا کرتے تھے جبکہ آج میرا حال دریافت فرمانے کے بعد میرے لیے دعا نہیں فرمائی؟ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلے جب میں تمہارا حال معلوم کرتا تھا تو تم اللہ پاک کا شکر بجالاتے تھے جبکہ آج میں نے تمہارا حال پوچھا تو تم نے شکر بجالانے میں شک کیا۔ (شعب الایمان، ج: 4، رقم الحدیث: 4449)

(6) حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: الٰہی میں کس طرح تیرا شکر ادا کروں کیونکہ میرا شکر کرنا بھی تیری طرف سے ایک نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ اب آپ علیہ السلام نے میرا شکر ادا کیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا اس بات کو پہچان لینا ہی شکر ادا کرنا تھا۔

(7) ایک آدمی نے اپنے شہر والوں سے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی اور اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا۔ شہر والوں میں سے ایک نے کہا کہ تجھے اچھا لگے گا کہ تو اندھا ہو اور تجھے دس ہزار مل جائیں؟ اس آدمی نے کہا نہیں۔ اس آدمی نے پوچھا کیا تجھے اچھا لگے گا کہ تو گونگا ہو اور تجھے دس ہزار مل جائیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس آدمی نے دوبارہ پوچھا کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے

کہ تیرے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں اور تجھے دس ہزار مل جائیں؟ تو شکوہ کرنے والے نے جواب دیا بالکل نہیں۔ اس نے کہا کہ پھر تجھے اللہ تعالیٰ سے حیا کرنی چاہیے۔ اس کا شکرادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اتنی بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔

(8) ایک صوفی کے دوست کو بادشاہ نے قید کر دیا۔ اس قیدی نے اپنے صوفی دوست کو پیغام بھیجا تو صوفی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرو۔ پھر قیدی شخص کو مارا گیا تو اس نے صوفی کو خط لکھا۔ صوفی نے جواب دیا کہ اللہ پاک کا شکرادا کرو۔

پھر ایک مجوسی (آگ کی عبادت کرنے والے) کو لایا گیا جو پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اسے قید کر دیا گیا اور اس کی بیڑی کا ایک حلقہ اس کی بیڑی میں ڈال دیا گیا اور دوسرا مجوسی کے پاؤں میں۔ مجوسی رات کو کئی بار اٹھتا اور اس شخص کو مجوسی کے فارغ ہونے تک اس کے پاس کھڑا ہونا پڑتا۔ اب اس نے اپنے صوفی دوست کو لکھا تو اس نے جواب دیا کہ اللہ پاک کا شکرادا کرو۔ اس نے کہا: آپ کب تک مجھ سے یہ بات کہتے رہیں گے اور اس سے بڑھ کر کیا مصیبت ہوسکتی ہے؟ صوفی دوست نے جواب دیا کہ اگر یہ زنار جو اس کی کمر میں ہے تمہاری کمر میں ڈال دیا جاتا جس طرح اس کے پاؤں کی بیڑیاں تیرے پاؤں میں ڈالی گئی ہیں تو تم کیا کر لیتے؟

(9) ایک شخص حضرت سہل بن عبداللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ چور میرے گھر میں داخل ہوا اور میرا سامان لے گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرو اگر چور (شیطان) تمہارے دل میں داخل ہو کر تمہارے عقیدہ توحید کو خراب کر دیتا تو تم کیا کر سکتے تھے؟

(10) ایک صوفی بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سفر کے دوران ایک بہت بوڑھے آدمی کو عجیب حالت میں دیکھا۔ اس سے اس حالت کے بارے میں پوچھا؟ اس نے کہا کہ مجھے اپنی ابتدائی عمر میں اپنی چچازاد سے عشق تھا اسی طرح اسے بھی مجھ سے عشق تھا۔ اتفاق سے وہ میرے نکاح میں آ گئی۔ شادی کی رات کو ہم دونوں نے کہا کہ آج رات ہم اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنے کے لیے عبادت کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اکٹھا کر دیا۔ پس ہم نے ساری رات نماز پڑھی۔ پھر بڑھیا

کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اے فلانی کیا ایسا نہیں؟ بڑھیا نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا ہے۔

(11) حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران میرا سب سامان ختم ہو گیا۔ کئی دن بھوکا رہا حتیٰ کہ پاؤں میں جوتا تک نہ تھا۔ اس حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں دل میں شکوہ پیدا ہوا۔ نماز کے لیے کوفہ (عراق کا شہر) کی جامع مسجد میں گیا تو واپسی پر دیکھا کہ مسجد کی سیڑھیوں پر ایک آدمی بھیک مانگ رہا ہے، جس کے دونوں پاؤں نہیں ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور شکر کیا کہ اگر پاؤں میں جوتے نہیں ہیں تو کیا ہوا کم از کم پاؤں تو ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ پاؤں بھی نہ دیتا تو پھر کیا کیا جا سکتا تھا؟

(12) ایک وفد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان میں سے ایک نوجوان کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ ہم آپ سے کچھ لینے کی غرض سے نہیں آئے اور نہ ہی کسی سے خوفزدہ ہیں، بلکہ ہم تو صرف اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ زبان سے بھی آپ کا شکر ادا کریں اور واپس چلے جائیں۔

(13) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک فقیر ہے جس کے ہاتھ پاؤں نہیں ہیں۔ بہرا ہے اور اندھا/ نابینا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ لوگ حیران ہوئے۔ پوچھنے لگے کہ اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کیا اس غریب فقیر کو بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: جی ہاں! یہ فقیر سانس تو لے رہا ہے، رفع حاجت (پیشاب) تو کر لیتا ہے۔

(14) حضرت سلام بن ابو مطیع فرماتے ہیں کہ میں ایک مریض کی عیادت کے لیے گیا تو وہ چیخ و پکار کر رہا تھا۔ میں نے اسے کہا! ان کو یاد کرو جو راستوں میں پڑے ہیں اور ان کو یاد کرو جن کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں، نہ کوئی ان کا خدمت گار ہے۔ حضرت سلام بن ابو مطیع فرماتے ہیں کہ بعد میں ایک بار پھر میں اس مریض کی عیادت کے لیے گیا تو وہ سرگوشی کے انداز میں خود سے کہہ رہا تھا! اے میرے نفس ان کو یاد کر جو راستوں میں پڑے ہیں۔ ان کو یاد کر جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں، نہ ہی کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہے۔

(15) حضرت بکر بن عبداللہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سامان اٹھانے والے سے ملا جو وزن اٹھائے ہوئے تھا اور ساتھ ہی ساتھ الحمد للہ اور استغفر اللہ کا ورد کیے جا رہا تھا۔ میں اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جب اس نے اپنا بوجھ اتارا تو میں نے اس سے پوچھا: کیا تم اس سے اچھا کوئی کام نہیں کر سکتے؟ اس نے جواب دیا کیوں نہیں! میں اچھا کام کر سکتا ہوں، قرآن پاک پڑھا سکتا ہوں۔ لیکن بندہ چونکہ نعمت اور گناہ کے درمیان رہتا ہے، اس لیے میں اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہاں کا قلی (سامان اٹھانے والا) بھی مجھ سے زیادہ سمجھدار ہے۔

(الدر المنثور بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ، آیت: 152)

(16) حضرت وہب بن منبہؒ ایک ایسے مصیبت زدہ کے پاس سے گزرے جو اندھا، کوڑھی اور برص میں مبتلا تھا۔ اس کا لباس بھی اچھا نہ تھا لیکن وہ اللہ پاک کی حمد وثنا (تعریف اور شکر) بیان کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کا شکر ہے۔ حضرت وہب بن منبہؒ کے ساتھ موجود شخص نے کہا کہ تیرے پاس کون سی نعمت باقی بچی ہے جس پر اللہ پاک کا شکر کر رہا ہے؟ وہ شخص بولا: ذرا اپنی نگاہ اس شہر کے رہنے والوں کی طرف اٹھا کر دیکھو اور ان کی کثرت کو ملاحظہ کرو۔ کیا میں اس بات پر اللہ پاک کا شکر ادا نہ کروں کہ اس نے مجھے اپنی معرفت عطا فرمائی ہے۔

(الدر المنثور بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ، آیت: 152)

(17) شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے انسان کو ہر وقت اللہ پاک کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے۔ انسان کے سانس کا اندر جانا بھی ایک نعمت ہے کہ زندگی بڑھاتا ہے اور، باہر آنا بھی ایک نعمت ہے کہ تفریح دیتا ہے۔ اگر ہوا اندر نہ جائے تو موت ہے اور اگر باہر نہ آئے تو بھی موت ہے۔ انسان کے ایک سانس پر دو اتنی بڑی نعمتیں ملتی ہیں اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔ پس انسان پر ہر سانس پہ دو بار شکر کرنا ضروری ہے۔

9

مقام تواضع

1 تواضع کا مفہوم

(1) تواضع سے مراد انسان کا اپنے آپ کو دوسروں سے چھوٹا یا برابر یا عاجز سمجھنا، دوسروں کی تعظیم اور عزت کرنا، حقوق العباد (بندوں کے حقوق) کا خیال رکھنا، دوسروں کے حقوق کو اپنے حقوق سے پہلے رکھنا اور تکبر کو چھوڑنا ہے۔ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ انسان خود کو ناچیز، دوسروں سے کم درجے کا اور عاجز سمجھے۔ اپنے آپ کو بلندی کا اہل نہ سمجھے اور حقیقت میں اپنے آپ کو عاجز بنانے کا ارادہ کرے۔ تواضع وانکساری اختیار کرنے والا شخص ہمیشہ تکبر کی برائی سے بچا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو دونوں جہاں میں سربلندی اور کامیابی عطا فرماتا ہے۔

(2) تواضع کی بنیاد ذلت اور تکبر میں اعتدال پیدا کرنا ہے۔ تکبر یہ ہے کہ انسان خود کو اپنے حقیقی مرتبے سے بلند تر سمجھے اور ذلت یہ ہے کہ انسان خود کو کم تر سمجھے۔ بعض لوگوں نے تواضع اور ذلت میں فرق نہیں کیا۔ ان کا مقصد، سالک (اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے والے) کے غرور اور تکبر کا مکمل طور پر خاتمہ کرنا ہے۔ اس لیے وہ تواضع اور ذلت میں فرق نہیں کرتے اور تواضع میں مبالغے (زیادتی) سے کام لیتے ہیں اور تواضع کو ذلت تک پہنچا دیتے ہیں۔ دوسری طرف بعض لوگوں کے ایسے اقوال ملتے ہیں جن سے تکبر یا خود پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ دونوں رویے غیر متوازن ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام کاموں میں اعتدال کو پسند فرماتے ہیں۔

(3) دراصل تواضع یہ ہے کہ آدمی بغیر تکبر اور ذلت کے تواضع اختیار کرے۔ جو شخص اپنے برابر کے لوگوں پر خود کو پہلے رکھے وہ تکبر کرنے والا ہے اور جو خود کو ان کے برابر یا کچھ کم خیال کرے وہ تواضع کرنے والا ہے کیونکہ تواضع کا معنی ہے کہ اس نے اپنا وہ مقام کھو دیا جس کا وہ حق دار تھا۔

(4) اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ آدمی تواضع کے نام پر ذلت اختیار کرلے بلکہ اس کا پسندیدہ حکم اعتدال ہے۔ حق دار کو اس کا حق دے، خندہ پیشانی (خوش اخلاقی) سے گفتگو کرے، سوال کرنے والے سے نرمی برتے، اگر دعوت دی جائے تو قبول کرے، دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کی پوری کوشش کرے، خود کو دوسروں سے مقدم (اعلیٰ) خیال نہ کرے، دوسروں کو ذلیل و کمتر

نہ سمجھے اور نہ ہی ان سے ایسا سلوک روا رکھے جس سے وہ خود کو ذلیل و خوار سمجھنے لگیں۔ اگر یہ تواضع اس درجے کو پہنچ جائے کہ اپنا کوئی مرتبہ اور وقار ہی نہ رہے تو پھر نوبت ذلت اور خوشامد تک پہنچ جائے گی جو غلط ہے۔ مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ خود کو بے توقیر کرے۔

(5) بعض لوگ خودداری اور عزت نفس کو تکبر سمجھتے ہیں حالانکہ دونوں میں واضح فرق ہے۔ خودداری یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے اور حقیقت نفس کو پہچان کر اس کا احترام اس طرح کرے کہ دنیاوی لالچ کے لیے خود کو ذلیل اور خوار نہ کرے۔ کبر یہ ہے کہ اپنے نفس سے ناواقف ہو اور اس کو اس کے مقام سے بلند سمجھے۔ کبر انتہائی نقصان دہ ہے اور عزتِ نفس اور خودداری ایک اچھی صفت ہے۔ عزت نفس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ. (سورۃ المنافقون، آیت:8)

(عزت تو اللہ پاک، اس کے رسول اور مومنین ہی کے لیے ہے)

(6) بعض لوگ اچھے کپڑے اور اچھی جوتی پہننے، اچھا گھر بنانے، اچھی گاڑی رکھنے کو تواضع اور انکساری کے خلاف اور تکبر کی علامت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں نہ تو تکبر کی علامت ہیں اور نہ تواضع اور انکساری کے خلاف۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے دل میں سرسوں کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی بھی اچھی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ".

(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:266)

(اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی ہی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو سچ کو جھٹلانے اور دوسرے لوگوں کو کمتر سمجھنے کو کہتے ہیں)

(7) تواضع اور انکساری بنیادی طور پر نفس کا مجاہدہ ہے کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے

خاکسار، نیازمند اور فقیر کہہ دیا جائے بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی ہمیں خود پر فوقیت نہ دے تو بدلے کا جوش اور جذبہ پیدا نہ ہو اور نفس کو یوں سمجھا لیا جائے کہ میں واقعتاً ایسا ہی ہوں پھر کیوں برا محسوس کیا جائے۔ تواضع کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دوسروں کا انسان کی تعریف کرنا اور اسے عاجز اور مسکین سمجھنا برابر ہو جائے۔

(8) تواضع اور انکساری کی ضد تکبر ہے۔ تواضع اور انکساری کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے، تکبر کا مفہوم جاننا ضروری ہے۔ تکبر بنیادی طور پر دوسروں کو حقیر (کمتر) سمجھتے ہوئے خود کو بڑا سمجھنا ہے۔ کسی خوبی اور فضیلت کی بنیاد پر خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنا، جن میں وہی خوبی یا فضیلت نہ ہو، نامناسب ہے مگر تکبر نہیں۔

(9) تکبر کی دو قسمیں ہیں:

(i) مطلق تکبر یہ ہے کہ آدمی اپنی واقعی یا فرضی خوبی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیے بغیر دوسروں کو حقارت (کمی) کی نظر سے دیکھے۔ یہ تکبر شرک اور کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

(ii) جزوی تکبر یہ ہے کہ آدمی اپنی واقعی یا فرضی خوبی کو اللہ پاک کی عطا سمجھتا ہے مگر اس کی روح سے بیگانہ ہو کر اسے دوسروں کی توہین کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔

تکبر کی ان دونوں قسموں میں دو چیزیں مشترک ہیں:

(i) خود کو بڑا جاننا۔

(ii) دوسروں کی حقارت، خواہ احساس میں ہو یا عمل میں۔

عاجزی یہ ہے کہ انسان خود کو دوسروں سے بڑا نہ جانے اور کسی کو تحقیر (کمی) کا احساس نہ دلائے۔

2 تواضع قرآن مجید کی روشنی میں

تواضع اور انکساری (نرمی) اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ کام ہے جس کا قرآن پاک میں نہ صرف حکم دیا گیا ہے بلکہ اسے اختیار کرنے والوں کو آخرت میں اعلیٰ درجات کی خوشخبری بھی دی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تواضع اور انکساری اور

عاجزی اختیار کرنا تو انبیاء علیہ السلام کا شیوہ ہے:

(1) لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَٱخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ. (سورۃ الحجر، آیت:88)

(اور ہم نے کافروں کی کئی جماعتوں کو جو مالا مال کر رکھا ہے تم ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا اور نہ ان کے حال پر غم کرنا اور ایمان والوں سے تواضع سے پیش آنا)

اس آیت پاک یہ نکات بیان کیے گئے ہیں:

(i) ہمیں دوسروں کے مال اور دولت کی طرف للچائی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔

(ii) ہمیں دوسروں کے پاس نعمتیں ہونے پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

(iii) دنیا کی زندگی آزمائش (امتحان) کے لیے ہے اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کم ہے۔

(iv) ہمیں دوسروں کے ساتھ نرمی اختیار کرنی چاہیے اور عاجزی اور انکساری سے پیش آنا چاہیے۔

(v) وَٱخْفِضْ جَنَاحَكَ سے مراد اپنے پر نیچے کر لینا ہے۔ جیسے پرندے اپنے پر نیچے کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں بھی ایمان والوں کے سامنے عاجزی اور انکساری اختیار کرنی چاہیے۔

(2) وَٱخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ. (سورۃ الشعرا، آیت:215)

(ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری فرماں برداری کریں ان کے ساتھ تواضع (عاجزی) سے پیش آؤ)

اس آیت پاک میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کے ساتھ تواضع اور نرمی سے پیش آئیں۔ اس سے تواضع کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تواضع کا حکم دیا گیا ہے۔ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ حکم ہے تو پھر عام مومنین کے لیے تو انتہائی ضروری ہوگا کہ وہ دوسروں کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کریں۔

(3) وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى ٱلْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَٱقْصِدْ فِى مَشْيِكَ وَٱغْضُضْ مِن صَوْتِكَ. (سورۃ لقمان، آیت:18-19)

(اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل۔ اللہ تعالیٰ کسی خود پسند اور فخر

جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز ذرا آہستہ رکھ)

(i) اللہ پاک نے اس آیت مبارکہ میں ہمیں دوسروں کے ساتھ بے رخی اختیار کرنے اور زمین میں فخر اور غرور سے چلنے سے منع کیا ہے۔ انسان کو اپنے چلنے کے طریقے اور بولنے کے انداز میں عاجزی پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ انسان کی چال، ڈھال دراصل اس کے باطن (اندرونی) کیفیت کا عکس (تصویر) ہوتا ہے۔ تکبر کرنے اور عاجزی کرنے والے انسان کا چلنا الگ الگ ہوتا ہے۔ اللہ پاک کے پسندیدہ بندے اکڑنے کی بجائے اس کے سامنے سر جھکا کر عاجزی سے چلتے ہیں۔ یہ انسان کی اللہ پاک کی عبادت کرنے کا تقاضا ہے۔

(ii) درمیانی چال یہ ہے کہ نہ اس میں بیماروں کی طرح لاغری ہو اور نہ ہی فخر و غرور پایا جائے۔

(iii) جہاں تک انسان کی گفتار اور آواز کا معاملہ ہے تو وہ بھی حسب ضرورت اونچی یا نیچی کی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر امام اور خطیب اپنے مقتدی اور سامعین کی تعداد کے مطابق آواز بلند کر سکتا ہے لیکن عام حالات میں گفتگو آہستہ آواز میں کرنی چاہیے۔

(4) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا. (سورۃ الفرقان، آیت:63)

(اور رحمٰن (اللہ پاک) کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک کے بندوں کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ زمین پر اکڑ کے نہیں چلتے بلکہ عاجزی سے ساتھ چلتے ہیں۔ ان کی چال ڈھال سے تکبر اور غرور کی بجائے عاجزی اور انکساری ٹپک رہی ہوتی ہے۔ یہ چال ان کے باطن (دل) کی کیفیت کا اظہار ہوتی ہے۔ ان کے دلوں پر اللہ پاک کی عظمت کی ہیبت (خوف) ایسی چھائی ہوتی ہے کہ ان کے ہر قدم سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ پاک کے بندوں کی عاجزی اور انکساری کو یوں بیان کیا گیا ہے:

(i) ان کی چال ڈھال میں سنجیدگی ہوتی ہے۔

(ii) اللہ تعالیٰ کے بندے عاجزانہ چال چلتے ہیں۔

(iii) وہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔

(iv) ان کی گفتگو سے اخلاق ٹپکتا ہے۔

(v) وہ جاہلوں سے الجھنے کی بجائے اچھی بات کہتے ہوئے چل دیتے ہیں۔

(vi) بے فائدہ حرکتوں سے بچتے ہیں۔

(vii) فضول بات سنتے ہیں تو اچھے طریقے سے گزر جاتے ہیں۔

(5) وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا. (سورۃ الفرقان، آیت:72)
(جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی فضول چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو عزت کے ساتھ گزر جاتے ہیں)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو فضول چیزوں سے سابقہ پیش آ جانے پر عاجزی اور انکساری اختیار کرتے ہوئے شریف لوگوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ وہ فضول چیزوں میں نہیں پڑتے، جھوٹ سے بچتے ہیں اور جھوٹی گواہی بالکل نہیں دیتے۔

(6) وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (سورۃ الحج، آیت:34-35)
(عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔ یہ وہ لوگ ہیں جب اللہ پاک کا نام لیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر مصیبت آئے تو صبر کرنے والے ہیں اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں)

اس آیت پاک میں عاجزی کرنے والوں کے لیے خوش خبری کا اعلان کیا گیا ہے۔ بندے کی شان یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اور دل و جان سے اپنے خالق و رازق کے سامنے جھکا رہے اور کسی قسم کے غرور اور تکبر میں مبتلا نہ ہو۔ نعمتوں، عنایتوں اور رحمتوں کو دیکھے۔ اپنی عاجزی کا

اظہار رکوع و سجود سے کرے۔

اسلام کی اصل روح یہی عاجزی ہے۔ اس آیت پاک میں عاجزی کرنے والوں کی کچھ نشانیاں یا خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں:

(i) جب اللہ پاک کی عظمت کا اظہار کیا جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو عاجز پاتے ہیں اور ان کے دل اللہ پاک کی عظمت سے ڈر جاتے ہیں۔

(ii) وہ اللہ پاک سے بے نیاز نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اثر لیتے ہیں۔

(iii) جب وہ کسی مصیبت میں ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو عاجزی سے قبول کرتے ہوئے صبر کرتے ہیں۔

(iv) عاجز لوگ اللہ پاک کے سامنے اپنا سر نہایت عاجزانہ طریقے سے جھکاتے ہیں۔ رکوع و سجود کرتے ہیں، دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

(v) اللہ پاک کی طرف سے دی گئی نعمتوں پر تکبر نہیں کرتے بلکہ انہیں کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر عاجزی اور خاموشی سے بانٹتے ہیں۔

(7) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ.

(سورۃ آل عمران، آیت:159)

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اللہ پاک کی بڑی رحمت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہیں ورنہ اگر کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد سے بھاگ جاتے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نرم مزاج اور درگزر والے تھے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات لوگوں پر بے حد اثر کرتی تھی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع رہتے تھے۔ انسان کا مزاج ہے کہ غلطیوں پر معاف کرنے والے، خوش اخلاق، عاجزی اور نرمی کرنے والے کے پاس جانا اور اس سے فائدہ اٹھانا اور علم حاصل کرنا پسند کرتا

ہے۔ بالخصوص اساتذہ، مفتیان کرام، مبلغین اور بالعموم سب کے لیے اس آیت پاک میں بہت بڑی نصیحت ہے۔ اگر امت کو علم سکھانا اور فائدہ پہنچانا ہے تو نرم مزاج، محبت کرنے والے، مہربان اور معاف کرنے والے (بردبار) بننا چاہیے۔

اس آیت مبارکہ سے حسب ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i) عاجزی اور نرمی اختیار کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

(ii) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑے نرم خو، نرم دل تھے۔

(iii) کسی بھی قوم یا ادارہ کے سربراہ کو نرم مزاج ہونا چاہیے۔

(iv) کوئی بھی سربراہ، عاجزی و نرمی اختیار کرنے والا اور غلطیوں پر معاف کرنے والا ہو تو لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔

(v) دین کی دعوت دینے والوں اور لیڈروں میں معاف کرنے کا جذبہ ہونا چاہیے۔

(vi) تبلیغ کرنے والوں اور قوم کے لیڈروں کو لوگوں سے نرمی سے پیش آنا چاہیے۔

(vii) لوگوں سے سخت مزاجی اور سخت دلی سے پیش آنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور مزاج کے خلاف ہے۔

(viii) اگر ہم دوسروں سے سختی سے پیش آئیں گے تو وہ ہمارے قریب نہیں آئیں گے بلکہ دور بھاگ جائیں گے۔

(8) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ. (سورۃ الاعراف، آیت: 205)

(اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف سے اونچی آواز کے بغیر بھی صبح، شام یاد کرو اور غافلوں سے نہ ہو جانا)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ انسان کو ہر قسم کے تکبر سے بچنا چاہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت عاجزی کا اظہار کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر میں رہنے کے ساتھ

ساتھ انسان کا سر اللہ پاک کے سامنے عاجزی سے جھکا رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں دکھاوے (ریاکاری) کا ذرہ برابر بھی شک نہیں ہونا چاہیے۔

اس آیت پاک سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i) اللہ پاک کو دل میں ہر وقت یاد کرنا چاہیے۔

(ii) زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے۔

(iii) اللہ پاک کو دن رات کو یاد کرنا چاہیے۔

(iv) اللہ پاک کا ذکر انتہائی عاجزی اور انکساری سے کرنا چاہیے۔

(v) اللہ پاک اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کا بندہ اسے عاجزی سے چپکے چپکے یاد کرے۔

(vi) اللہ تعالیٰ کی یاد میں دکھاوے سے بچنا چاہیے۔

(vii) خاموشی کے ساتھ ذکر (ذکر خفی) اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔

(viii) اللہ تعالیٰ کو غافل دل اور زبان پسند نہیں ہے۔ اردو ادب کے مشہور شاعر احمد ندیم قاسمی کہتے ہیں:

اس وقت کا حساب کیا دوں
جو تیرے بغیر گزر گیا

حضرت سلطان باہوؒ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں:

جو دم غافل سو دم کافر سانوں مرشد ایہہ پڑھایا ہو
سنیاں سخن گئیاں کھل اکھیں اساں چت مولےٰ ول لایا ہو

(ہم کو مرشد نے یہ سبق پڑھایا ہے کہ انسان کا جو سانس اللہ تعالیٰ کی یاد کے بغیر غفلت میں گزرتا ہے وہ کفر کا لمحہ ہے)

(میں نے جس وقت یہ بات سنی میری غفلت کی آنکھیں کھل گئیں اور میں نے اللہ پاک کی یاد میں اپنا رخ اپنے اللہ پاک کی طرف پھرلیا)

(9) وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ۔
(سورۃ اسراء، آیت: 37)

(اور زمین پر اکڑ کر مت چلو۔ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو)

اس آیت پاک میں ہمیں تواضع اور میانہ روی سے چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تکبر سے اکڑ کر چلنے سے منع فرمایا ہے۔ اس سے ہمیں یہ نکات سمجھ آتے ہیں:

(i) تکبر اور غرور نہیں کرنا چاہیے۔
(ii) فخر اور تکبر کا کوئی فائدہ نہیں۔
(iii) اللہ پاک تواضع، عاجزی اور انکساری اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔
(iv) اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔
(v) اللہ پاک کی زمین پر عاجزی سے چلنا چاہیے۔

(10) وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ۔ (سورۃ لقمان، آیت: 18)

(لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا)

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اکڑ کر فخر و غرور سے چلنے سے بڑا نہیں ہوجاتا بلکہ تواضع اور انکساری اختیار کرنے سے بڑا ہوتا ہے۔ جس قدر تواضع اختیار کی جائے گی اسی قدر ہی انسان اللہ پاک کے نزدیک بڑا بنتا جائے گا۔ اس آیت میں حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحت کو بڑے اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے سے کی تھی۔ ہمیں اس سے یہ نکات سمجھ آتے ہیں:

(i) دوسروں سے بات کرتے وقت تواضع اختیار کرنی چاہیے۔
(ii) بات کرنے والا جب تک اپنی بات ختم نہ کرلے، اس سے منہ نہیں پھیرنا چاہیے۔

(iii) دوسروں کے ساتھ تکبر والا انداز اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

(iv) گفتگو اور چلنے میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔

(v) اکڑ کر چلنا تکبر اور فخر کی علامتیں ہیں ان سے بچنا چاہیے۔

(vi) اللہ پاک تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

(11) وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۗ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:34)

(اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا)

اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ تواضع اور انکساری اختیار کرنا انبیا علیہم السلام اور فرشتوں کی سنت ہے اور تکبر کرنا شیطان کی خصلت ہے۔ فرشتے تواضع اور انکساری اختیار کرنے والی اللہ پاک کی پسندیدہ مخلوق ہیں۔ اسی لیے اللہ پاک نے قرآن پاک میں بار بار تکبر کو شیطان سے منسوب کر کے بتایا ہے کہ اگر تم واقعتاً مجھ سے سچی محبت کرتے ہو تو تواضع اختیار کرو اور تکبر جیسی شیطانی خصلت سے بچو۔

(12) وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ. (سورۃ الاعراف، آیت:11-13)

(اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ اللہ پاک نے پوچھا: جب میں نے تجھے حکم دیا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ وہ بولا: میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے۔ اللہ پاک نے کہا: اچھا تو یہاں سے نیچے اتر کیونکہ تجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ یہاں تکبر کرے، اب نکل جا، یقیناً تو ذلیلوں

میں سے ہے)

اس آیت پاک سے ہمیں یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(i) اللہ پاک کی مخلوق کو اس کا حکم فوری ماننا چاہیے۔

(ii) شیطان نے اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانا تھا۔ اللہ پاک کا حکم نہ ماننے والے شیطان کے راستے پر چلتے ہیں۔

(iii) تکبر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان خود کو بڑا سمجھنے لگے۔

(iv) بعض اوقات بڑا نسب اور منصب انسان کو تکبر میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(v) بڑے خاندان اور عہدے والے انسان کو چاہیے کہ تکبر سے بچنے کے لیے ہر وقت شیطان کے واقعے کو سامنے رکھے۔

(vi) شیطان کو تکبر کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تھا۔ انسان بھی تکبر کرنے کی وجہ سے اللہ پاک کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

(vii) تکبر کرنے سے اللہ پاک ناراض ہو جاتا ہے جب تک سچے دل سے توبہ نہ کر لی جائے۔

(13) اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ○ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ○ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. (سورۃ ص، آیت: 71-78)

(جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ البتہ ابلیس نے (سجدہ) نہ کیا، اس نے تکبر سے کام لیا اور کافروں میں شامل ہو گیا۔ اللہ پاک نے پوچھا: ابلیس! جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، اس کو سجدہ

کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا ہے؟ کیا تو نے تکبر سے کام لیا ہے یا تو کوئی بہت اونچی ہستیوں میں سے ہے؟ کہنے لگا: میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گارے سے پیدا کیا ہے۔ فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے۔ اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی)

ان آیات پاک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

(i) اللہ پاک کی بات نہ ماننا بھی تکبر ہے۔

(ii) اللہ پاک نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ ہماری اچھی شکلیں بنائی ہیں۔ اس لیے ہمیں اللہ پاک کے حضور عاجزی اور انکساری اختیار کرنی چاہیے۔

(iii) خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنا شیطان کی صفت ہے۔

(iv) حق و سچ کے خلاف دلیلیں نہیں کھڑی کرنی چاہیں۔

(v) شیطان اپنے اعلیٰ روحانی مقام سے تکبر کی وجہ سے گرا۔

(vi) تکبر انسان کو شیطان کی طرح ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔

(14) اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى.

(سورۃ طٰہٰ، آیت: 43-44)

(تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت سرکش (مغرور) ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر جائے)

ان آیات مبارکہ میں ہمیں دعوت و تبلیغ کا سلیقہ سکھایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ فرعون کو دین کی دعوت دیتے وقت نرمی اور تواضع اختیار کریں جس میں ترغیب ہو، غصہ دلانے والی نہ ہو۔ اکثر اوقات نامناسب گفتگو سے دعوت و تبلیغ کا الٹا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں دین کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے یہی اسلوب اختیار کرنا چاہیے۔ اللہ پاک کی طرف دعوت کا مقصد اصلاح ہے نہ کہ اپنی برتری ثابت کرنا یا غصہ نکالنا۔

3 تواضع احادیث کی روشنی میں

ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار تواضع اختیار کرنے، نرمی سے بات کرنے اور تکبر سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اس بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے شمار احادیث روایت کی گئی ہیں، کچھ یہ ہیں:

(1) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ". (جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:2118)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے کے نتیجہ میں بندے کی عزت بڑھاتا ہے اور جو شخص بھی اللہ پاک کی خاطر تواضع اور انکساری اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا رتبہ (مقام) بلند فرما دیتا ہے)

(2) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ أَوْحَى إِلَيَّ: أَنْ تَوَاضَعُوا، وَلَا يَبْغِي بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1094)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وحی بھیجی کہ آپس میں ایک دوسرے سے تواضع کرو اور کوئی دوسرے پر سرکشی (ظلم اور بغاوت) نہ کرے)

(3) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: "خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاضِعًا، مُتَبَذِّلًا، مُتَخَشِّعًا، مُتَرَسِّلًا، مُتَضَرِّعًا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَمَا يُصَلِّي فِي الْعِيدِ". (سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:1266)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز استسقاء [1] کے لیے تشریف لے گئے تو انتہائی عاجزی اور انکساری کی حالت میں بغیر کسی زینت اور آرائش کے نکلے اور نماز عید کی طرح دو رکعت ادا فرمائی)

(4) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي لِيَجْعَلَ لِي بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا، قُلْتُ: لَا يَا رَبِّ وَلَكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوعُ يَوْمًا، فَإِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ إِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ، وَإِذَا شَبِعْتُ شَكَرْتُكَ وَحَمِدْتُكَ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:234)

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے میرے لیے وادی بطحا (مکہ مکرمہ کی ایک وادی) کو سونا بنانے کی پیشکش کی۔ میں نے عرض کیا: نہیں۔ اے میرے رب! میں چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تو دوسرے دن بھوکا رہوں۔ اس لیے کہ جب میں بھوکا رہوں تو تجھ سے التجا (دعا) کروں۔ عجز اور انکساری بیان کرتے ہوئے تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھر کا کھالوں تو تیرا شکر اور تعریف کروں)

(5) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: " كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُ الْمَرِيضَ، وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ، وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ، وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ، وَكَانَ يَوْمَ بَنِي قُرَيْظَةَ عَلَى حِمَارٍ مَخْطُومٍ بِحَبْلٍ مِنْ لِيفٍ عَلَيْهِ إِكَافٌ مِنْ لِيفٍ".

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:1012)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار کی عیادت (تیمار داری) کرتے، جنازے کے ساتھ جاتے، غلام اگر دعوت دیتا تو بھی قبول کرتے، گدھے پر سوار ہو جاتے اور جس دن بنی قریظہ [2] کا واقعہ ہوا۔ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گدھے پر سوار تھے۔ اس کی رسی کھجور کی چھال کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کا زین (Saddle) کھجور کے

۱۔ بارش کے لیے دعا مانگنے سے پہلے جو نفل نماز پڑھی جاتی ہے اسے نماز استسقاء کہتے ہیں۔
۲۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ کے یہودیوں کا ایک قبیلہ۔

پتوں کا تھا)

(6) عَنْ مَكْحُولٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُؤْمِنُونَ هَيِّنُونَ لَيِّنُونَ، كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ، الَّذِي إِنْ قِيدَ انْقَادَ، وَإِذَا أُنِيخَ عَلَى صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:4، رقم الحدیث:1015)

(حضرت مکحول رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان رکھنے والے لوگ بردبار، نرم خو (فرمانبردار) ہوتے ہیں، اس اونٹ کی طرح جس کی ناک میں نکیل پڑی ہو کہ اگر اس کو کھینچا جائے تو چلا آئے اور اگر پتھر پر بٹھایا جائے تو پتھر پر بیٹھ جائے)

(7) قِيلَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي بَيْتِهِ؟ قَالَتْ: " كَمَا يَصْنَعُ أَحَدُكُمْ يَخْصِفُ نَعْلَهُ، وَيُرَقِّعُ ثَوْبَهُ".

(مسند احمد، ج:9، رقم الحدیث:4870)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ جیسے تم میں سے کوئی آدمی کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جوتی خود سی لیتے تھے اور اپنے کپڑوں پر خود ہی پیوند لگا لیتے تھے)

(8) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، "إِذَا لَقِيَ الرَّجُلَ فَكَلَّمَهُ، لَمْ يَصْرِفْ وَجْهَهُ عَنْهُ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الَّذِي يَنْصَرِفُ، وَإِذَا صَافَحَهُ لَمْ يَنْزِعْ يَدَهُ مِنْ يَدِهِ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الَّذِي يَنْزِعُهَا، وَلَمْ يُرَ مُتَقَدِّمًا بِرُكْبَتَيْهِ جَلِيسًا لَهُ قَطُّ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:596)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب کسی شخص سے ملاقات ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بات کرتے تو اس وقت تک منہ نہ پھیرتے (دوسری طرف نہ کرے) جب تک وہ خود نہ پھیر لیتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے مصافحہ کرتے (ہاتھ ملاتے) تو اس وقت تک ہاتھ نہ چھوڑتے جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دیتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھے ہوئے اپنے کسی ساتھی کے سامنے کبھی پاؤں نہیں پھیلایا)

(9) عَنْ أَسْلَمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، اسْتَعْمَلَ مَوْلًى لَهُ يُدْعَى هُنَيًّا عَلَى الْحِمَى، فَقَالَ: "يَا هُنَيُّ اضْمُمْ جَنَاحَكَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ".
(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:325)

حضرت اسلمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم ہنی کو ایک چراگاہ پر مقرر کر کے فرمایا: اے ہنی تم مسلمانوں سے بڑی عاجزی کے ساتھ ملنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا)

(10) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ".
(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:1659)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ شہر میں نہایت عاجزی سے اور اپنے رب سے بخشش مانگتے ہوئے داخل ہوں)

(11) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: "إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ، كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ، فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ، قَالُوا: مَاذَا؟ قَالَ: رَبُّكُمْ، قَالُوا: لِلَّذِي قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ". (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:2008)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ عاجزی کے ساتھ اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگتے ہیں اور چکنے پتھر پر زنجیر پڑنے کی سی جھنکار نکلتی ہے اور غور سے سنتے ہیں۔ جب فرشتے اللہ پاک کے حکم کے خوف سے کچھ بےغم ہوتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حکم دیا ہے؟ تو دوسرے کہتے ہیں جو کچھ فرمایا ہے وہ حق (سچا) ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بلند برتر ہے)

(12) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: "إِنَّ أُنَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ إِلَّا لِمَوْتِ عَظِيمٍ مِنَ الْعُظَمَاءِ، وَلَيْسَ كَذَلِكَ، إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا تَجَلَّى اللَّهُ لِشَيْءٍ مِنْ خَلْقِهِ خَشَعَ لَهُ".

(سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:1262)

(حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سورج اور چاند کو کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے گرہن لگتا ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ سورج اور چاند کو کسی بڑے آدمی کی موت سے گرہن نہیں لگتا بلکہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز پر اپنی تجلی فرماتا ہے تو وہ اس کے سامنے عاجزی (خوف) کرنے لگتی ہے)

(13) عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الصَّلَاةُ مَثْنَى مَثْنَى، تَشَهَّدٌ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ، وَتَضَرُّعٌ، وَتَخَشُّعٌ، وَتَمَسْكُنٌ، ثُمَّ تُقْنِعُ يَدَيْكَ، يَقُولُ: تَرْفَعُهُمَا إِلَى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُونِهِمَا وَجْهَكَ، تَقُولُ: يَا رَبِّ يَا رَبِّ". (مسند احمد، ج:1، رقم الحدیث:1703)

(حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (نفلی) نماز کی دو دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ ہر دو رکعت پر تشہد پڑھو، خشوع وخضوع، عاجزی اور مسکینی ظاہر کرو۔ اپنے ہاتھوں کو پھیلاؤ۔ اپنے رب کے سامنے بلند کرو اور ان کے اندرونی حصے کو اپنے چہرے کے سامنے کر کے اے میرے رب! اے میرے رب! کہہ کر دعا کرو)

(14) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِمَنْ قَبْلَنَا ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا". (مسند احمد، ج:4، رقم الحدیث:1032)

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ہم سے پہلی امتوں کے لیے مال غنیمت [1] کو استعمال کرنا حلال نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری عاجزی اور انکساری کو دیکھتے ہوئے اسے

ا۔ وہ مال جو دشمن میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے مال غنیمت کہلاتا ہے۔

ہمارے لیے حلال قرار دے دیا)

(15) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَيْهِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ".

(سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1403)

(حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نرمی فرمانے والا ہے اور نرمی کرنے والے کو پسند فرماتا ہے اور نرمی کرنے والے کو وہ کچھ عطا کرتا ہے، جو سختی کرنے والے کو نہیں دیتا)

(16) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ". (مسند احمد، ج:9، رقم الحدیث:4076)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک ہر معاملے میں نرمی کو ہی پسند فرماتا ہے)

(17) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْأَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ، وَالْعُجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ".

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:2101)

(حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بردباری اللہ پاک کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے)

(18) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " وَلَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا زَانَهُ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1065)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نرمی جس چیز میں ہوتی ہے، اسے زینت (خوبصورتی) عطا کرتی ہے)

(19) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: " كَرَمُ الرَّجُلِ دِينُهُ، وَمُرُوءَتُهُ عَقْلُهُ، وَحَسَبُهُ خُلُقُهُ". (مسند احمد، ج:4، رقم الحدیث:1598)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کی عزت اس کا دین ہے۔اس کی مروت اس کی عقل ہے اور اس کا حسب (نسب) اس کا اخلاق ہے)

(20) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "حُرِّمَ عَلَى النَّارِ كُلُّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ سَهْلٍ قَرِيبٍ مِنَ النَّاسِ".

(مسند احمد، ج:2، رقم الحدیث:2002)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم کی آگ پر ہر اس شخص کو حرام قرار دے دیا گیا ہے جو نرم خو ہو، سہولت پسند طبیعت کا ہو اور لوگوں کے قریب ہو)

(21) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ اسْتَوْجَبَ الثَّوَابَ وَاسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ: خُلُقٌ يَعِيشُ بِهِ فِي النَّاسِ، وَوَرَعٌ يَحْجِزُهُ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ، وَحِلْمٌ يَرُدُّهُ عَنْ جَهْلِ الْجَاهِلِ".

(کنز العمال، ج:8، رقم الحدیث:3413)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس میں تین باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو وہ اپنے کسی بھی عمل کے ثواب اور ایمان کے مکمل ہونے کی امید نہ رکھے:

(i) حسن اخلاق جس کے ساتھ وہ لوگوں میں زندگی بسر کرے۔

(ii) ایسا تقوی جو اسے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے روک دے۔

(iii) ایسی بردباری جو اسے جاہل کی جہالت سے ہٹا دے۔

(22) عن ابی هريرة رضی الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "المؤمن لين حتى تخاله من اللين أحمق". (کنز العمال، ج:1، رقم الحدیث:774)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن اتنا نرم مزاج اور شریف ہوتا ہے کہ لوگ اس کی شرافت کی وجہ سے اسے احمق خیال کرتے ہیں)

(23) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "إِيمَانٌ بِاللّٰهِ، وَتَصْدِيقٌ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَحَجٌّ مَبْرُورٌ". قَالَ الرَّجُلُ: أَكْثَرْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَلِينُ الْكَلَامِ وَبَذْلُ الطَّعَامِ وَسَمَاحٌ وَحُسْنُ خُلُقٍ". (مسند احمد، ج:7، رقم الحدیث:939)

(حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: سب سے افضل کام کون سا عمل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک پر ایمان لانا، اس کی تصدیق کرنا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ اس آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی چیزیں بیان فرما دی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر گفتگو میں نرمی، کھانا کھلانا، سہل (آسان) ہونا اور اچھے اخلاق)

(24) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قُلْتُ: مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: "طِيبُ الْكَلَامِ وَ إِطْعَامُ الطَّعَامِ". قُلْتُ: مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: "الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ".

(مشکوٰۃ المصابیح، ج:1، رقم الحدیث:42)

(حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اسلام کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ ایمان کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبر کرنا اور سخاوت کرنا)۔

(25) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَحْقِرَنَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَلْقَ أَخَاهُ بِوَجْهٍ طَلِيقٍ".

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:1912)

(حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی نیک کام کو حقیر نہ سمجھے اور اگر کوئی نیک کام نظر نہ آئے تو اپنے بھائی سے ہی خندہ پیشانی

(خوش اخلاقی) سے مل لیا کرو)

(26) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: " كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ، وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ أَخِيكَ". (جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:2056)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نیک کام صدقہ ہے اور یہ بھی نیکیوں میں سے ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی (خوش اخلاقی) سے ملو اور اپنے برتن سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو)

(27) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّكُمْ لَا تَسَعُونَ النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَسَعُهُمْ مِنْكُمْ بَسْطُ الْوَجْهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ". (کنز العمال، ج:2، رقم الحدیث:31)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کو اپنے مال سے خوش نہیں کر سکتے ،لیکن تمہاری خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی انہیں خوش کر سکتی ہے)

(28) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ مَاتَ وَهُوَ بَرِيءٌ مِنْ ثَلَاثٍ: الْكِبْرِ، وَالْغُلُولِ، وَالدَّيْنِ، دَخَلَ الْجَنَّةَ".
(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:1637)

(حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص تکبر، قرض اور خیانت سے بری ہو کر فوت ہو، وہ جنت میں داخل ہوا)

(29) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ"، قَالَ رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا، وَنَعْلُهُ حَسَنَةً؟ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ". (صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:266)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس

کے دل میں سرسوں کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔اس پر ایک آدمی نے عرض کیا: ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی بھی اچھی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک خوبصورت ہے اور جمال (خوبصورتی) ہی کو پسند کرتا ہے۔تکبر تو حق کی طرف سے منہ موڑنے اور دوسرے لوگوں کو کمتر سمجھنے کو کہتے ہیں)

(30) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ". (جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:2086)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جنت میں نہ جائے گا جس کے دل میں سرسوں کے دانے کے برابر غرور ہو۔ وہ شخص دوزخ میں نہ جائے گا جس کے دل میں سرسوں کے دانے کے برابر ایمان ہو)

(31) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَقُولُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ: الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي، وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي، مَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا أَلْقَيْتُهُ فِي جَهَنَّمَ". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1054)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ تکبر میری چادر ہے اور بڑائی میرا ازار (ناڑا)۔ جو کوئی ان دونوں میں سے کسی کے لیے مجھ سے جھگڑے، میں اس کو جہنم میں ڈالوں گا)

(32) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ ثَوْبِي يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذٰلِكَ مِنْهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّكَ لَسْتَ تَصْنَعُ ذٰلِكَ خُيَلَاءَ". (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:912)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص تکبر سے اپنے کپڑے کو لٹکائے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو نہ دیکھے گا۔ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میرے کپڑے کا ایک کونہ خود بخود لٹک جاتا ہے۔ ہاں! اگر میں اس کا خیال کروں تو وہ نہ لٹکے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک تم تکبر نہیں کرتے)

(33) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ النَّارُ: أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ وَالْمُتَجَبِّرِينَ، وَقَالَتِ الْجَنَّةُ: مَا لِي لَا يَدْخُلُنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ؟ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِي، أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي. وَقَالَ لِلنَّارِ: إِنَّمَا أَنْتِ عَذَابِي، أُعَذِّبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي". (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:2058)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑا کریں گے۔ دوزخ کہے گی کہ میں تکبر کرنے والے اور ظالم لوگوں کے لیے خاص کردی گئی ہوں؟ جنت کہے گی کہ مجھ کو کیا ہوگیا ہے کہ مجھ میں صرف کمزور اور گرے پڑے لوگ داخل ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا کہ تو میری رحمت ہے۔ میں تیرے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں گا رحمت سے نوازوں گا اور جہنم سے فرمائے گا کہ تو میرا عذاب ہے۔ میں تیرے ذریعہ سے جن بندوں کو چاہوں گا عذاب دوں گا)

(34) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَطْوِي اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ السَّمَاوَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنَى، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُونَ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟ ثُمَّ يَطْوِي الْأَرَضِينَ بِشِمَالِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُونَ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ"؟

(صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2550)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ لے گا۔ پھر انہیں اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زور (طاقت) والے بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟ پھر زمین (زمینوں) کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زور (طاقت) والے

بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟)

4 تواضع کے درجات

تواضع کے کئی درجات ہیں۔ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(1) تواضع اور انکساری کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان خود کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہو اور ایسے کام کرتا ہو جیسے وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو خود سے افضل سمجھتے ہیں لیکن وہ عاجزی اور نرمی اختیار کرنے کی پوری پوری کوشش کرے۔ایسے شخص کے دل میں تکبر کا درخت تو موجود ہے، لیکن اس نے اس درخت کی شاخیں کاٹ دی ہیں۔ایسا شخص تواضع کے پہلے درجے پر ہے اور یہ عام لوگوں کی تواضع ہے۔

(2) تواضع اور انکساری کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں کسی قسم کا تکبر نہ ہو۔وہ اپنے تمام اعمال (کام) میں اپنی کوشش سے تواضع اور انکساری اختیار کرے۔مجلس میں دوسروں سے منفرد (نمایاں) ہونے کی خواہش نہ رکھے۔اپنے دوستوں پر کسی قسم کی برتری ظاہر نہ کرے۔ جو لوگ اس کے حق ادا کرنے میں کوتاہی کریں، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔ایسا شخص دوسرے درجے کا متواضع (تواضع اختیار کرنے والا) ہے اور یہ خاص لوگوں کی تواضع ہے۔

(3) تواضع اور انکساری کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کے دل سے نہ صرف غرور اور تکبر اپنی آخری حد میں نکل چکا ہو بلکہ تواضع اور انکساری اور عاجزی دل میں یہ مقام حاصل کر لے کہ اسے تواضع اور انکساری اختیار کرنے میں کسی قسم کی اضافی کوشش نہ کرنا پڑے۔ایسے انسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کے تمام کام اور اقوال (باتوں) میں خود بخود ہی تواضع اور انکساری ظاہر ہونے لگتی ہے۔یہ خاص الخواص (خاص لوگوں) کی تواضع ہے۔

5 تواضع کی مشکلات

تکبر یا تواضع اور انکساری آدمی کی عادتوں اور طور طریقوں سے ظاہر ہوتا ہے۔جیسے بات کرتے ہوئے منہ پھلا لینا، دوسروں کو گھور کر یا نفرت سے دیکھنا یا پھر انسان کی باتوں میں ہوتا

ہے حتیٰ کہ آواز، حروف اور الفاظ کی ادائیگی کا طریقہ اور جواب دینے کا انداز بھی تکبر یا تواضع سے خالی نہیں ہوتا۔ تکبر چلنے پھرنے، اٹھنے اور بیٹھنے میں بھی ہوتا ہے۔ تکبر کرنے والوں میں سے کچھ تمام اقوال و افعال (کاموں اور باتوں) میں تکبر کرتے ہیں اور بعض کچھ امور (کاموں) میں تو تکبر کرتے ہیں اور کچھ میں تواضع اختیار کرتے ہیں۔ ذیل میں تواضع اور انکساری اختیار کرنے والوں کے بارے میں کچھ اشارے دیے جاتے ہیں:

(1) بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے سامنے دست بستہ (ہاتھ باندھے) کھڑے رہیں یا انہیں دیکھ کر کھڑے ہو جایا کریں۔ یہ بات تواضع اور انکساری کے خلاف ہے اور تکبر کی علامت ہے۔

(i) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی دوزخی کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھ لے جو خود تو بیٹھا ہوا ہو اور بہت سے لوگ اس کی خواہش کے مطابق اس کے سامنے مودب کھڑے ہوں۔

(ii) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس قدر محبت تھی کسی سے نہ تھی۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ یہ بات جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح کھڑا ہونا پسند نہیں ہے۔

(2) بعض لوگ اس وقت تک چلنا پسند نہیں کرتے جب تک ان کے آگے یا پیچھے چلنے والا نہ ہو۔ یہ بات بھی تکبر کی علامت، تواضع اور انکساری سے میلوں دور ہے۔

(i) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک اللہ پاک سے دور ہوتا رہتا ہے جب تک کوئی آدمی اس کی خواہش کے مطابق اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا ہے۔

(ii) ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رویہ بالکل اس کے برعکس (الٹ) تھا۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: "مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ شَدِيدِ الْحَرِّ نَحْوَ بَقِيعِ الْغَرْقَدِ، وَكَانَ النَّاسُ يَمْشُونَ خَلْفَهُ، فَلَمَّا سَمِعَ صَوْتَ النِّعَالِ وَقَرَ ذَلِكَ فِي

نَفْسِهٖ، فَجَلَسَ حَتّٰى قَدَّمَهُمْ أَمَامَهٗ لِئَلَّا يَقَعَ فِي نَفْسِهٖ شَيْءٌ مِنَ الْكِبْرِ".
(سنن ابن ماجہ، ج:1، رقم الحدیث:245)

(حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن سخت گرمی میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت البقیع کی طرف جا رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے جوتوں کی آواز سنائی دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے محسوس کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ گئے، یہاں تک کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے نکل گئے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ذرا سا تکبر بھی پیدا نہ ہو)

(3) بعض انسانوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ خود کو بڑا تصور کرتے ہوئے دوسروں کی ملاقات کے لیے جانا پسند نہیں کرتے خواہ انہیں کتنا ہی ضروری کام یا دینی نفع ہی کیوں نہ ہو بلکہ دوسروں کو اپنے پاس بلا لیتے ہیں، یہ چیز بھی تواضع کے خلاف ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "خَرَجَ رَجُلٌ مِنْ قَرْيَتِهٖ يَزُورُ أَخًا لَهٗ فِي قَرْيَةٍ أُخْرَى، فَأَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ مَلَكًا، فَجَلَسَ عَلَى طَرِيقِهٖ، فَقَالَ لَهٗ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ قَالَ: أُرِيدُ أَخًا لِي أَزُورُهٗ فِي اللّٰهِ فِي هٰذِهِ الْقَرْيَةِ، قَالَ لَهٗ: هَلْ لَهٗ عَلَيْكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا وَلٰكِنِّي أَحْبَبْتُهٗ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ: فَإِنِّي رَسُولُ رَبِّكَ إِلَيْكَ أَنَّهٗ قَدْ أَحَبَّكَ بِمَا أَحْبَبْتَهٗ فِيهِ". (مسند احمد، ج:4، رقم الحدیث:3036)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ایک آدمی اپنے دینی بھائی سے ملاقات کے لیے جو دوسری بستی میں رہتا تھا روانہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو بٹھا دیا۔ جب وہ فرشتے کے پاس سے گزرا تو فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ فلاں آدمی سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا کیا تم دونوں کے درمیان کوئی رشتہ داری ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرشتے نے پوچھا کہ کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے جسے تم پال رہے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ فرشتے نے پوچھا: پھر تم اس کے پاس کیوں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اس سے اللہ پاک کی رضا کے

لیے محبت کرتا ہوں۔فرشتے نے کہا کہ میں اللہ پاک کے پاس سے تیری طرف پیغام لے کر آیا ہوں کہ اس کے ساتھ محبت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرتا ہے)

(4) بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ نفرت کی وجہ سے اپنے سے نچلی سطح کے لوگوں کا اپنے برابر یا پہلو میں بیٹھنا پسند نہیں کرتے، بلکہ اپنے سامنے ادب کے ساتھ بٹھانا چاہتے ہیں۔ یہ عادت بھی تواضع کے خلاف اور تکبر کی علامت ہے۔

(i) ہمارے پیارے نبی اکرم ﷺ کے تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: إِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، "فَمَا يَنْزِعُ يَدَهُ مِنْ يَدِهَا حَتَّى تَذْهَبَ بِهِ حَيْثُ شَاءَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ فِي حَاجَتِهَا". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1075)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ کی ایک لونڈی آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑتی۔ پھر آپ ﷺ اس سے اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے، یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کو اپنے کام کے لیے جہاں چاہتی لے جاتی)

(ii) ابن وہب ؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبدالعزیز ابن ابی رواد ؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میرا زانو (پہلو) ان کے زانو (پہلو) کے ساتھ مل گیا۔ میں ان سے ہٹ کر بیٹھنے لگا تو انہوں نے میرا دامن پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا کہ تم میرے ساتھ وہ سلوک کیوں کر رہے ہو جو محکوم حاکموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں، میں تو شاید تم سے برا انسان ہوں۔

(iii) حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ عاجزی کی وجہ سے زمین پر ہی سجدہ کیا کرتے تھے۔

(5) کچھ لوگ نفرت کی وجہ سے مریضوں کے پاس بیٹھنے سے بچتے ہیں حالانکہ وہ مریض کسی وبائی مرض کا شکار بھی نہیں ہوتے جو دوسروں کو منتقل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ یہ بات بھی تکبر کی علامت اور تواضع اور انکساری سے دور ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا طرزِ عمل اس کے برعکس تھا جو ہمیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ اس کا چہرہ چیچک کے دانوں سے بھرا ہوا تھا اور ان سے پانی رس رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ وہ مجلس میں آیا اور کھڑا رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور اسے پکڑ کر اپنے برابر بٹھا لیا۔

(6) بعض لوگ گھر کا کوئی کام اپنے ہاتھ سے کرنا پسند نہیں کرتے۔ یہ بھی تواضع اور انکساری کے خلاف ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل تو یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے سارے کام اپنے ہاتھوں سے کیا کرتے تھے حتیٰ کہ اپنے جوتوں کو بھی خود ہی پیوند لگا لیتے تھے۔ گھر کی صفائی بھی کرتے تھے۔

(7) بعض لوگ اپنا سامان خود اٹھا کر چلنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کا سامان اٹھا کر چلیں۔ یہ بات بھی تواضع اور انکساری کے خلاف ہے۔

(8) بعض اوقات بہت زیادہ عبادت کرنا بھی تکبر کا باعث بن جاتی ہے۔ جب انسان کو فرض عبادات کے ساتھ ساتھ نفل عبادات جیسے تہجد، اشراق، چاشت، قرآن پاک کی تلاوت، نفلی روزے رکھنے، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی سعادت ملتی ہے تو بعض اوقات وہ دوسروں کو حقیر (کم تر) سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ جس کا بعض اوقات زبان سے اور کبھی کبھی اشاروں سے اظہار بھی ہو جاتا ہے۔

(i) عبادت ایک نہایت ہی اعلیٰ چیز ہے۔ انسان کا خود کو نیک اور نجات پانے والا سمجھنا اور دوسروں کو گناہگار اور بدکار سمجھنا تکبر کی بدترین شکل ہے۔

(ii) اس کا علاج یہ ہے کہ انسان کو سوچنا چاہیے کہ اگر وہ عبادات کر رہا ہے تو اس میں خود اس کا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ تو اللہ پاک کا اس پر کرم ہے کہ اس نے اسے عبادت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ممکن ہے کہ آخرت میں اللہ پاک غرور اور تکبر کی وجہ سے اس کی عبادات کو رد کر دیں اور جنہیں وہ گناہگار سمجھتا رہا ہے، ان کی کسی چھوٹی سی نیکی کو اخلاص نیت کی بنا پر قبول فرما لیں۔

(iii) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن نماز کی امامت کروائی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کوئی دوسرا امام تلاش کر لو یا اکیلے اکیلے نماز پڑھو کیونکہ دوران نماز میرے دل میں یہ

خیال پیدا ہوگیا کہ میں تمہارا امام ہونے کی وجہ سے تم سب سے افضل ہوں۔

(iv) حضرت بشر بن منصورؒ انتہائی عبادت گزار بندوں میں سے تھے۔ ایک دن آپؒ نے ایک طویل نماز پڑھی، ایک شخص آپؒ کے پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ حضرت بشرؒ کو یہ معلوم ہوا تو آپؒ نے نماز سے سلام پھیرا تو عاجزی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جو کچھ تم نے مجھ سے دیکھا ہے اس سے تمہیں حیران نہیں ہونا چاہیے کیونکہ شیطان نے فرشتوں کے ہمراہ ایک طویل عرصے تک عبادت کی پھر اس کا جو انجام ہوا وہ واضح ہے۔

(9) مال و دولت اور دنیاوی نعمتوں کی زیادتی بھی اکثر اوقات تکبر کا باعث بن جاتی ہے اور انسان دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ مال اور دولت سے پیدا ہونے والے تکبر کے علاج کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس بات کا یقین رکھے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ اسے یہ سب کچھ یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ دنیا سے جانا ہوگا۔ یہ دولت فانی ہے۔ آج ایک کے پاس ہے تو کل کسی اور کے پاس۔ ایسی ناپائیدار چیز کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہو کر اپنے پیارے رب کو کیوں ناراض کیا جائے؟

(10) تکبر کا ایک سبب حسب اور نسب بھی بنتا ہے کہ انسان اپنے آباؤ اجداد کے بل بوتے پر اکڑتا اور دوسروں کو حقیر جانتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَفْتَخِرُونَ بِآبَائِهِمُ الَّذِينَ مَاتُوا، إِنَّمَا هُمْ فَحْمُ جَهَنَّمَ، أَوْ لَيَكُونُنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِي يُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِأَنْفِهِ، إِنَّ اللهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ، إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ، وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1929)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے فوت شدہ آباؤ اجداد پر فخر کرنے والی قوموں کو باز آجانا چاہیے کیونکہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ وہ قومیں اللہ پاک کے نزدیک گندگی کے ان کیڑوں سے بھی حقیر ہو جائیں گی جو اپنی ناک سے گندگی کو کریدتے ہیں۔ اللہ پاک نے تم سے جاہلیت کا تکبر اور اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا ختم فرما دیا

ہے۔اب آدمی متقی اور مومن ہوگا یا بد بخت اور بدکار۔سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے)

(11) بعض اوقات انسان کی خوبصورتی فخر اور غرور کا سبب بن جاتی ہے۔کسی کا رنگ سفید ہو تو وہ کالے رنگ والے کو، کوئی لمبے قد کا ہو تو وہ چھوٹے قد والے کو،کسی کی آنکھیں بڑی بڑی ہوں تو وہ چھوٹی آنکھوں والوں کو حقیر (کم تر) سمجھنے لگتے ہیں۔

(i) اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنی ابتدا اور انتہا پر غور کرے اور سوچے کہ یہ خوبصورتی ہمیشہ رہنے والی چیزیں نہیں ہیں۔کبھی بھی کوئی حادثہ اس کے خاتمے کا سبب بن سکتا ہے۔

(ii) اگر انسان خوبصورت ہوتے ہوئے بھی عاجزی اور انکساری اختیار کرے تو یہ آخرت میں نجات کا باعث ہوگی۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جو حسین وجمیل اور شریف الاصل ہونے کے باوجود انکساری کرے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن نجات عطا فرمائیں گے۔

6 تواضع کے بارے میں اقوال

تواضع اور انکساری کے بارے میں صوفیا کرامؒ سے بہت خوبصورت اقوال منسوب ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(1) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تواضع یہ ہے کہ جب ہم گھر سے باہر نکلیں اور ہمیں جو مسلمان نظر آئیں ہم اسے خود سے برتر تصور کریں۔

(2) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: تواضع یہ ہے کہ انسان جس انسان سے ملے اسے خود سے بہتر سمجھے اور یہ خیال کرے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھ سے بہتر اور بلند درجہ ہو۔

(3) حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: جس شخص کے دل میں تواضع اور انکساری ہو، شیطان اس کے قریب نہ آئے گا۔

(4) محمد بن علی ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ تواضع اور انکساری کرنے والا شخص وہ ہے، جس کی خواہشات کی آگ بجھ چکی ہو، جس کے سینے کا دھواں ٹھنڈا ہو چکا ہو، تعظیم کا نور جس کے دل

میں روشن ہو، جس کی نفسانی خواہشات مرچکی ہوں، جس کا دل زندہ ہو چکا ہو اور اس کے تمام اعضا میں تواضع اور انکساری سرایت کر چکی ہو۔

(5) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور ہمیشہ رہے تو یہ تواضع اور انکساری ہے۔

(6) حضرت ابو علی دقاقؒ کہتے ہیں کہ دل کو اللہ تعالیٰ کے سامنے باادب جھکا دینے کو خشوع اور تواضع کہتے ہیں۔

(7) حضرت ابو علی دقاقؒ کہتے ہیں کہ آدمی کا نفس تکبر، لالچ اور حسد سے مرکب ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے تواضع، نصیحت اور قناعت سے روک دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو مہربانی کا معاملہ کرتا ہے۔ جب بھی نفس میں تکبر کی آگ بھڑکتی ہے، اللہ پاک کی مدد سے تواضع اس پر چھا جاتی ہے۔ جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے، نصیحت اسے ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ جب لالچ کی آگ بھڑکتی ہے، قناعت اسے بجھا دیتی ہے۔

(8) حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: تواضع کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنے مقام اور حال کو اہمیت نہ دے۔ آدمی کو جس قدر اپنے رب کی اور اپنی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اسی قدر تواضع اور انکساری کرتا ہے۔

(9) حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ کی کوئی قیمت سمجھتا ہے، اس میں ذرہ بھر تواضع نہیں ہوتی۔

(10) حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں: تواضع یہ ہے کہ انسان حق بات کے سامنے جھک جائے، اسے مانے اور اس پر عمل کرے۔

(11) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: تواضع اور انکساری یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سامنے جھک جائے اور اس سے نرم رویہ اپنائے۔

(12) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ مال والوں سے تکبر کرنا اور فقیروں سے عاجزی کرنا

تواضع شمار ہوتا ہے۔

(13) حضرت ابراہیم بن شیبانؒ فرماتے ہیں کہ تواضع میں شرافت ہے، تقویٰ میں عزت ہے اور قناعت میں آزادی ہے۔

(14) حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والے پانچ لوگ ہوتے ہیں:

(i) زہد اختیار کرنے والا عالم۔

(ii) اسلامی قانون کا ماہر صوفی۔

(iii) تواضع اور انکساری کرنے والا امیر

(iv) شکر کرنے والا فقیر

(v) سنت پر عمل کرنے والا سید زادہ

(15) حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ تواضع ہر شخص میں ہونی چاہیے لیکن امیر لوگوں میں بہت اچھی ہوتی ہے۔ تکبر ہر شخص کے لیے برا ہے لیکن فقیروں کے لیے بہت ہی برا ہے۔

(16) حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ تکبر دکھانے والے سے تکبر کر کے دکھانا تواضع کہلاتا ہے۔

(17) حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ حق بات کو قبول کر لینا، تواضع کہلاتا ہے۔

(18) حضرت عبداللہ رازیؒ فرماتے ہیں: تواضع یہ ہے کہ کسی فرق کے بغیر ہر ایک کی خدمت کی جائے۔

(19) حضرت حمدون قصارؒ فرماتے ہیں: تواضع یہ ہوتی ہے کہ تم خود کو ایسا سمجھو کہ دین اور دنیا میں لوگوں کو تیری ضرورت ہی نہیں ہے۔

(20) ملا جلال الدین دوانیؒ کہتے ہیں: تواضع یہ ہے کہ انسان اپنی بڑائی اپنے سے چھوٹوں پر نہ جتائے۔

(21) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: تواضع یہ ہے کہ دوسروں سے خندہ پیشانی سے ملے، بھلائی کے کاموں پر خرچ کرے اور تکلیف دینے والی چیزوں کو دور کرے۔

(22) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: اصل تواضع یہ ہے کہ تم اس شخص کو اپنے اوپر ترجیح دو جو دنیاوی نعمتوں میں تم سے کم ہو، یہاں تک کہ وہ یقین کر لے کہ تمہیں اپنی دنیا کی وجہ سے اس پر

کوئی فضیلت نہیں ہے اور اس شخص سے اپنے آپ کو بدتر سمجھو جو دنیاوی نعمتوں میں تم سے زیادہ ہو یہاں تک کہ وہ یہ سمجھ لے کہ اسے دنیا کی وجہ سے کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔

(23) حضرت خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ فرماتے ہیں کہ تواضع سے مراد اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اختیار کرنا ہے اور وہ تین چیزوں کے سلسلے میں ہے:

(i) اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنا: اللہ پاک کے لیے تواضع اختیار کرنا تین چیزوں سے عبارت ہے: (ا) اللہ پاک کے احکامات کے سامنے سر جھکا دینا، (ب) اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈرتے رہنا اور (ج) اللہ پاک کے ذکر میں مشغول رہنا۔

(ii) اللہ پاک کے دین کے لیے تواضع اختیار کرنا: اللہ پاک کے دین کے لیے تواضع تین چیزوں سے عبارت ہے: (ا) اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اپنی رائے کو اختیار نہ کرنا، (ب) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے بعد کسی دوسری چیز کی ضرورت محسوس نہ کرنا اور (ج) اپنے دشمن کے حق کو بھی پامال نہ کرنا۔

(iii) اللہ تعالیٰ کے اولیا کے لیے تواضع اختیار کرنا: اولیا اللہ کے لیے تواضع تین چیزوں سے عبارت ہے: (ا) ان کا مقام اپنے مقام سے بلند سمجھنا، (ب) ان کے دوستوں اور رشتے داروں کا احترام کرنا اور (ج) ان کے بارے میں بدگمانی سے بچنا۔

(24) حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ تواضع سچی بات قبول کرنا ہے، خواہ اسے کہنے والا کوئی بھی ہو۔

(25) حضرت ہمدون قصارؒ فرماتے ہیں کہ دین و دنیا میں انسان کا اپنی ذات کی کوئی قدر و قیمت نہ جاننا، تواضع ہے۔

(26) حضرت خواجہ فضیلؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے لیے عاجزی اختیار کرنا، اسی کے سامنے سر جھکانا اور ہر کسی کی سچی بات کو قبول کرنا تواضع ہے۔

(27) حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ آدمی خود کو کسی مقام اور کسی کے لائق نہ سمجھے اور مخلوق کے سامنے خود کو بے وزن سمجھے۔

7 تواضع کے واقعات

تواضع کرنے والوں کے کچھ نصیحت آموز واقعات نقل کیے جاتے ہیں تا کہ ہم ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

(1) ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ مجھے تم میں عبادت کی حلاوت (مٹھاس) نظر نہیں آتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عبادت کی حلاوت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تواضع سے عبادت میں حلاوت پیدا ہوتی ہے۔

(2) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تیز تیز چلتے تھے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے کام کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طرح کام جلد ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بات تکبر سے بھی دور رکھتی ہے۔

(3) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان کے کندھوں پر پانی کا مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا! اے امیر المومنین! یہ تو مناسب نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میرے پاس وفد آنے لگے ہیں جو میری بات سنتے ہیں اور میری اطاعت کرتے ہیں تو میرے دل میں کچھ بڑائی سی پیدا ہونے لگی ہے، لہٰذا میں نے خیال کیا کہ اسے ختم کر دوں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ مشکیزہ لے کر انصار کی ایک عورت کے گھر تشریف لے گئے اور پانی ان کے برتن میں ڈال دیا۔

(4) ایک دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھجور کے باغ سے اس حال میں تشریف لا رہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا رکھا ہوا تھا۔ کسی نے عرض کیا حضرت یہ کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ کے تو چار سو خادم ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے چاہا کہ اپنے نفس کی آزمائش کرلوں کہ لوگوں میں جو رتبہ ہے، اس کی وجہ سے میرا نفس مجھے کام کرنے سے روک تو نہیں رہا؟

(5) ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کچھ لکھ رہے تھے، پاس ہی مہمان بیٹھا تھا۔ رات کا وقت تھا، چراغ بجھنے لگا تو مہمان نے عرض کی کہ اجازت ہو تو میں چراغ میں تیل ڈال دوں؟ آپؒ نے

فرمایا نہیں، یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ مہمان سے خدمت لی جائے۔ مہمان نے عرض کیا کہ میں خادم سے کہہ دیتا ہوں؟ آپؒ نے فرمایا! نہیں وہ ابھی ابھی سویا ہے۔ پھر یہ کہہ کر خود تیل کے برتن کی طرف گئے اور تیل لے کر چراغ میں ڈالا۔ مہمان نے پوچھا: اے امیر المومنینؒ! آپؒ نے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی؟ آپؒ نے جواب دیا کہ جب میں اٹھ کر چلا تب بھی عمر تھا اور تیل ڈال کر واپس آیا ہوں تب بھی عمر ہی ہوں، اس سے کیا فرق پڑا۔

(6) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو پتہ چلا کہ ان کے بیٹے نے ایک ہزار درہم کی انگوٹھی خریدی ہے۔ اس پر انہوں نے اپنے بیٹے کو خط لکھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تو نے ایک ہزار درہم کی انگوٹھی خریدی ہے۔ میرے اس خط کے پہنچتے ہی انگوٹھی فروخت کر دو، اس رقم سے ہزار آدمی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دو اور صرف دو درہم کی انگوٹھی خرید کر پہن لو۔ پھر اس کا نگینہ چینی لوہے کا ہونا چاہیے جس پر لکھواؤ کہ اللہ پاک ایسے شخص پر رحم فرمائے جو اپنی حیثیت کو پہچانتا ہے۔

(7) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ایسے لڑکوں کے پاس سے گزرے جس کے ہاتھ میں خشک روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ لڑکوں نے دعوت دی تو آپ رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے نیچے اترے اور ان کے ساتھ مل کر کھایا اور پھر سب کو اپنے گھر لے گئے۔ انہیں کھانا کھلایا اور لباس بھی پہنایا اور ارشاد فرمایا: احسان لڑکوں کا تھا کیونکہ ان کے پاس اس کے سوا کچھ تھا ہی نہیں جو انہوں نے مجھے بھی کھلا دیا لیکن ہمارے پاس تو اس سے کہیں زیادہ موجود ہے جو کہ ہم نے انہیں دیا ہے۔

(8) حضرت فضیل بن عیاضؒ کی تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ حضرت شعیب بن حربؒ فرماتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا، اچانک کسی شخص نے مجھے متوجہ کیا۔ میں نے دیکھا تو حضرت فضیل بن عیاضؒ تھے اور انہوں نے فرمایا اے صالح! شاید حج کے لیے آنے والوں میں سے سب زیادہ گناہگار ہم ہی ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے انتہائی عاجزی اور انکساری سے اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے۔

(9) حضرت عمر بن شیبہؒ کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں مصروف تھا۔

اتنے میں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے خچر پر سوار چلا آ رہا ہے۔ اس کے آگے آگے نوکر چل رہے تھے۔ جو لوگوں کو برا بھلا کہتے اور انہیں راستہ چھوڑنے پر مجبور کرتے تھے۔ چند روز بعد میں مکہ مکرمہ سے واپس آ کر بغداد پہنچا۔ وہاں میں نے اسی شخص کو دیکھا، ننگے پاؤں اور ننگے سر پھر رہا تھا، سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ میں اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا ایک شخص تم سے بڑی مشابہت رکھتا ہے۔ میں نے اسے مکہ مکرمہ میں دیکھا تھا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں وہی شخص ہوں۔ میں اس کی موجودہ حالت پر حیران ہوا تو اس نے کہا: میں نے ایسی جگہ برتری کا مظاہرہ کیا تھا جہاں لوگ تواضع اور انکساری کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ پاک نے مجھے ایسی جگہ گرا دیا جہاں لوگ سر اٹھا کر چلتے ہیں۔

(10) حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے دریائی سفر میں کشتی پر یہ دو نصیحتیں فرمائیں:

(i) خود کو اچھا اور بڑا نہ سمجھو۔

(ii) دوسروں کو بُرا اور کمتر نہ سمجھو۔

سب کو خود سے بہتر اور خود کو سب سے کمتر سمجھ کر دوسروں کے سامنے تواضع اور انکساری کا مظاہرہ کرتے رہو اور خبردار ہرگز ہرگز کبھی بھی تکبر کی شیطانی چال چل کر دوسروں کو خود سے حقیر (کم تر) نہ سمجھو۔

(11) حضرت ابن سماکؒ، ہارون الرشیدؒ کے دربار میں تشریف لے گئے تو خلیفہ ان کی تعظیم میں اٹھ کھڑا ہوا اور آداب بجا لایا۔ حضرت ابن سماکؒ نے کہا: اے بادشاہ! بادشاہی میں تیرا تواضع اختیار کرنا تیری بادشاہی سے عظیم تر ہے۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ آپؒ نے اچھی بات کہی ہے، کچھ اور ارشاد فرمائیے۔ آپؒ نے فرمایا: جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا کی، خوبصورتی دی اور بزرگی اور اقتدار سے نوازا، وہ مال میں اللہ پاک کے بندوں کے ساتھ نیک سلوک

کرے اور اپنے حسن و جمال میں پاکیزگی اختیار کرے اور عظمت اور اقتدار میں عاجزی کرے تو اللہ پاک ایسے شخص کو اپنے مخلصین میں شامل کر لیتا ہے۔

(12) ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامیؒ عید کے دن حمام سے غسل کر کے نکلے۔ آپؒ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ایک گھر سے بے خبری کے عالم میں ان کے سر پر بہت سی راکھ گرا دی۔ حضرت کا لباس، چہرہ، داڑھی مبارک اور سر کے بال راکھ آلود ہو گئے لیکن آپؒ کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی۔ آپؒ نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر کر بار بار اللہ پاک کا شکر ادا کیا اور فرمایا: جو آگ کا سزاوار تھا، اس پر صرف راکھ پھینکی گئی۔

(13) حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ بارش کا قطرہ جب بادل سے ٹپکا تو نیچے دریا کی وسعت دیکھ کر شرمندہ سا ہو گیا اور خود کو حقیر سمجھنے لگا کہ دریا کے سامنے میری کیا حقیقت ہے۔ اللہ پاک کو اس کی عاجزی پسند آ گئی۔ سیپ نے اپنا منہ کھولا تو یہ قطرہ سیپ کے منہ میں چلا گیا اور قدرت نے پانی کے اس قطرہ کو بادشاہ کے تاج کا موتی بنا دیا۔ جو عاجزی اختیار کرتا ہے وہ سربلند کر دیا جاتا ہے۔ اللہ پاک نے انسان کو خاک سے بنایا ہے تو اس کو خاکساری اور عاجزی ہی مناسب ہے۔ خاک والے کو تکبر کرنا مناسب نہیں کیونکہ شیطان کو آگ سے بنایا گیا اور وہ اسی کو دلیل بنا کر اللہ پاک سے بحث کرنے لگا اور ذلیل ہو گیا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر خطا ہونے کو بھی اپنے لیے گناہ سمجھا اور عاجزی کرنے اور رونے لگے۔ اللہ پاک نے خلافت کا تاج پہنا دیا۔ عاجزی نہ کرنے نے عزازیل کو شیطان بنا دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو عاجزی نے ابوالانبیاء علیہ السلام (تمام انبیا علیہم السلام کا والد) بنا دیا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بہ زندان لعنت گرفتار کرد

(تکبر نے شیطان کو تباہ کر دیا)
(زندان لعنت میں ڈال دیا)

خاکساری انسان کی عظمت میں اضافہ کرتی ہے اور تکبر اس کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ بدمزاج مغرور شخص سر کے بل گرتا ہے۔ اگر انسان بلندی چاہتا ہے تو اسے بلندی تلاش نہیں کرنی چاہیے۔

(14) حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل صنعاء میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک دن حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو بلایا۔ جب وہ بادشاہ سلامت کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ بادشاہ ایک گھر میں پرانے اور سادہ کپڑے پہنے زمین پر بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بادشاہ کو اس حالت میں دیکھ کر ڈر گئے۔ جب بادشاہ نے ہمارا خوف دیکھا تو کہا کہ میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو تمہیں خوش کر دے گی۔ وہ یہ کہ تمہارے ملک سے میرا قاصد آیا ہے اور اس نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد فرمائی اور ان کے دشمنوں کو ہلاک فرما دیا ہے۔ نیز فلاں فلاں کو قیدی بنالیا گیا ہے اور فلاں فلاں مارا گیا ہے۔ مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ بدر میں ہوا ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے ان سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ آپ چٹائی کے بغیر زمین پر بیٹھے ہیں اور پرانے کپڑے پہن رکھے ہیں؟ تو نجاشی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو کلام نازل فرمایا، اس میں یہ بھی تھا کہ اللہ پاک کا بندوں پر حق ہے کہ جب انہیں کوئی نعمت عطا فرمائے تو وہ اس کے لیے تواضع اختیار کریں۔ چونکہ اللہ پاک نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد کی صورت میں مجھے نعمت عطا فرمائی ہے، اس لیے میں نے تواضع اختیار کی ہے۔

(15) بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا، جسے اس کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے فاسق اور فاجر کہا جاتا تھا۔ ایک دن وہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرا جو قوم بنی اسرائیل میں عابد (بہت زیادہ عبادت کرنے والا) کے نام سے مشہور تھا۔ اس فاجر اور فاسق کی شہرت رکھنے والے نے اپنے دل میں سوچا کہ میں گناہگار ہوں اور یہ شخص قوم کا عابد ہے۔ اس کے پہلو میں اگر بیٹھوں تو اس

کی برکت سے شاید اللہ پاک مجھے بخش دے۔اس خیال کے آتے ہی وہ اس عابد کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ عابد کے دل میں خیال آیا کہ میں عابد اور یہ فاسق ، یہ کیسے میرے ساتھ بیٹھ سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ اٹھ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے پیغمبر علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اس عابد سے کہو کہ میں نے غرور کے سبب اس کے تمام نیک اعمال ختم کر دیے ہیں اور اس گناہ گار کو عاجزی اور انکساری کی وجہ سے بخش دیا ہے۔

یہ قصہ اللہ پاک کی طرف سے اپنے بندوں کو تنبیہ و ہدایت ہے کہ اللہ پاک اپنے بندوں سے نیک اعمال کے ہوتے ہوئے بھی تواضع اور انکساری چاہتا ہے۔ جاہل گناہ گار نے جب تواضع کی تو اس نے خود کو کمتر سمجھا اور اللہ پاک کے خوف سے اس کی اطاعت کی تو اللہ پاک کے نزدیک عابد (بہت زیادہ عبادت کرنے والے) سے زیادہ فرماں بردار بن گیا۔

(16) ایک دفعہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی آدمی نے کوئی مسئلہ پیش کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کا جواب دے رہے تھے کہ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے ابوالحسن (رضی اللہ عنہ) آپ رضی اللہ عنہ جو کچھ فرما رہے ہیں اس سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کی بات نہایت تحمل کے ساتھ سنی اور انتہائی انکساری سے فرمایا کہ اچھا تمہارے پاس اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟ اس آدمی نے اپنی رائے ظاہر کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب کو پسند کیا اور فرمایا کہ ہاں! اس مسئلے کا یہی حل زیادہ بہتر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ باب العلم تھے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے انتہائی تواضع اور انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس آدمی کا مشورہ خندہ پیشانی سے قبول فرمایا۔

(17) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے اپنے استاد حضرت ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ کے ساتھ شام جانے کا اتفاق ہوا۔ شہر کے امیر نے کھانے کی کچھ اشیا قیدیوں کے سروں پر رکھوا کر شیخ کی خدمت میں بھجوائیں۔ ان قیدیوں کے پاؤں بیڑیوں میں

جکڑے ہوئے تھے۔ جب دسترخوان بچھایا گیا تو آپؒ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ ان قیدیوں کو بلاؤ تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ ان سب قیدیوں کو لایا گیا اور ایک ہی دسترخوان پر بٹھادیا گیا۔ شیخ ابونجیبؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور ان قیدیوں کے ساتھ اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ آپؒ انہی میں سے ہوں۔ ان سب نے آپؒ کے ہمراہ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اس وقت آپؒ کی طبیعت کی عاجزی اور انکساری ہمارے سامنے ظاہر ہوئی کہ اس قدر علم، فضل اور مرتبہ کے باوجود خود کو تکبر سے بچائے رکھا۔

(18) ایاز، سلطان محمود غزنوی کا خادم تھا۔ پھر ترقی کرتے کرتے اس کا پسندیدہ وزیر بن گیا۔ ایاز کی کامیابیاں حاسد درباریوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ وہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے کسی طرح ایاز کو محمود کی نظروں سے گرادیں۔

ایاز کا معمول تھا کہ روزانہ مخصوص وقت میں ایک کمرے میں چلا جاتا اور کچھ وقت گزار کر واپس آجاتا۔ درباریوں نے سلطان محمود سے شکایتیں کرنا شروع کردیں کہ ضرور ایاز نے شاہی خزانے میں خرد برد کر کے مال جمع کر رکھا ہے جسے دیکھنے کے لیے کمرہ خاص میں جاتا ہے۔ وہ کمرے کو تالا لگا کر رکھتا ہے۔ کسی اور کو اندر داخل نہیں ہونے دیتا۔

محمود غزنوی کو ایاز پر مکمل اعتماد تھا مگر درباریوں کے مطمئن کرنے کے لیے ایک وزیر کو کہا کہ اس کمرے کا تالا توڑ ڈالو، وہاں جو کچھ ملے وہ تمہارا ہے۔ وزیر اور دیگر درباری خوشی خوشی ایاز کے کمرے میں جا گھسے، مگر انہیں وہاں ایک پرانے بوسیدہ لباس اور چپلوں کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔ سلطان محمود غزنوی نے ایاز سے ان کپڑوں اور چپلوں کے بارے میں پوچھا تو ایاز نے جواب دیا کہ یہ میری غلامی کے دور کی یادگار ہیں، جنہیں دیکھ کر میں اپنی اوقات یاد رکھتا ہوں اور خود کو موجودہ عروج پر تکبر میں مبتلا نہیں ہونے دیتا۔

10

مقام سخاوت

1 سخاوت کا مفہوم

(1) سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ مناسب مواقع پر انسان اپنا ہاتھ اور دل کھلا کر لے اور وہ مالی وسائل جو اس کے اختیار میں ہیں انہیں صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھے بلکہ ان سے دوسروں کی مدد کرے اور مشکلات دور کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اسے عطا کی ہیں اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ سخاوت کو دوسرے لفظوں میں صدقات، خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ (اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا) بھی کہتے ہیں۔ سخاوت کا الٹ بخل اور کنجوسی ہے۔

(2) ہم جب سخاوت کا لفظ بولتے ہیں تو اِس سے مراد صرف وہ مال مراد ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ وہ مال ہوتا ہے جو اللہ پاک کی محبت اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے نکالا جاتا ہے۔ اس سے مراد رفاہی اور فلاحی اداروں کے وہ عطیات نہیں جو نمود و نمائش (تشہیر) کے لیے خرچ کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صرف ان صدقات کو ہی قبول کرتا ہے جو فی سبیل اللہ ہوں۔ صرف اس کی رضا اور محبت کو حاصل کرنے کے لیے ہوں۔ اللہ پاک کے راستے میں خرچ کرنے سے مراد وہ مال اور دولت ہے جو ایک مومن صرف اللہ پاک کے لیے اپنی حلال اور پاک کمائی سے خرچ کرتا ہے۔ اس کا مقصد کسی پر احسان کرنا یا شہرت حاصل کرنا نہیں ہوتا۔

(3) انسان کا اپنی کسی چیز کا ضرورت کے باوجود کسی دوسرے شخص کو دے دینا ایثار کہلاتا ہے۔ اپنے مال یا اپنی کسی چیز کو جس کی خود اس کو بھی ضرورت ہو، لیکن اپنے ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہوئے وہ چیز دوسروں کو دینا ایثار رہے۔

(4) سخاوت اور ایثار رقم خرچ کرنے کا ہی نام نہیں بلکہ یہ تو غربت میں بھی ممکن ہے۔ انفاق (اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا) درحقیقت اللہ تعالیٰ سے متعلق ایک دلی جذبے کا نام ہے جس کا اظہار امیری اور غریبی دونوں میں ہوسکتا ہے۔ غریب آدمی کا اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے اپنی ضروریات کو نظر انداز کر کے صرف چند روپے سخاوت کرنا بھی انتہائی پسندیدہ ہے۔ اللہ پاک

اس معمولی قربانی پر بہت خوش ہوتے ہیں۔

(5) سخاوت کسی بے قید خرچ کا نام نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے والا ایک منظم سوچ اور مرتب لائحہ عمل کا مالک ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں انسان چاہے جتنا بھی امیر ہو لیکن اخراجات کو صحیح طور پر منظم نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں بچتا۔ اس لیے اپنے وسائل کو سخاوت اور ایثار کے احساس کے ساتھ تقسیم کرنا پڑتا ہے۔

(6) ایثار اور سخاوت کے بے شمار مصارف (استعمال یا خرچ کرنے کی جگہ) ہیں لیکن ان سب کا خلاصہ صرف دو ہی جذبے ہیں۔

(i) سسکتی ہوئی انسانیت کی خدمت کرنا، چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

(ii) دین کے احیا اور غلبہ کی جدوجہد کے لیے ذرائع فراہم کرنا۔

(7) یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ سخاوت کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں بنیادی فرق ہے۔ تزکیہ نفس (نفس کی پاکیزگی) اور احسان کے نقطہ نظر سے دین میں جس چیز کی اہمیت ہے وہ سخاوت ہے، زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ تو کم سے کم مطالبہ ہے جو اسلام میں مال والوں سے کیا گیا ہے۔ اسلام کا اصلی مطالبہ تو سخاوت یا انفاق کے لیے ہے جو پوشیدہ (چھپا ہوا) بھی ہو، اعلانیہ بھی ہو، امیری میں بھی ہو، غریبی میں بھی، دوستوں اور رشتے داروں کے لیے بھی ہو اور دشمنوں کے لیے بھی۔

(8) زکوٰۃ ادا کر دینے سے اسلامی حکومت کے مطالبہ سے تو آدمی ضرور بری ہو جاتا ہے، قانون اس پر کوئی گرفت نہیں کر سکتا لیکن جہاں تک اللہ تعالیٰ کے مطالبہ کا تعلق ہے وہ صرف زکوٰۃ ادا کر دینے سے پورا نہیں ہوتا بلکہ یہ اس وقت پورا ہوتا ہے جب آدمی اپنا مال اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات کے سوا ہر مصرف سے بچا کر اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے کی پوری پوری کوشش کرے۔ جو شخص اس اہتمام سے اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہی درحقیقت سخاوت کا حق ادا کرتا ہے اور وہی اس زندگی میں روح کی بادشاہی دیکھتا ہے اور آخرت میں اپنے رب کی خوشنودی (رضامندی) کی بہاریں دیکھے گا۔

2 سخاوت قرآن پاک کی روشنی میں

قرآن پاک میں سخاوت کا لفظ استعمال نہیں ہوا لیکن یہ معنی دوسری مختلف تعبیرات مثلاً صدقہ، دوسروں کی مدد کرنا، انفاق فی سبیل اللہ اور بخل کی مذمت وغیرہ کے ذریعہ زیر بحث آیا ہے۔ جیسا کہ

(1) وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ. (سورۃ البقرہ، آیت:280)

(اور تم صدقہ کرو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے)

اس آیت مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

(i) دوسروں پر اپنا مال خرچ کرنا چاہیے۔

(ii) کنجوسی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

(iii) صدقہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس پر عمل نہ کرنے سے انسان گناہ گار ہو سکتا ہے۔

(iv) صدقہ کرنا مال کی بچت کرنے سے بہتر ہے اگر چہ بظاہر اس میں نقصان نظر آتا ہے۔

(2) اِنَّ اللہَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِين. (سورۃ یوسف، آیت:88)

(اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ اور خیرات کرنے والوں کے صدقات کو ضائع نہیں کرتا بلکہ انہیں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ یہ بدلہ صدقات کرنے والوں کی نیت کے اعتبار سے دس گنا سے لے کر سو گنا تک دیا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق سات سو گنا سے بھی زیادہ اجر دیا جائے گا۔

(3) اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللہَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ. (سورۃ الحدید، آیت:18)

(مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا ہے، ان کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین انعام ہے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ بلا شبہ صدقہ دینے والے کی حیثیت بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی کو قرض دیا جاتا ہے اور اس قرض کی واپسی لازمی ہوتی ہے۔ صدقہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیا گیا قرضہ حسنہ ہے، جو دینے والے کو بڑھا کر واپس کیا جائے گا اور ان کے لیے بہت اچھا اور پسندیدہ انعام ہوگا۔

(4) فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورۃ الروم، آیت: 38)

(پس رشتہ دار کو اس کا حق دے، مسکین اور مسافر کو بھی۔ یہ طریقہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ پاک کی خوشنودی (رضامندی) چاہتے ہوں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں)

اس آیت پاک میں رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو خیرات دینے کا نہ صرف حکم دیا گیا ہے بلکہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ یہ ان کا حق ہے جو ہمیں دینا چاہیے۔ دیتے ہوئے یہ خیال انسان کے دل میں نہ آنے پائے کہ میں احسان کر رہا ہوں اور یہ کہ میں کوئی بڑی ہستی ہوں یا وہ میرا دیا ہوا کھانے والی کوئی حقیر مخلوق ہے۔ یہ بات اچھی طرح انسان کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر ہمیں زیادہ یا دوسروں کو کم عطا فرمایا ہے تو زائد مال دوسروں کا حق ہے جو ہمیں آزمانے کے لیے دے دیا گیا ہے۔ اللہ پاک دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم ان کا حق ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں کامیاب وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے یہ حقوق پہچانتے اور ادا کرتے ہیں۔ جو لوگ ان حقوق کو ادا نہیں کرتے وہ فلاح پانے والے نہیں ہیں۔

(5) وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ. (سورۃ الذاریات، آیت: 19)

(اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محتاج (ضرورت مند) کا حق ہے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مال والوں کے مال میں سائل (مانگنے والوں) اور محروم (ضرورت مندوں) کا بھی حق ہے اور یہ وہ حق ہے جو زکوٰۃ (ٹیکس) ادا کرنے کے بعد بھی ایک مال دار (صاحب استطاعت) انسان اپنے مال میں خود محسوس کرتا ہے۔ شریعت یا

قانون کے لازم کیے بغیر بھی اپنی خوشی اسے ادا کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال ہے اللہ پاک کے اس حکم سے مراد یہ ہے کہ ایک متقی اور احسان کرنے والا انسان کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کا جو حق میرے مال میں تھا، زکوٰۃ ادا کر کے میں اس سے فارغ ہو گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا متقی اور احسان کرنے والا ہر وقت، ہر اس بھلائی کے لیے تیار رہتا ہے جو اس کے بس میں ہو۔ نیک کام کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ جو نیکی مجھ پر فرض کی گئی تھی وہ میں کر چکا ہوں۔ نیکی کی اہمیت (قدر) جاننے والا شخص اسے سمجھ بوجھ کر نہیں بلکہ اپنے لیے نفع کا کام سمجھ کر زیادہ سے زیادہ ثواب کے لیے کرتا۔

(تفہیم القرآن بحوالہ سورۃ الذاریات، آیت:19)

(6) لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ. (سورۃ المعارج، آیت:25)

(مانگنے والوں اور تنگدستوں کا)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتا ہے کہ مومنین اور اچھے انسانوں نے خود اپنے اموال میں مانگنے والوں اور محروموں کا ایک حصہ طے کر رکھا ہے جسے وہ ان کا حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔

سائل سے مراد پیشہ ور بھکاری نہیں بلکہ وہ ضرورت مند شخص ہے جو کسی سے مدد مانگے۔ اور محروم سے مراد ایسا شخص ہے جو بے روزگار ہو، یا روزی کمانے کی کوشش کرتا ہو مگر اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں یا کسی حادثے یا مصیبت کا شکار ہو کر محتاج ہو گیا ہو یا روزی کمانے کے قابل نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے متعلق جب معلوم ہو جائے کہ وہ واقعی تنگ دست ہیں تو اللہ پاک سے ڈرنے والا انسان اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ وہ اس سے مدد مانگیں بلکہ ان کی محرومی کا علم ہوتے ہی وہ خود آگے بڑھ کر ان کی مدد کرتا ہے۔

(7) اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ. (سورۃ الحدید، آیت:7)

(اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن پر اس

نے تم کو نائب بنایا ہے۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کے لیے بڑا اجر ہے)

اس آیت میں خداوند کریم فرماتا ہے:

(i) جو مال تمہارے پاس ہے یہ تمہارا ذاتی مال نہیں بلکہ اللہ پاک کا دیا ہوا ہے۔ تم خود اس کے مالک نہیں ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ (نائب) کی حیثیت سے یہ تمہاری ملکیت میں دیا ہے۔ اس مال کو حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو۔ نائب کا یہ کام نہیں ہے کہ مالک کے مال کو مالک ہی کے کام میں خرچ کرنے سے جی چرائے۔

(ii) یہ مال نہ ہمیشہ سے تمہارے پاس تھا نہ ہمیشہ تمہارے پاس رہنے والا ہے۔ پہلے یہ دوسرے لوگوں کے پاس تھا۔ پھر اللہ پاک نے تمہیں اس کا مالک بنایا۔ پھر ایک وقت ایسا آئے گا جب یہ تمہارے پاس نہ رہے گا اور دوسروں کی ملکیت میں چلا جائے گا۔ اس عارضی ملکیت کی تھوڑی سی مدت ہے۔ اسے اللہ پاک کے کاموں میں خرچ کرو تا کہ آخرت کا ہمیشہ رہنے والا انعام حاصل کر سکو۔

(8) **وَاَنۡفِقُوۡا خَيۡرًا لِّاَنۡفُسِكُمۡ.** (سورۃ التغابن، آیت:16)

(اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے)

اس آیت پاک میں نصیحت فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ کرو۔ یہاں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرے گا وہ انسان کے اپنے ہی کام آئے گا اس میں اپنی ہی جانوں کا بھلا ہوگا۔

(9) **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ.** (سورۃ البقرہ، آیت:254)

(اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، جو مال تم کو بخشا ہے، اس میں سے خرچ کرو اس دن سے پہلے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ ہی سفارش چلے گی)

اس آیت پاک میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ جو مال اللہ

تعالیٰ کی خوشی کے لیے خرچ کیا جاتا ہے، یہ اسی کا ہی دیا ہوا ہے۔جس نے مال دیا، اس کو پورا پورا حق ہے کہ وہ مال خرچ کرنے کا حکم بھی دے۔

قیامت کا دن بہت سخت ہوگا۔ ہر انسان پریشان ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے بدلے عذاب بھگتنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ دنیا کی کوئی دوستی کسی کو کام نہ دے گی۔ یہاں کی محبتیں اور دوستی کے مظاہرے، وہاں نہیں چلیں گے۔کوئی دوست کسی کی مدد نہ کر سکے گا۔اس دن کوئی سودے بازی نہیں ہوگی اور سفارش کام نہیں آئے گی۔ اس دن صرف ایمان اور اچھے کام ہی فائدہ دیں گے۔ اس دن نجات (آزادی) پانے اور عذاب سے بچنے کے لیے نیک کام کرتے رہنا چاہیے۔نیک کاموں میں اللہ پاک کی رضا کے لیے مال خرچ کرنا بھی شامل ہے۔جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں کئی جگہوں پر حکم دیا ہے۔

(10) قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّمَغۡفِرَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ يَّتۡبَعُهَآ اَذًى‌ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيۡمٌ.

(سورۃ البقرہ، آیت: 263)

(ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے، جس کے پیچھے دکھ ہو۔اللہ پاک بے نیاز ہے اور بردباری اس کی صفت ہے)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

(i) انسان کو ہر حال میں اپنی زبان میٹھی رکھنی چاہیے۔

(ii) جو چیز ناپسند ہو اس پر غصہ یا جھنجلانا نہیں چاہیے۔

(iii) صدقہ لینے والے کو احسان جتلا کر تکلیف نہیں دینی چاہیے۔

(iv) اللہ پاک کو ہماری سخاوت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بردبار (درگزر کرنے والا) ہے۔اسے ایسے لوگ پسند ہیں جو بلند حوصلہ اور درگزر کرنے والے ہوں۔

(v) اللہ پاک ہمیں زندگی کے بے حساب وسائل عطا کر رہا ہے۔ ہماری غلطیوں اور گناہوں کے

باوجود بار بار معاف کرتا ہے۔ وہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو کسی غریب کو ایک روٹی کھلا دیں تو احسان جتا جتا کر اس کی عزت نفس کو خاک میں ملا دیں۔

(vi) حدیث شریف میں آتا ہے کہ عطیہ دے کر احسان جتلانے والے سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ہی اسے گناہوں سے پاک کرے گا۔
(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:293)

(11) اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ. (سورۃ البقرہ، آیت:266)

(بھلا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لیے ہر قسم کے میوے موجود ہوں اور اسے بڑھاپا آ پہنچے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہوں تو اس باغ پر اچانک آگ کا بگولا چلے اور وہ جل جائے)

اس آیت پاک میں ہم سے سوال کیا گیا ہے کہ انسان یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی عمر بھر کی کمائی ایک ایسے نازک موقع پر تباہ ہو جائے، جبکہ اس سے فائدہ اٹھانے کے شدید ضرورت ہو اور دوبارہ سے کمائی کرنے کا موقع بھی باقی نہ رہا ہو؟ یہ بات کیسے پسند کی جا سکتی ہے کہ دنیا میں کام کرنے کے بعد آخرت کی زندگی میں پہنچ کر معلوم ہو کہ دکھاوے کی نیکیاں یہاں کوئی قیمت نہیں رکھتیں؟ جو کچھ دنیا کے لیے کمایا تھا، وہ دنیا ہی میں رہ گیا ہے۔ آخرت کے لیے کچھ کما کر ہی نہیں لائے کہ جس کا اجر (انعام) مل سکے۔

آخرت میں سخاوت کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔ جو کچھ بھی موقع ہے، اسی دنیا میں ہے۔ یہاں اگر آخرت کی فکر کیے بغیر ساری عمر دنیا داری میں ضائع کر دی اور اپنی تمام قوتیں اور کوششیں دنیاوی فائدے تلاش کرنے میں ہی خرچ دیں تو زندگی ختم ہونے پر بالکل اس بوڑھے جیسی حالت جس کی عمر بھر کی کمائی اور زندگی کا سہارا ایک باغ تھا جو اس کے بڑھاپے میں ہی جل گیا۔ عمر کے اس حصے میں وہ خود نئے سرے سے باغ نہیں لگا سکتا۔ اس کی اولاد بھی

چھوٹی ہے اور باغ لگانے میں اس کی مدد نہیں کرسکتی۔

(12) اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ (سورۃ البقرہ، آیت: 271)

(اگر اپنے صدقات اعلانیہ دو، تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر ضرورت مندوں کو دو، تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ

(i) صدقات، خیرات یا سخاوت اعلانیہ طور پر کی جائے یا پھر چھپا کر، دونوں صورتوں میں جائز ہے لیکن چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

(ii) بعض علما کا خیال ہے کہ جو صدقہ فرض ہو، اس کو علانیہ دینا افضل ہے اور جو صدقہ فرض کے علاوہ ہو، اس کو چھپا کر چپکے سے دینا زیادہ بہتر ہے۔

(iii) یہی اصول تمام اعمال (کاموں) کے لیے ہے کہ فرائض (فرض عبادت) اعلانیہ کرنا افضل ہے اور نوافل (نفلی عبادت) کو چھپا کر زیادہ اچھا ہے۔

(iv) چھپا کر نیکیاں کرنے سے انسان کے نفس اور اخلاق کی اصلاح ہو جاتی ہے اور ریا کاری (نمائش اور دکھاوے) کا ڈر نہیں رہتا۔ انسان میں خوبیاں اور اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ بری صفتیں آہستہ آہستہ مٹ جاتی ہیں۔ یہ چیز بندہ کو اللہ پاک کے ہاں اتنا مقبول بنا دیتی ہے کہ جو تھوڑے بہت گناہ اس کے نامہ اعمال میں ہوتے بھی ہیں انہیں اس کی خوبیوں پر نظر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

(13) وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ. (سورۃ البقرہ، آیت: 219)

(اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے جو ضرورت سے زائد ہو)

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ

(i) انسان کو اللہ تعالیٰ کے رستے میں بھی خرچ کرنے میں غور و فکر سے کام لینا چاہیے۔ ایسا بھی نہ ہو کہ خرچ ہی نہ کیا جائے کہ ضروریات سے جس قدر بھی زائد ہو وہ پڑا ہی رہے اور جمع ہوتا رہے

اور ایسا بھی نہ ہو کہ انسان سب خرچ کر کے غریبی، تنگ دستی اور فاقہ کشی میں مبتلا ہو جائے اور دوسروں سے مانگنے کی نوبت آ جائے۔

(ii) سخاوت اور ایثار کرتے ہوئے اپنی دنیاوی ضروریات کو سمجھنا چاہیے۔ جوش سخاوت میں ایسا بھی نہ ہو کہ اپنے گھر والوں کے حقوق ضائع ہو جائیں۔

(iii) اگر کوئی شخص فرض اور واجبات ادا کرنے کے بعد زائد مال میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں کچھ خرچ کر دے اور کچھ رکھ لے تو اس کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت عثمان بن غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اللہ پاک کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے لیکن ان کے پاس مال جمع بھی رہتا تھا اور یہ بات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی معلوم تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

(iv) ضرورت سے زیادہ جو مال جمع ہو جائے اگر اس میں سے فرض زکوٰۃ، صدقات اور نفقات (گھر والوں کا خرچہ) ادا ہوتے رہیں تو اس کا جمع کرنا جائز ہے لیکن خرچ کر دینا زیادہ افضل ہے۔

(14) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ. (سورۃ البقرہ، آیت: 267)

(اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے پاک چیزیں خرچ کرو اور اس چیز میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہے اور اس بے کار چیز کو اس کے راستے میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو حالانکہ تم خود اسے کبھی نہ لو مگر یہ کہ نظر انداز کر جاؤ)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ سخاوت کی قبولیت کے لیے جس طرح ضروری ہے کہ ریاکاری (دکھاوے) سے پاک ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلال اور پاک کمائی سے ہو۔ چاہے وہ کاروبار کے ذریعے سے ہو یا فصل اور باغات کی پیداوار سے۔ جو چیزیں حرام کی غلط کمائی سے ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں قبول نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ پاک اور

حلال چیز ہی قبول فرماتا ہے۔ ردی، فضول اور نکمی چیزیں بھی اللہ پاک کی راہ میں خرچ نہیں کرنی چاہییں کیونکہ ہم خود بھی نکمی چیزیں لینے پر تیار نہیں ہوتے تو اللہ پاک کی راہ میں ایسی نکمی اور ردی چیزیں کیوں دی جائیں؟

(15) لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ. (سورۃ آلِ عمران، آیت:92)

(ہرگز نیکی میں کمال حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز سے کچھ خرچ کرو)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ نیکی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ ایسی محبت کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز عزیز تر (پیاری) نہ ہو۔ جس چیز کی محبت بھی آدمی کے دل پر اتنی غالب آجائے کہ وہ اسے اللہ پاک کی محبت پر قربان نہ کرسکتا ہو، وہ بت ہے اور جب تک آدمی اس بت کو توڑ نہ دے، نیکی کے دروازے اس پر بند رہتے ہیں۔

(16) وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۖۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:195)

(اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ

(i) اگر مومنین اللہ پاک کے دین کو سر بلند کرنے کے لیے اپنا مال خرچ نہیں کریں گے اور اس کے مقابلے میں اپنے ذاتی فائدے کو عزیز رکھیں گے، تو یہ ان کے لیے دنیا میں بھی نقصان کا سبب ہوگا اور آخرت میں بھی۔

(ii) صدقات احسان کے جذبے کے ساتھ ادا کرنے چاہییں۔ احسان کے معنی کسی کام کو انتہائی اچھے طریقے سے کرنے کے ہیں۔ عمل کا ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی کے سپرد جو خدمت ہو، اسے ادا کرے۔ اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسے انتہائی اچھے طریقے سے کرے، اپنی پوری قابلیت اور تمام وسائل لگا دے۔ دل و جان سے اس کی تکمیل کی کوشش کرے۔ پہلا درجہ محض فرماں برداری کا درجہ ہے، جس کے لیے صرف تقویٰ اور خوف کافی ہے۔ دوسرا درجہ احسان کا ہے،

جس کے لیے اللہ تعالیٰ سے گہری محبت اور دلی لگاؤ درکار ہے۔

(17) وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ.

(سورۃ الحدید، آیت:10)

(آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمانوں کی ملکیت اللہ پاک ہی کے لیے ہے)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ

(i) یہ مال انسان کے پاس ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔ ایک دن اسے چھوڑ کر ہی جانا ہے اور اس کا اصل مالک اللہ پاک ہی ہے۔ پھر کیوں نہ اپنی زندگی میں ہی اسے اپنے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تا کہ آخرت میں اجر (بدلہ) مل جائے۔

(ii) اگر انسان مال اور دولت کو اللہ پاک کے حکم کے مطابق خرچ نہ کرے، تب بھی یہ اسی کا مال ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس کے راستے میں خرچ کرنے پر ہمیں اجر (بدلہ) دیا جائے گا بصورت دیگر ہم کسی اجر یا انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

(iii) اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے غربت اور مالی تنگی کا ڈر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جس کی خاطر اسے خرچ کیا جائے گا، وہ زمین اور آسمان کے سارے خزانوں کا مالک ہے۔ اس نے ہمیں آج جو دے رکھا ہے کل اس سے بہت زیادہ دے سکتا ہے۔

(18) وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ. (سورۃ المنافقون، آیت:10)

(جو رزق ہم نے تمھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور اس وقت وہ کہے کہ اے میرے رب، کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا)

اس آیت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

(i) جب مال و دولت آتی ہے تو خرچ بھی ہوتی ہے۔

(ii) مومن اور نیک لوگ اسے اللہ پاک کی رضا اور خوشی میں خرچ کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو مال سے محبت ہوتی ہے اور دین پر چلنے کا شوق نہیں ہوتا وہ مال جمع کرتے رہتے ہیں۔ دولت کے غلام بنے رہتے ہیں۔ فرض زکوٰۃ اور تھوڑا سا صدقہ دینا بھی انہیں ناگوار ہوتا۔

(iii) موت کے آنے سے پہلے مال خرچ کرنا چاہیے۔ اگر زندگی میں اللہ پاک کے لیے مال خرچ نہ کیا تو موت کے وقت یہ خواہش کام نہیں آئے گی کہ تھوڑی سی اور زندگی مل جاتی، تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرتا۔ ہر انسان کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔

(iv) اللہ پاک کے مقرر کردہ وقت پر انسان نے مرنا ہے۔ اس لیے جو کرنا ہے موت سے پہلے ہی کر لینا چاہیے۔ موت کے وقت خواہش کام نہ دے گی نہ زندگی واپس ملے گی۔

(v) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس اتنا مال ہو جس سے بیت اللہ (خانہ کعبہ) کا حج ہو سکتا ہو اور زکوٰۃ فرض ہو گئی ہو۔ پھر اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی، نہ ہی حج کیا، تو موت کے وقت اسے شدید خواہش پیدا ہو گی کہ کاش مجھے زندگی دی جائے تا کہ میں صدقہ دے دوں۔ (تفسیر مظہری بحوالہ تفسیر سورۃ المنافقون، آیت: 10)

(19) وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (سورۃ البقرہ، آیت: 265)

(اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور دل کی تسکین اور یقین کے لیے خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو، اس پر زوردار بارش برسے تو وہ دوگنا پھل دے، اگر اس پر تیز بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے)

اس آیت پاک میں ایسے لوگوں کی مثال دی گئی ہے جو اپنا مال اللہ پاک کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اس کی مثال اس باغ جیسی ہے جو بلند اور ہموار زمین پر ہو جس پر بارش نہ بھی ہو تو اسے اوس (شبنم) ہی کفایت کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے کیے جانے والے صدقہ میں اگر کوئی کمی اور کمزوری رہ بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی تلافی فرما دیتا ہے۔ صدقہ کرنے والا اس نیت کے ساتھ کر رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا مال تھا جو میں نے اس کے کمزور بندوں پر خرچ کیا ہے۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ ایسا شخص ریا کاری، دکھاوے، احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے بچتا ہے۔ اس کی نیت صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا مندی اور خوشی ہوتی ہے۔

پس اس آیت پاک سے ہمیں یہ نکات سمجھ آتے ہیں:

(i) اپنے مال کو صرف اللہ پاک کی رضا کے لیے خرچ کرنا چاہیے۔

(ii) اپنے مال کو خوشی خوشی یقین محکم سے خرچ کرنا چاہیے۔

(iii) اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی چاہنے والوں کی آخرت بہترین ہوگی۔

(iv) ایمان والوں کے تمام اعمال ریا کاری اور دکھلاوے سے پاک ہوتے ہیں۔

(v) اہل رضا شکریہ اور جزا (لوگوں کی طرف سے بدلہ ملنے) سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

(vi) آخرت میں اجر صرف انہیں دیا جائے گا جو اللہ پاک کی رضا اور خوشی کے لیے کام کرتے ہیں۔

(vii) اہل رضا کی بظاہر چھوٹی سی نیکی بھی ضائع نہیں ہوتی۔

(viii) اہل رضا کے لیے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔

(ix) اہل رضا کی مثال اس سرسبز باغ کی سی ہے جو ہر حال میں پھل دیتا ہے۔

(x) ریا کاری اور دکھلاوے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ایسے اعمال کا کوئی فائدہ نہیں۔

(20) وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا. (سورۃ المزمل، آیت: 20)

(اور اللہ پاک کو اچھا قرض دیتے رہو)

اس آیت میں حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ اللہ پاک کی راہ میں اور اس کی رضا کے لیے جو کچھ بھی خرچ کیا جاتا ہے وہ کسی دوسرے کے لیے نہیں بلکہ خود اپنے لیے ہی کیا جاتا ہے۔ اس کا اجر ہر صورت خرچ کرنے والے ہی کو ملے گا۔ اس کو اپنے رب کے پاس نہایت اچھے اور بڑے

ہی بہتر ثواب کی صورت اجر (انعام) دیا جائے گا۔ یہ کوئی نقصان کا سودا (کاروبار) نہیں بلکہ نہایت ہی فائدہ مند کام ہے۔

(21) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا. (سورۃ البقرہ، آیت: 264)

(اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پاک پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کی بارش برسی، تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ

(i) صدقات احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے ضائع ہو جاتے ہیں۔

(ii) صدقات اور خیرات کو احسان جتلا کر یا تکلیف دے کر ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

(iii) جو آدمی دوسروں کو دکھانے کے لیے سخاوت کرتا ہے، اس کی یہ ریا کاری (دکھاوہ) اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ پاک اور آخرت پر یقین نہیں رکھتا بلکہ اس کا لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتا ہے گویا کہ مخلوق ہی خدا ہے روز وہ اسی سے اجر (بدلہ) چاہتا ہے۔ اللہ پاک سے اس کو اجر کی توقع ہے نہ یقین۔

(iv) اس آیت پاک میں جو مثال دی گئی ہے اس میں بارش سے مراد خیرات ہے۔ چٹان سے مراد اس نیت اور اس جذبے کی خرابی ہے جس کے ساتھ خیرات کی گئی ہے۔ مٹی کی ہلکی تہہ سے مراد نیکی کی وہ ظاہری شکل ہے جس کے نیچے نیت کی خرابی چھپی ہوئی ہے۔ بارش کا فطری طور پر اثر تو یہی ہوتا ہے کہ اس سے کھیتی نشونما پائے لیکن جب فصل اگانے والی زمین برائے نام اوپر ہی اوپر ہو اور اس اوپری تہہ کے نیچے پتھر کی ایک چٹان رکھی ہوئی ہو، تو بارش مفید ہونے کے

بجائے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اس سے مٹی کی ہلکی تہہ اتر جاتی ہے اور خالص پتھر نکل آتا ہے جس پر فصل نہیں اگتی۔ اسی طرح خیرات بھی اگرچہ بھلائیوں کو نشوونما دینے کی قوت رکھتی ہے مگر اس کے فائدہ مند ہونے کے لیے نیت کا درست ہونا شرط ہے۔

(v) اس آیت پاک میں اس ناشکرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے انکار کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے جو شخص اللہ پاک کی دی ہوئی نعمت کو اس کی راہ میں اس کی رضا کے لیے خرچ کرنے کے بجائے مخلوق کی خوشی کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اگر اللہ پاک کی راہ میں کچھ مال دیتا بھی ہے تو تکلیف کے ساتھ۔ وہ دراصل ناشکرا اور احسان فراموش ہے۔

(vi) صدقات کے قبول ہونے کے لیے دو شرائط ہیں:

(ا) صدقہ دے کر احسان نہیں جتلانا چاہیے، تکلیف نہیں دینی چاہیے۔

(ب) صدقہ صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا اور خوشی کے لیے دینا چاہیے۔

(22) مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ.

(سورۃ آل عمران، آیت: 117)

(اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جس طرح ایک ہوا ہو جس میں تیز سردی ہو، وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنہوں نے اپنے جانوں پر ظلم کیا تھا پھر اس کو برباد کر گئی اور اللہ پاک نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنے او پر ظلم کرتے ہیں)

(i) اس مثال میں کھیتی سے مراد دنیاوی زندگی ہے جس کا پھل آخرت میں ملے گا۔ ہوا سے مراد ریا کاری اور دکھاوا ہے جس کی وجہ سے کچھ لوگ رفاہ عامہ (عام لوگوں کی بھلائی) کے کاموں اور خیرات وغیرہ میں دولت خرچ کرتے ہیں اور سخت سردی سے مراد صحیح ایمان اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہ کرنا ہے، جس کی وجہ سے ان کی پوری زندگی تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔

(ii) قیامت والے دن ریا کاروں (دکھاوا کرنے والوں) کے مال کچھ کام نہ آئیں گے حتیٰ کہ بظاہر بھلائی کے کاموں پر جو بھی خرچ کرتے ہیں وہ بیکار جائیں گے اور ان کی مثال اس سخت

سردی کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی (فصل) کو خراب کر دیتی ہے۔ وہ اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے ہیں اور اس سے نفع کی امید رکھے ہوتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔

(iii) جب تک اخلاص نہیں ہوگا، عوام کی بھلائی کے کاموں پر رقم خرچ کرنے والوں کی چاہے دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو جائے آخرت میں انہیں ان کا کوئی صلہ (بدلہ یا انعام) نہیں ملے گا۔ وہاں تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

3 سخاوت احادیث کی روشنی میں

ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین کو بار بار سخاوت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس پر اجر اور ثواب کی خوش خبری دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان بے شمار احادیث میں کچھ یہ ہیں:

(1) قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ"؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ، قَالَ: "فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ، وَمَالُ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1389)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم میں کوئی ایسا نہیں جسے اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر اس کا مال وہ ہے جو اس نے پہلے خرچ کیا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ چھوڑ کر مرا)

(2) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: كُنْتُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا يَشْكُو الْعَيْلَةَ وَالْآخَرُ يَشْكُو قَطْعَ السَّبِيلِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَمَّا قَطْعُ السَّبِيلِ فَإِنَّهُ لَا يَأْتِي عَلَيْكَ إِلَّا قَلِيلٌ حَتَّى تَخْرُجَ الْعِيرُ إِلَى مَكَّةَ بِغَيْرِ خَفِيرٍ، وَأَمَّا الْعَيْلَةُ فَإِنَّ السَّاعَةَ لَا تَقُومُ

حَتَّى يَطُوفَ أَحَدُكُمْ بِصَدَقَتِهِ لَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ، ثُمَّ لَيَقِفَنَّ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ حِجَابٌ وَلَا تَرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهُ، ثُمَّ لَيَقُولَنَّ لَهُ أَلَمْ أُوتِكَ مَالًا فَلَيَقُولَنَّ بَلَى، ثُمَّ لَيَقُولَنَّ أَلَمْ أُرْسِلْ إِلَيْكَ رَسُولًا فَلَيَقُولَنَّ بَلَى، فَيَنْظُرُ عَنْ يَمِينِهِ فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ، ثُمَّ يَنْظُرُ عَنْ شِمَالِهِ فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ، فَلْيَتَّقِيَنَّ أَحَدُكُمُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ".
(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1354)

(حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو آدمی آئے ایک تو غربت اور بھوک کی شکایت کر رہا تھا۔ دوسرا راستے غیر محفوظ ہونے کا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہاں تک ڈاکے (لوٹ مار) کا تعلق ہے کچھ دنوں بعد تم پر ایسا زمانہ آئے گا جب قافلہ مکہ مکرمہ کی طرف بغیر کسی حفاظت کرنے والے کے روانہ ہوگا۔ باقی رہی غربت اور بھوک تو قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی کہ تم میں سے کوئی شخص صدقہ لے کر ادھر ادھر پھرے گا اور اس کو اس خیرات کا قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ پھر تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوگا کہ اس کے اور اللہ پاک کے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا اور نہ کوئی ترجمان ہوگا جو ترجمہ کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ میں نے تجھے مال دیا تھا؟ وہ کہے گا ہاں۔ پھر فرمائے گا کہ کیا میں نے تمہارے پاس رسول علیہ السلام نہیں بھیجا تھا؟ وہ کہے گا ضرور۔ پھر اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو ادھر بھی اسے آگ ہی نظر آئے گی اس لیے تم میں سے ہر شخص آگ سے بچے، اگرچہ ایک کھجور کے ذریعے سے ہی، اگر ایک کھجور بھی میسر نہ ہو تو باتیں اچھی کہے)

(3) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ، ثُمَّ قَالَ: اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ثَلَاثًا، حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا، ثُمَّ قَالَ: اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1487)

(حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم سے بچو! پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ پھیر لیا اور بہت چہرہ پھیرا۔ پھر فرمایا کہ جہنم سے بچو! اور پھر اس کے بعد چہرہ مبارک پھیر لیا اور بہت چہرہ پھیرا۔ پھر فرمایا کہ جہنم سے بچو! تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ ہم نے اس سے یہ خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہنم کو دیکھ رہے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم سے بچو! خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعہ ہو سکے اور جسے یہ بھی نہ ملے، تو اسے کسی اچھی بات کہنے کے ذریعہ ہی سے (جہنم سے) بچنے کی کوشش کرنی چاہیے)

(4) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "يَقُولُ الْعَبْدُ مَالِي مَالِي، إِنَّمَا لَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثٌ مَا أَكَلَ، فَأَفْنَى أَوْ لَبِسَ فَأَبْلَى أَوْ أَعْطَى، فَاقْتَنَى وَمَا سِوَى ذَلِكَ، فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ".

(صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2921)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندہ کہتا ہے میرا مال حالانکہ اس کے مال میں سے اس کی صرف تین چیزیں ہیں:

(i) جو کھایا اور ختم کر لیا۔

(ii) جو پہنا اور پرانا کر لیا۔

(iii) جو اس نے اللہ پاک کے راستہ میں دیا۔ یہ اس نے آخرت کے لیے جمع کر لیا۔

اس کے علاوہ تو صرف جانے والا اور لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔

(5) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "إِنَّ ثَلَاثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ أَبْرَصَ، وَأَقْرَعَ، وَأَعْمَى، فَأَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا، فَأَتَى الْأَبْرَصَ، فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟، قَالَ: لَوْنٌ حَسَنٌ، وَجِلْدٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ، قَالَ: فَمَسَحَهُ، فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ وَأُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا، قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟، قَالَ:

الْإِبِلُ أَوْ قَالَ: الْبَقَرُ شَكَّ إِسْحَاقُ إِلَّا أَنَّ الْأَبْرَصَ أَوِ الْأَقْرَعَ، قَالَ أَحَدُهُمَا: الْإِبِلُ وَقَالَ الْآخَرُ: الْبَقَرُ، قَالَ: فَأُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ، فَقَالَ: بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا، قَالَ: فَأَتَى الْأَقْرَعَ فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟، قَالَ: شَعَرٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي هَذَا الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ، قَالَ: فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ وَأُعْطِيَ شَعَرًا حَسَنًا، قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟، قَالَ: الْبَقَرُ، فَأُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلًا، فَقَالَ: بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا، قَالَ: فَأَتَى الْأَعْمَى، فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟، قَالَ: أَنْ يَرُدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرَ بِهِ النَّاسَ، قَالَ: فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ، قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟، قَالَ: الْغَنَمُ، فَأُعْطِيَ شَاةً وَالِدًا، فَأُنْتِجَ هَذَانِ وَوَلَّدَ هَذَا، قَالَ: فَكَانَ لِهَذَا وَادٍ مِنَ الْإِبِلِ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ، قَالَ: ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الْأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِينٌ: قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي، فَلَا بَلَاغَ لِي الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ، ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيرًا، أَتَبَلَّغُ عَلَيْهِ فِي سَفَرِي؟، فَقَالَ: الْحُقُوقُ كَثِيرَةٌ، فَقَالَ لَهُ: كَأَنِّي أَعْرِفُكَ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيرًا، فَأَعْطَاكَ اللّٰهُ، فَقَالَ: إِنَّمَا وَرِثْتُ هَذَا الْمَالَ كَابِرًا، عَنْ كَابِرٍ، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلَى مَا كُنْتَ، قَالَ: وَأَتَى الْأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ، فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهَذَا، وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلَى هَذَا، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا، فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلَى مَا كُنْتَ، قَالَ: وَأَتَى الْأَعْمَى فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ، فَقَالَ: رَجُلٌ مِسْكِينٌ وَابْنُ سَبِيلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي، فَلَا بَلَاغَ لِي الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ، ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً، أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي؟، فَقَالَ: قَدْ كُنْتُ أَعْمَى فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ بَصَرِي، فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ، فَوَاللّٰهِ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ شَيْئًا أَخَذْتَهُ لِلّٰهِ، فَقَالَ: أَمْسِكْ مَالَكَ، فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ فَقَدْ رُضِيَ عَنْكَ وَسُخِطَ عَلَى صَاحِبَيْكَ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2930)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل

میں تین آدمی تھے۔

(i) کوڑھی (ii) گنجا (iii) اندھا

(i) اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ انہیں آزمایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ وہ فرشتہ کوڑھی آدمی کے پاس آیا اور اس سے کہا! کہ تجھے کس چیز سے زیادہ پیار ہے؟ وہ کوڑھی کہنے لگا: میرا خوبصورت رنگ ہو، خوبصورت جلد ہو کیونکہ لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتے نے اس کوڑھی کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس سے وہ بیماری چلی گئی اور اس کو خوبصورت رنگ اور خوبصورت جلد عطا کر دی گئی۔ فرشتے نے پوچھا: تجھے مال کون سا زیادہ پسند ہے؟ وہ کہنے لگا کہ اونٹ۔ اسے دس مہینہ کی گابھن اونٹنی دے دی گئی۔ پھر فرشتے نے دعا کی کہ اللہ پاک تجھے اس میں برکت عطا فرمائے۔

(ii) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتہ گنجے آدمی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ پیاری ہے؟ وہ کہنے لگا خوبصورت بال اور مجھ سے گنجے پن کی یہ بیماری چلی جائے، جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس سے وہ بیماری چلی گئی اور اسے خوبصورت بال عطا کر دیے گئے۔ فرشتے نے پوچھا کہ تجھے سب سے زیادہ مال کون سا پسند ہے؟ وہ کہنے لگا کہ گائے۔ پھر اسے حاملہ گائے عطا کر دی گئی اور فرشتے نے دعا کی کہ اللہ پاک تجھے اس میں برکت عطا فرمائے۔

(iii) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر فرشتہ اندھے آدمی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ پیاری ہے؟ وہ اندھا کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری نظر (دیکھنے کی صلاحیت) واپس لوٹا دے تا کہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتے نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو اللہ پاک نے اس کی نظر اسے واپس لوٹا دی۔ فرشتے نے پوچھا کہ تجھے مال کون سا سب سے زیادہ پسند ہے؟ وہ کہنے لگا، بکریاں۔ تو پھر اسے ایک حاملہ بکری دے دی گئی۔ پھر اس نے بچے جنے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوڑھی آدمی کے

اونٹوں سے جنگل بھر گیا اور گنجے آدمی کی گایوں سے ایک وادی بھر گئی اور اندھے آدمی کی بکریوں کا ریوڑ بن گیا۔

حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر کچھ عرصہ بعد وہی فرشتہ اپنی دوسری شکل میں کوڑھی آدمی کے پاس آیا اور اس سے کہا: میں ایک مسکین آدمی ہوں اور سفر میں میرا سفر کا سامان اور خرچ ختم ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے میں آج اپنی منزل پر سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد کے نہیں پہنچ سکتا۔ میں تجھ سے اسی کے نام پر سوال کرتا ہوں کہ جس نے تجھے خوبصورت رنگ اور خوبصورت جلد اور اونٹوں کا مال عطا فرمایا! (مجھے صرف ایک اونٹ دے دے) جو میرے سفر میں میرے کام آئے۔ وہ کوڑھی کہنے لگا: (میرے اوپر) بہت زیادہ حقوق ہیں۔ فرشتے نے کہا کہ میں تجھے پہچانتا ہوں۔ کیا تو کوڑھی اور محتاج نہیں تھا؟ لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے۔ پھر اللہ پاک نے تجھے یہ مال عطا فرمایا؟ وہ کوڑھی کہنے لگا کہ یہ مال تو مجھے میرے باپ دادا سے وراثت میں ملا ہے۔ فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹ کہہ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے پھر پہلے کی طرح کر دے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر فرشتہ اپنی اسی شکل میں گنجے آدمی کے پاس آیا اور اس سے بھی وہی کچھ کہا کہ جو کوڑھی سے کہا تھا۔ اس گنجے نے بھی وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا۔ فرشتہ نے اس سے بھی یہی کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے اس طرح کر دے، جس طرح کہ تو پہلے تھا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر فرشتہ اپنی اسی شکل میں اندھے آدمی کے پاس آیا اور کہا کہ میں مسافر آدمی ہوں اور میرے سفر کے تمام اسباب وغیرہ ختم ہو گئے ہیں۔ میں آج اللہ پاک کی مدد کے علاوہ اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔ میں تجھ سے اسی اللہ پاک کے نام پر کہ جس نے تجھے نظر عطا کی، ایک بکری کا سوال کرتا ہوں، جو میرے سفر میں کام آئے؟ وہ اندھا کہنے لگا کہ میں بلاشبہ اندھا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے میری نظر واپس لوٹا دی۔ اللہ پاک کی قسم! میں

آج تمہارے ہاتھ نہیں روکوں گا۔ تم جو چاہو میرے مال میں سے لےلو اور جو چاہو چھوڑ دو۔ فرشتے نے اندھے سے کہا: تم اپنا مال رہنے دو کیونکہ تم تینوں آدمیوں کو آزمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو گیا اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا ہے)

(6) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ، فَسَمِعَ صَوْتًا فِي سَحَابَةٍ اسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ، فَتَنَحّٰى ذٰلِكَ السَّحَابُ، فَأَفْرَغَ مَاءَهُ فِي حَرَّةٍ، فَإِذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَاءَ كُلَّهُ، فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ، فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِي حَدِيقَتِهِ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهِ، فَقَالَ لَهُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ مَا اسْمُكَ، قَالَ: فُلَانٌ لِلِاسْمِ الَّذِي سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ، فَقَالَ لَهُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ لِمَ تَسْأَلُنِي عَنِ اسْمِي؟، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِي هٰذَا مَاؤُهُ، يَقُولُ: اسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ لِاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيهَا، قَالَ: أَمَّا إِذْ قُلْتَ هٰذَا، فَإِنِّي أَنْظُرُ إِلَى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ، وَآكُلُ أَنَا وَعِيَالِي ثُلُثًا، وَأَرُدُّ فِيهَا ثُلُثَهُ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2972)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی ایک جنگل میں تھا کہ اس نے بادلوں سے ایک آواز سنی کہ فلاں باغ کو پانی لگاؤ۔ پھر ایک بادل ایک طرف چلا اور اس نے ایک پتھریلی زمین پر بارش برسائی اور وہاں نالیوں میں سے ایک نالی بھر گئی۔

وہ آدمی برستے ہوئے پانی کے پیچھے پیچھے گیا۔ اچانک اس نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنے باغ میں کھڑا ہوا اپنے پھاوڑے سے پانی ادھر ادھر کر رہا تھا۔ اس آدمی نے باغ والے آدمی سے پوچھا: اے اللہ کے بندے تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں اور اس نے وہی نام بتایا کہ جو اس نے بادلوں میں سنا تھا۔ باغ والے آدمی نے اس سے کہا: تو نے میرا نام کیوں پوچھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ان بادلوں میں سے جس سے یہ پانی برسا ہے، ایک آواز سنی ہے کہ کوئی تیرا نام لے کر کہتا ہے کہ اس کے باغ کو سیراب کر۔ تم اس باغ

میں کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا جب تو نے یہ پوچھا ہے تو سنو: میں اس باغ میں پیداوار پر نظر رکھتا ہوں اور اس میں سے ایک تہائی صدقہ خیرات کرتا ہوں اور ایک تہائی اس میں سے میں اور میرے گھر والے کھاتے ہیں جبکہ ایک تہائی میں اسی باغ میں لگا دیتا ہوں)

(7) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي مَجْهُودٌ، فَأَرْسَلَ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ، فَقَالَتْ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى أُخْرَى، فَقَالَتْ: مِثْلَ ذَلِكَ حَتَّى قُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذَلِكَ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ، فَقَالَ: "مَنْ يُضِيفُ هَذَا اللَّيْلَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ؟". فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى رَحْلِهِ، فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ: هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ؟، قَالَتْ: لَا إِلَّا قُوتُ صِبْيَانِي، قَالَ: فَعَلِّلِيهِمْ بِشَيْءٍ، فَإِذَا دَخَلَ ضَيْفُنَا فَأَطْفِئِي السِّرَاجَ وَأَرِيهِ أَنَّا نَأْكُلُ، فَإِذَا أَهْوَى لِيَأْكُلَ فَقُومِي إِلَى السِّرَاجِ حَتَّى تُطْفِئِيهِ، قَالَ: فَقَعَدُوا وَأَكَلَ الضَّيْفُ، فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "قَدْ عَجِبَ اللَّهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:862)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا: میں فاقہ (بھوکا) سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں (ازدواج مطہرات رضی اللہ عنہما) میں سے کسی کی طرف ایک آدمی بھیجا تو زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میرے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دوسری زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب بیویوں (ازدواج مطہرات رضی اللہ عنہما) نے یہی جواب دیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی آج رات اس مہمان کی مہمان نوازی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ پھر وہ انصاری اس مہمان کو لے کر اپنے گھر لے گیا۔ اس نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے؟ وہ کہنے لگی کہ سوائے میرے بچوں کے کھانے کے میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ انصاری نے کہا: ان بچوں کو کسی چیز سے بہلا دو اور جب مہمان اندر آجائے تو چراغ بجھا دینا اور اس پر یہ ظاہر کرنا گویا کہ ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ مہمان کے ساتھ سب گھر والے بیٹھ گئے اور کھانا صرف مہمان ہی نے کھایا۔ پھر جب صبح ہوئی اور وہ دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے آج رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے تعجب کیا ہے)

(8) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ عَنْ مِيتَةِ السُّوءِ".

(جامع ترمذی، ج:1، رقم الحدیث:645)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو بجھاتا اور بری موت کو دور کرتا ہے)

(9) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، يَقُولُ: " إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ، نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ، كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ، جَوَّادٌ يُحِبُّ الْجُودَ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:716)

(حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہایت صاف ستھرا ہے، صفائی ستھرائی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرم کرنے والا ہے، کرم کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہایت سخی اور عطا کرنے والا ہے، سخاوت اور عطا کو پسند کرتا ہے)

(10) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَكَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2967)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیوہ عورت اور مسکینوں کی مدد کرنے والا، اللہ پاک کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: وہ مسلسل نماز پڑھنے والے اور ہمیشہ روزہ رکھنے والے کی طرح ہے)

(11) عَنْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ، فَهُوَ يَقُومُ بِهِ، آنَاءَ اللَّيْلِ، وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا، فَهُوَ يُنْفِقُهُ، آنَاءَ اللَّيْلِ، وَآنَاءَ النَّهَارِ".

(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:1888)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو آدمیوں کے سوا کسی پر رشک [1] کرنا جائز نہیں۔ ایک وہ آدمی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا علم عطا فرمایا ہو اور وہ رات دن اس پر عمل کرنے کے ساتھ اس کی تلاوت کرتا ہو۔ دوسرا وہ آدمی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ رات اور دن اسے اللہ پاک کے راستہ میں خرچ کرتا ہو)

(12) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا ابْنَ آدَمَ، إِنَّكَ إِنْ تَبْذُلِ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ، وَإِنْ تُمْسِكْهُ شَرٌّ لَكَ، وَلَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:229)

(حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابن آدم! تم اگر اپنی ضرورت سے زائد مال کو اچھائیوں میں خرچ کر دو گے تو تمہارے لیے اچھا ہوگا اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو یہ تمہارے لیے برا ہوگا۔ ضرورت کے مطابق اپنے او پر خرچ

---

[1] کسی کی خوبی یا خوش بختی دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ ہمیں بھی یہ خوبی یا خوش بختی حاصل ہو جائے رشک کہلاتا ہے۔

کرنے پر ملامت نہیں کی جائے گی۔ صدقات اور خیرات کی اس سے شروع کرو جس کا خرچ تمہارے ذمہ ہو اور جان لو کہ دینے والا ہاتھ، لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے)

(13) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَصَدَّقُوا"، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! عِنْدِي دِينَارٌ، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى نَفْسِكَ"، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى زَوْجَتِكَ"، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى وَلَدِكَ"، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى خَادِمِكَ"، قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: "أَنْتَ أَبْصَرُ".

(سنن نسائی، ج:2، رقم الحدیث:446)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ دو۔ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پاس ایک دینار ہے (جسے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اسے کہاں خرچ کروں؟)؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کیا: میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنے خادم پر خرچ کرو۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب تم اس بارے میں زیادہ جان سکتے ہو)

(14) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا يَتَصَدَّقُ أَحَدٌ بِتَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، إِلَّا أَخَذَهَا اللّٰهُ بِيَمِينِهِ، فَيُرَبِّيهَا كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ أَوْ قَلُوصَهُ، حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ أَوْ أَعْظَمَ".

(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:2336)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی بھی اپنی پاک کمائی میں سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے تو اللہ پاک اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے۔ اس کی پرورش کرتا ہے جیسا کہ تم میں کوئی اپنے بچھڑے یا اونٹنی کے بچے کی

پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ یا اس سے بھی بڑا ہو جاتا ہے)

(15) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:633)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس روز اپنے سائے میں رکھے گا، جس روز اللہ پاک کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا:

(i) انصاف کرنے والا حکمران۔

(ii) وہ جوان جو اپنی جوانی کو اللہ پاک کی عبادت میں گزار دے۔

(iii) وہ آدمی جو مسجد سے نکلتا ہے تو جب تک وہ دوبارہ مسجد میں نہیں چلا جاتا، اس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے۔

(iv) وہ دو آدمی جو اللہ پاک کے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں اگر اکٹھے ہوتے ہیں تو اس کی محبت میں اور علیحدہ ہوتے ہیں تو بھی اس کی محبت میں۔

(v) وہ آدمی جس کو کسی شریف خاندان اور خوبصورت عورت نے برائی کے لیے بلایا اور اس نے کہہ دیا ہو کہ میں اللہ پاک سے ڈرتا ہوں۔

(vi) وہ آدمی جس نے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی نہ معلوم ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

(vii) وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ پاک کو یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

(16) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: "خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ

عِيدٍ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلُ وَلَا بَعْدُ، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تَصَدَّقُ بِخُرْصِهَا وَسِخَابِهَا". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:845)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کے دن باہر نکلے اور دو رکعت نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو اس سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے پاس تشریف لائے اور انہیں صدقہ دینے کا حکم دیا۔ عورتیں اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں صدقہ کرنے لگیں)

(17) عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ".

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1370)

(حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (صدقہ دینے والا صدقہ لینے والے سے بہتر ہے) اور صدقہ شروع کر ان لوگوں سے جن کا خرچہ تیرے ذمہ ہو اور بہتر صدقہ وہ ہے جو ان لوگوں پر کیا جائے جن کا خرچہ کا ذمہ دار انسان خود ہوتا ہے۔ جو کوئی سوال سے بچنا چاہے گا اسے اللہ تعالیٰ بھی محفوظ رکھتا ہے اور جو دوسروں (کے مال) سے بے نیاز رہتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہی بنا دیتا ہے)

(18) عَنْ أَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُوكِي فَيُوكَى عَلَيْكِ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1376)

(حضرت اسماء روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خیرات نہ روکو، ورنہ تم سے روک لیا جائے گا)

(19) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَ: قَالَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُوعِي فَيُوعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ، ارْضَخِي مَا اسْتَطَعْتِ".

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1378)

(حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (روپیہ پیسہ) تھیلی میں بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ پاک بھی بند کر رکھے گا اور جہاں تک ہو سکے خیرات کرتی رہو)

(20) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ قَالَ لِي أَنْفِقْ، أُنْفِقْ عَلَيْكَ". وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَمِينُ اللّٰهِ مَلْأَى، لَا يَغِيضُهَا سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُذْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ، فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَمِينِهِ". (صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:2302)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور رات دن کے خرچ کرنے سے اس میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس نے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے کتنی فیاضی (سخاوت) کی ہے لیکن اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی)

(21) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ، إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ اللّٰهُمَّ: أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا".
(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:2329)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر دن جس میں بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے اترتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے، یا اللہ! خرچ کرنے والوں کو اچھا بدلہ عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے، اے اللہ! کنجوس کو ہلاک کرنے والا مال عطا کر)

4 سخاوت کے درجات

سخاوت کے کئی درجات ہیں۔ سخاوت کرنا ابتدائی مرتبہ ہے، اس کے بعد جود اور اس کے بعد ایثار کا مرتبہ آتا ہے۔

(1) جو شخص اپنے مال میں سے کچھ خرچ کرے اور کچھ اپنے لیے بچا کر رکھ لے، اسے سخی کہتے ہیں اور اس کا یہ عمل سخاوت کہلائے گا۔ یہ عوام کا مرتبہ ہے۔

(2) جو شخص اپنے مال کا زیادہ حصہ اللہ پاک کے راستے میں خرچ کر دے اور اپنے لیے تھوڑا بچا کر رکھے، تو ایسے شخص کو جواد کہا جائے گا اور اس کا یہ عمل جود کہلائے گا۔ یہ خاص لوگوں کا مرتبہ ہے۔

(3) جس نے مال مشکل سے کمایا اور پھر بھی لوگوں پر بے دریغ خرچ کر دیا، یہ ایثار ہے اور یہ خاص الخواص (خاص لوگوں) کا مرتبہ ہے۔

5 سخاوت کی برکات

سخاوت کی بہت برکات ہیں جو یہ ہیں:

(1) سخاوت کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ یہ آدمی کے دل کو اللہ پاک کے ساتھ اس طرح جوڑ دیتی ہے کہ اس کے لیے اس سے غافل رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ آدمی کو مال سے جو محبت ہے اس کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ وہ جس جگہ اپنا مال رکھتا ہے یا جس کام میں اپنا سرمایہ لگاتا ہے، اسی جگہ یا اسی کام کے ساتھ اس کا دل بھی اٹکا رہتا ہے۔ اگر وہ اپنا مال کسی خفیہ جگہ میں دفن کرتا ہے تو اس کا دل ہر وقت اسی خرابے میں گردش کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ کسی بینک میں رکھتا ہے تو اس بینک کے ساتھ اس کا دل بندھ جاتا ہے۔ اگر کسی کاروبار میں اپنا سرمایہ لگاتا ہے تو رات دن اس کاروبار کی فکر اس کے سر پر سوار رہتی ہے۔ جہاں آدمی اپنا سرمایہ لگاتا ہے، تجربہ شہادت دیتا ہے کہ وہیں اس کا دل بھی رہتا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں دیکھیے تو یہ بات بالکل واضح معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص اپنا مال اللہ پاک کے راستے میں خرچ کرے گا، اس کا دل بھی اسی کے ساتھ رہے گا۔

(2) سخاوت کرنے والے کا اپنے معاشرے کے ساتھ بھی صحیح تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ یہ چیز کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ شریعت کے اعتبار سے یہ دین کی دو بنیادوں میں سے ایک ہے۔ صحیح بندہ بننے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں:

(i) اللہ پاک کے ساتھ اس کا تعلق ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے۔ یہ چیز آدمی کو نماز سے حاصل ہوتی ہے۔

(ii) اللہ پاک کی مخلوق کے ساتھ وہ صحیح طور پر بندھ جائے۔ یہ چیز انسان کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

(3) نماز اور سخاوت، دونوں چیزیں در حقیقت وہ دو بنیادیں ہیں جن پر اللہ پاک اور اس کی مخلوق کے ساتھ آدمی کے تعلقات کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ اس وجہ سے یوں سمجھنا چاہیے کہ انہی دو چیزوں پر پورے دین کی عمارت قائم ہے۔ ظاہر میں یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں لیکن ذرا گہری نظر سے دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے دوسری چیز حقیقت میں پہلی چیز کا اثر اور نتیجہ ہے۔ جو آدمی اپنے پیدا کرنے والے سے محبت کرے گا وہ اس کی مخلوق سے ضرور محبت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنے عیال (خاندان) سے تعبیر فرمایا ہے۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اگر اس کو کسی سے محبت ہو جائے تو اس سے تعلق رکھنے والوں سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ اپنی اس فطرت کے تقاضے سے جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ اس کی مخلوق سے بھی محبت کرنے لگتا ہے اور یہ محبت قدرتی طور پر مخلوق سے ہمدردی اور ان کے لیے مالی ایثار کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

(4) سخاوت دین کے دوسرے تمام عقائد اور اعمال کے لیے غذا اور پانی کی مانند ہے۔ اس سے آدمی کی کمزور نیکیاں جڑ پکڑ لیتی ہیں۔ اس کے وہ عقیدے مضبوط ہو جاتے ہیں جو ابھی اچھی طرح دل میں راسخ (پکے) نہیں ہوئے ہوتے ہیں۔ دین کے عقائد اور اعمال کی یہی مضبوطی ہے جس کو قرآن پاک میں حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کے اشاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکمت کے خزانے کی چابی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہی ہے۔

(5) سخاوت کرنے سے مال میں دنیا اور آخرت میں برکت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے بے شمار بندے جو اس کے مال سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ یہ دعائیں کرنے والے عام طور پر ضرورت مند ہوتے ہیں جو اپنی محتاجی کے سبب سے

اس بات کے حق دار ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمائے۔

برکت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ پاک کے راستے میں خرچ کرنے والے کی جیبیں بھر جاتی ہیں یا اس کے بینک بیلنس میں اضافہ ہو جاتا ہے یا اس کی جائیداد کی مقدار کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے بلکہ برکت کا مطلب یہ ہے کہ مال کا حقیقی فائدہ اور نفع جس طرح وہ حاصل کرتا ہے، اس کے مقابل میں دوسرے حاصل نہیں کر پاتے۔ جو بے فکری، دلی سکون، اللہ پاک پر اعتماد، دلی خوشی اور روح کی بادشاہی اس کو حاصل ہوتی ہے وہ کنجوسوں کے حصہ میں نہیں آتی۔

6 سخاوت کی شرائط

سخاوت کی بہت سی شرائط ہیں جن کا ہمیں خیال رکھنا چاہیے:

(1) سخاوت کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہ صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا مندی، خوشی اور آخرت کی طلب کے لیے ہو۔ یہ صرف سخاوت ہی کی شرط نہیں بلکہ ہر عبادت کی شرط ہے کہ عبادت صرف اللہ پاک کے لیے ہو۔ نہ دنیا کی شہرت اور دکھاوا مقصد ہو اور نہ ہی کوئی دوسرا دنیاوی لالچ۔ اسی کے بارے میں اللہ پاک نے اپنی کتاب قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (سورۃ البینۃ، آیت:5)

(ان کو نہیں حکم دیا گیا مگر یہ کہ وہ خالص اللہ پاک کے لیے دین کو اختیار کرتے ہوئے عبادت کریں)

(2) سخاوت کی شرط ہے کہ وہ حلال مال سے ہو۔ حرام مال کا دیا ہوا صدقہ اللہ پاک قبول نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ. (سورۃ البقرہ، آیت:267)

(اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی میں سے خرچ کرو)

اسی طرح حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف پاک اور حلال چیز کو ہی قبول کرتا ہے۔ (صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:2335)

(3) سخاوت وہی قابل قبول ہوتی ہے جو اعلیٰ اخلاق کے ساتھ کی جائے۔ سخاوت کر کے احسان

جتلانے اور تکلیف دینے سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔اللہ پاک کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا. (سورۃ البقرہ، آیت: 264)

(اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ وہ اللہ پاک پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کی بارش برسی، تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا)

(4) سخاوت کی یہ بھی شرط ہے کہ مال صرف حق داروں ہی پر خرچ کرے۔ جو شخص جان بوجھ کر اپنا صدقہ کسی غیر مستحق کو دیتا ہے وہ اپنا صدقہ ضائع کر دیتا ہے۔ صدقہ اللہ پاک کی رضا مندی اور خوشی کے لیے ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔ اپنے ذاتی مفادات کے لیے جانب داری سے کام لیتے ہوئے غیر مستحق (غیر حق دار) کو نوازنا صدقے کو ضائع کر دیتا ہے۔ سخاوت کا اصل محرک انسانیت کی ہمدردی اور دین کی سربلندی ہے اور یہی محرک نظروں کے سامنے رہنا چاہیے۔

7 سخاوت کے بارے میں اقوال

سخاوت کے بارے میں بزرگان دین سے بہت اعلیٰ اقوال منسوب ہیں، جو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

(1) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں دنیا کی دولت مل رہی ہو تو اس میں سے کچھ نہ کچھ سخاوت کرتے رہا کرو۔

(2) ایک دوسری جگہ پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سخی آدمی نے جب کسی سے اپنا حق

لینا ہوتا ہے تو اپنی سخاوت کی وجہ سے اپنے حق میں سے کچھ معاف کر دیتا ہے۔

(3) حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو انسان مانگنے پر کسی کی مدد کرتا ہے وہ سخی نہیں ہوتا بلکہ سخی وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے حقوق مانگنے اور توجہ دلانے سے پہلے ہی ادا کر دے۔ کسی کی مدد کرنے کے بعد دل میں بھی یہ خواہش نہیں رکھنی چاہیے کہ لینے والا اس کا شکریہ ادا کرے۔ یہ بات صرف اور صرف اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے، جب انسان کو اللہ تعالیٰ کے اجر اور ثواب پر پورا پورا یقین ہو۔

(4) حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو انسان سخی نہیں ہوتا، وہ زندگی میں کبھی بھی انصاف نہیں کر پاتا کیونکہ وہ اپنی کنجوسی کی وجہ سے ہمیشہ اپنے حق سے زیادہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔

(5) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے راستے میں مال خرچ کرنا سخاوت ہے۔

(6) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ موجود مال کو اللہ پاک کے راستے میں خرچ کرنے کی پوری کوشش کرنا ہی سخاوت کا کمال ہے۔

(7) حضرت حسین واعظ کاشفیؒ فرماتے ہیں کہ سخاوت نیک نامی اور دوستی کا سبب بنتی ہے۔ کوئی خوبی سخاوت سے بہتر نہیں ہے۔ انسان سخاوت سے شریف اور عبادت سے نیک بنتا ہے اور جس شخص میں یہ دونوں صفتیں (خوبیاں) نہ ہوں اس کی زندگی اور موت دونوں برابر ہیں۔

(8) حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور مال دینا سخاوت ہے۔

(9) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے نفس کا دوسروں کی چیزوں کی طرف توجہ نہ کرنا، مال کی سخاوت کرنے سے بہتر ہے۔

(10) حضرت بشر بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ سخی کو دیکھنے سے دل میں نرمی، برداشت اور درگزر کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کنجوس کو دیکھنے سے دل میں سختی آتی ہے۔

(11) حضرت ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ سخاوت یہ نہیں ہے کہ غیر ضروری چیزیں دوسروں کو دی جائیں بلکہ سخاوت تو یہ ہے کہ اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں کی مدد کی جائے۔

(12) حضرت جلال الدین دوانیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا اپنے مال کو اللہ پاک کے راستے میں بے دریغ خرچ کرنا سخاوت کہلاتا ہے۔

(13) حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ خود ضرورت مند ہونے کے باوجود دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا سخاوت اور ایثار ہے۔

8 اہل سخاوت کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے بزرگان دین کی سخاوت کے چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں بے شمار بکریاں تھیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیاں ایک جنگل بھرا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ سب بکریاں اس شخص کو عطا فرما دیں۔ جب وہ شخص اپنی قوم کے پاس گیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اتنی بخشش کرتے ہیں کہ انہیں اپنے مفلس (محتاج) ہو جانے کا بھی کچھ خیال نہیں ہوتا۔
(صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:1519)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو مسجد میں پھیلا دو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے بھی کچھ عنایت کیجیے کیونکہ مجھ پر اپنا اور فلاں رشتہ دار کا فدیہ آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لے لو اور اس نے دونوں ہاتھوں سے مال سمیٹ کر اپنے کپڑے میں رکھ لیا اور جب اس کو اٹھانے لگا تو وہ گٹھڑی نہ اٹھ سکا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کسی کو کہہ دیں کہ وہ اس کو اٹھا کر میرے سر پر رکھوا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ تو نہیں ہو سکتا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اسے اٹھانے میں میری مدد کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ بھی مناسب نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے کچھ کم کر کے اٹھانا چاہا تب بھی وہ نہ اٹھا سکا۔ وہ کم کرتا رہا کہ جب اس گٹھڑ کو وہ

اٹھا سکا تو وہ اس کو اٹھا کر لے گیا۔ یہ تمام مال اور دولت تقسیم ہونے تک حضور نبی پاک ﷺ وہاں تشریف فرما رہے جب تک ایک درہم بھی وہاں باقی رہا۔
(صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:425)

(3) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک فقیر آیا۔ آپ رضی اللہ عنہا روزہ دار تھیں۔ گھر میں ایک روٹی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی ملازمہ سے کہا کہ یہ روٹی فقیر کو دے دو۔ وہ بولی آپ رضی اللہ عنہا کے افطار کے لیے کچھ نہیں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ دیدو۔ ملازمہ نے وہ روٹی فقیر کو دے دی۔ (موطا امام مالک، ج:1، رقم الحدیث:1728)

(4) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ابولولو مجوسی نے شدید زخمی کر دیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو اپنے بیٹے سے فرمایا: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے اجازت طلب کرو کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونا چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے وہ جگہ اپنے لیے منتخب کی تھی۔ میں اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ایثار کر رہی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی اور خود بعد میں جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

(5) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اس وقت میرے پاس مال تھا۔ میں نے سوچا کہ میں آج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے برتری (فوقیت) حاصل کر کے رہوں گا۔

اس خیال سے میں اپنا آدھا مال لے کر حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے دریافت فریاما کہ اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے جواب دیا کہ اتنا ہی اور ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے پاس موجود سارا مال لے کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ان سے بھی رسول ﷺ نے دریافت فرمایا: اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کے

لیے میں اللہ پاک اور اس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ میں کبھی بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے برتری حاصل نہیں کرسکتا۔
(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1641)

(6) روایات میں آتا ہے کہ جب مسلمان مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو مسلمانوں کو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مدینہ شریف میں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا۔ اس کنوے کا مالک ایک یہودی تھا۔ جو ایک انتہائی سنگدل آدمی تھا۔ اکثر مہنگے داموں پانی بیچتا اور دوسروں کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آتا تھا۔ مسلمانوں سے اسے خاص طور پر دشمنی تھی۔ اس لیے مسلمان اس کے رویے سے خاص طور پر بہت پریشان تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ جو آدمی اس کنویں کو خرید کر وقف کردے، اللہ پاک اسے جنت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس یہودی سے کنویں کی خریداری کے لیے بات چیت شروع کی تو وہ بڑی مشکل سے کنوے کا آدھا حصہ بیچنے پر آمادہ ہوا۔ طے پایا کہ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پانی بھرنے کے حق دار ہوں گے اور دوسرے دن اس یہودی کی باری ہوگی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کیا اور اپنی باری کے دن کو تمام لوگوں کے لیے وقف کردیا کہ کوئی بھی مفت میں پانی بھر سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے جنت کی دعا فرمائی۔ چنانچہ مدینہ شریف کے تمام لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری والے دن ہی پانی جمع کرلیتے اور یہودی کی باری کے دن کوئی بھی پانی خریدنے نہ جاتا۔ آخر کار یہودی نے تنگ آکر خود ہی دوسرا حصہ بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فروخت کردیا۔ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے کنویں کا دوسرا حصہ بھی خرید کر عام لوگوں کے لیے وقف کردیا۔ (تفسیر حدیث سنن نسائی، ج:2، رقم الحدیث:1549)

(7) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ کسی نے آپ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو

آپ رضی اللہ عنہ نے پانچ ہزار پانچ سو درہم دے دیے اور فرمایا کہ کسی باربردار (وزن اٹھانے والا) کو لے آؤ جو تمہاری یہ دولت لے جائے۔ وہ سائل باربردار لے آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے سر سے اپنی چادر اتار کر اس باربردار کو معاوضہ کے طور پر دے دی اور فرمایا کہ باربردار کا کرایہ بھی میں ہی ادا کروں گا۔

(8) ایک دفعہ ایک شخص حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں ایک ضرورت مند آدمی ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ آج رات کی خوراک آپ سے چاہتا ہوں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خود اسی حالت میں تھے۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میرا رزق چلا آ رہا ہے، آ جائے تو دیتا ہوں۔ کچھ دیر بعد ایک شخص ایک ہزار دینار کی پانچ تھیلیاں لایا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہ پانچوں تھیلیاں اس ضرورت مند کو دے دیں اور ساتھ ہی معذرت کرتے ہوئے فرمایا: بھائی ہم سخت آزمائش میں مبتلا ہیں۔ ہم نے دنیا کی تمام خوشیاں چھوڑ دی ہیں اور اپنی ضروریات کم کر لی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو اتنی دیر انتظار کی زحمت دی اور اس سے زیادہ کچھ نہ دے سکا۔

(9) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا اور اس نے کہا: اے فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے چار سو درہم کی ضرورت ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً چار سو درہم گھر سے منگوا کر دے دیے اور خود رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ مجھے چاہیے تھا کہ مانگنے سے پہلے ہی اس کی ضرورت پوچھتا اور پوری کر دیتا۔ اس بات کی ضرورت ہی پیش نہ آتی کہ وہ میرے سامنے آ کر سوال کرتا اور مدد کے لیے ہاتھ پھیلاتا۔

(10) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کو بکری کا سر بطور ہدیہ دیا گیا تو اس نے کہا کہ میرا بھائی مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے۔ اس نے اسے اپنے بھائی کے پاس بھیج دیا۔ یہ ایک دوسرے کو اسی طرح بھیجتے رہے،

یہاں تک کہ وہ سات گھروں سے گھوم کر پھر واپس پہلے صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔
(کنزالعمال، ج:3، رقم الحدیث:2695)

(11) حضرت نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی۔ میں نے سارے شہر میں تلاش کی مگر کہیں سے دستیاب نہ ہوئی۔ چند روز کے بعد مچھلی ملی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے کباب تیار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے کباب تیار کر کے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھے تو آپ رضی اللہ عنہ اس قدر خوش ہوئے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی خوشی چہرے سے صاف نمایاں ہو رہی تھی۔ اتنے میں ایک مانگنے والے نے دروازے پر آ کر آواز دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ یہ کباب اس سائل کو دے دو۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے بہت کہا کہ اتنے دنوں سے آپ رضی اللہ عنہ کو مچھلی کا شوق تھا، بڑی مشکل سے دستیاب ہوئی ہے، سائل کو اور کوئی چیز دے دیتے ہیں لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جس کسی کو کوئی خواہش ہو اور وہ اس خواہش کو پا لے اور پھر اس سے اپنا ہاتھ روک کر دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دے کر وہ چیز اسے دے دے تو اللہ پاک اس کو بخش دے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد پیش کر کے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس مچھلی کی خواہش کو اپنے دل سے نکال دیا ہے اور اب اس کا کھانا میرے لیے اچھا نہیں ہے، اسے اس سائل ہی کو دے دو۔

(12) حضرت حبیب بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ یرموک میں حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں لڑنے کے لیے نکلے۔ وہ جوانمردی اور ثابت قدمی سے لڑتے رہے (اور بدن زخموں سے چور چور ہو گئے)۔ پھر حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے پینے کے لیے پانی مانگا؟ ان کے لیے پانی لایا گیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ پانی کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے پانی لانے والے سے کہا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو دے دو۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے پانی کا برتن ہاتھ میں لیا تو

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ پانی والے برتن کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پانی حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو دے دو۔ پانی پلانے والا حضرت عیاش رضی اللہ عنہ تک پہنچ نہیں پایا تھا کہ وہ اللہ پاک کو پیارے ہو گئے۔ پانی پلانے والا واپس حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی طرف پلٹا مگر وہ بھی وفات پا چکے تھے۔

(کنز العمال، ج:5، رقم الحدیث:5609)

(13) حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کبھی خود سے زیادہ کوئی سخی دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ ہم جنگل میں ایک خاتون کے ہاں ٹھہرے۔ اتنے میں اس کا شوہر بھی آ گیا۔ خاتون نے کہا کہ آپ کے پاس یہ دو مہمان آئے ہیں۔ چنانچہ وہ گیا اور ایک اونٹنی لا کر ذبح کر ڈالی اور پھر کہا کہ خوب کھاؤ۔ اگلا دن ہوا تو دوسری اونٹنی ذبح کر دی اور پھر کہا کہ کھائیے۔ اس پر ہم نے کہا کہ کل ذبح ہونے والی اونٹنی سے تو ہم نے تھوڑا سا کھایا تھا۔ اس نے کہا کہ میں اپنے مہمانوں کو پرانا کھانا نہیں کھلاتا۔ اس کے بعد ہم ان کے پاس دو تین دن تک ٹھہرے رہے، بارش بھی جاری رہی لیکن وہ ہر دن یونہی کرتا رہا۔ جب ہم نے واپسی کا رادہ کیا تو ایک سو دینار اس کے گھر میں رکھ کر اس خاتون سے کہا کہ ہماری طرف سے معذرت کر دینا اور پھر چل پڑے۔ راستے میں ہم نے ایک آدمی کو اپنے پیچھے آتے ہوئے دیکھا۔ ہم نے دیکھا تو یہ ہمارا وہی میزبان تھا۔ اس نے کہا کہ تم اپنے پیسے واپس لے لو۔ جو کچھ میں تمہیں دے چکا ہوں اگر اس کا معاوضہ (بدلہ) لوں تو یہ اپنی نیکی برباد کرنے والی بات ہے۔

(14) ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو ان کے رشتہ دار اور دوست عیادت (بیمار پرسی) کے لیے نہ آ سکے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے مقروض ہیں، اس شرمندگی کی وجہ سے نہیں آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً حکم دیا کہ اعلان کر دیا جائے سعد (رضی اللہ عنہ) کا جو بھی مقروض ہے، اسے سارا قرض معاف کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد عیادت کے آنے والوں کی قطاریں بند گئیں۔

(15) حضرت ابوالحسن بوشنجیؒ ایک مرتبہ غسل خانہ میں تھے، اسی دوران ایک شاگرد کو آواز دی کہ میری قمیض فلاں شخص کو دے دو۔ عرض کیا گیا، اتنی جلدی کیا تھی، باہر آ کر دے دیتے؟ آپؒ نے فرمایا، مجھے اپنے نفس پر بھروسہ نہیں، کیا پتا بعد میں ارادہ ہی بدل جاتا۔

(16) منبج[1] کے رہنے والوں میں سے ایک آدمی مدینہ منورہ کے رہنے والوں سے ملا اور پوچھا، تمہارا کس سے تعلق ہے؟ اس نے بتایا کہ مدینہ طیبہ سے۔ منبج والے نے کہا کہ تمہارا ایک آدمی حکم بن مطلب ہمارے پاس آیا، اس نے ہمیں غنی (دولت مند) کر دیا۔ مدنی نے پوچھا، وہ کیسے؟ وہ تو ایک جبہ لے کر تمہارے پاس گیا تھا۔ اس نے کہا کہ حکم نے ہمیں مال کے ذریعے غنی (دولت مند) نہیں کیا بلکہ ہم میں سخاوت کی عادت پیدا کر دی۔ ہم اس پر عمل کرنے لگے اور غنی (دولت مند) بن گئے۔

(17) ایثار نہ صرف انسان کے ساتھ بلکہ حیوان کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اپنی زمین میں گئے۔ وہاں ایک کھجور کے باغ میں ٹھہرے۔ آپؓ نے ایک حبشی ملازم کو دیکھا جو باغ میں کام کر رہا تھا۔ باغ میں ایک کتا داخل ہوا، اس ملازم کے قریب آیا۔ ملازم نے اس کتے کی جانب کھانے کا ایک لقمہ ڈال دیا، پھر دوسرا اور پھر تیسرا، حتیٰ کہ وہ ڈالتا رہا اور کتا کھاتا رہا اور سارا کھانا ختم ہو گیا۔ حضرت عبداللہؓ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ آپؓ نے پوچھا اے خادم! تمہاری روزانہ کتنی خوراک ہے؟ اس نے کہا: یہی جو آپؓ نے دیکھی۔ آپؓ نے فرمایا: تم نے اسے کتے کو کیوں ڈال دیا۔ ملازم نے جواب دیا کہ یہاں کتے نہیں ہوتے، شاید یہ دور دراز علاقہ سے آیا تھا۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ میں تو پیٹ بھر کر کھاؤں اور یہ بھوکا رہ جائے۔ آپؓ نے پوچھا کہ تم آج کیا کھاؤ گے؟ اس نے کہا: میں ایسے ہی گزارا کر لوں گا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا، یہ سخاوت اور ایثار کی حد ہے۔ یہ خادم تو مجھ سے بھی زیادہ سخی ہے۔

(18) حضرت ابوالحسن مدائنیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت

۱۔ ملک شام کا ایک شہر ہے جو دریائے فرات سے تقریباً 24 کلومیٹر اور حلب سے تقریباً 80 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

عبداللہ بن جعفر رضوان اللہ علیہم اجمعین حج کے لیے نکلے تو راستے میں مال بردار جانور آپ سے بچھڑ گئے۔اب انہیں بھوک اور پیاس کی شدت محسوس ہوئی۔اس دوران ان کا گزر ایک خیمہ نشین بوڑھی عورت کے پاس سے ہوا تو انہوں نے اس بوڑھی عورت سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ پینے کو ہے؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں۔پھر خیمے کے کنارے بندھی ایک لاغر بکری کی طرف اشارہ کر کے کہا: آپ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کا دودھ نکال کر پی سکتے ہیں۔آپ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی طرح کیا۔پھر بوڑھی عورت سے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ اس بکری کے سوا کچھ نہیں۔آپ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کوئی اسے ذبح کر دے تاکہ میں کھانے کا بندوبست کرسکوں۔ان میں سے ایک نے بکری ذبح کر کے اس کی کھال اتار دی۔بوڑھی عورت نے ان کے لیے کھانا تیار کیا۔تینوں نے کھایا اور دھوپ کی شدت کم ہونے تک ٹھہرے رہے۔جب جانے لگے تو بوڑھی عورت سے فرمایا: ہم قریشی لوگ ہیں حج کے لیے جا رہے ہیں۔اگر ہم صحیح سلامت واپس اپنے گھروں کو لوٹ آئے تو ہمارے پاس آنا ہم تمہارے ساتھ حسن سلوک کریں گے۔

کچھ مدت کے بعد اس بوڑھی عورت کو اپنے میاں کے ساتھ مدینہ طیبہ جانے کی ضرورت پڑی۔وہ وہاں پہنچے اور اونٹوں کی مینگنیاں بیچ کر گزارا کرنے لگے۔ایک دن وہ خاتون مدینہ منورہ کی ایک گلی سے گزری تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اسے پہچان لیا لیکن وہ عورت آپ رضی اللہ عنہ کو نہ پہچان سکی۔آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم کو بھیج کر اس خاتون کو بلوایا اور اس سے فرمایا: اے اللہ تعالیٰ کی بندی! مجھے پہچانتی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں فلاں دن تمہارے پاس مہمان تھا۔بوڑھی عورت نے کہا: میرے ماں باپ آپ رضی اللہ عنہ پر قربان ہوں، کیا آپ رضی اللہ عنہ وہی ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں۔پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دیے۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بھائی کی تقلید میں اسی قدر مال دیا۔پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خادم اس بوڑھی خاتون کو لے کر

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عطا فرمائے۔ وہ بوڑھی عورت چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار لے کے اپنے خاوند کے پاس لوٹ گئی۔

(19) حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ سخاوت میں اللہ پاک کی شان کریمی کو سامنے رکھے۔ چنانچہ اس میں اپنے اور بیگانے، مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہ کرے۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ تین دن تک کوئی مہمان نہ آیا۔ پھر ایک بوڑھے آتش پرست (آگ کی عبادت کرنے والے) کا آپ علیہ السلام کے دروازے پر سے گزر ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ جب اس نے بتایا کہ وہ ایک آتش پرست ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تو میرے ہاں مہمانی کے لائق نہیں ہے۔ اس پر اللہ پاک نے وحی فرمائی کہ اے ابراہیم (علیہ السلام)! میں تو ستر برس سے اس کی پرورش کر رہا ہوں اور تجھ سے اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ ایک وقت کی روٹی کا ایک ٹکڑا ہی اسے دے دیتے؟

(20) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عابد (عبادت کرنے والے) نے ستر سال تک اللہ پاک کی عبادت کی۔ پھر وہ ایک گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اللہ پاک نے اس کی تمام نیکیاں ضائع کر دیں۔ کچھ دنوں بعد اسے ایک ایسی بیماری لاحق ہو گئی جس کے باعث وہ چلنے پھرنے سے معذور (بے بس) ہو گیا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک شخص روٹیاں تقسیم کر رہا ہے، کوشش کر کے اس نے بھی ایک روٹی حاصل کر لی۔ ابھی اس نے روٹی کھانا شروع بھی نہ کی تھی کہ اسے ایک مسکین (غریب) نظر آیا۔ اس نے وہ روٹی اس مسکین کو دے دی اور خود بھوکا ہی رہا۔ اللہ پاک کی بارگاہ میں اس کا یہ عمل ایسا مقبول ہوا کہ اس کی مغفرت کر دی گئی اور اسے ستر سالہ عبادت کا ثواب بھی لوٹا دیا گیا۔

(21) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ایک روز کوفہ میں اپنے مکان کے باہر تشریف فرما تھے کہ ایک بدوی

(دیہات کا رہنے والا عربی) آیا اور اس نے آتے ہی آپ رضی اللہ عنہ کے والدین کے بارے میں نازیبا کلمات کہنے شروع کر دیئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے صبر اور تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بدوی سے پوچھا: اے اعرابی! کیا تجھے بھوک لگی ہے یا پیاس یا تجھے کوئی اور تکلیف پہنچی ہے؟ اس کے باوجود وہ اعرابی آپ رضی اللہ عنہ کو یہی کہتا رہا کہ تمہارے والدین ایسے ایسے تھے (نعوذ باللہ من ذلک)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ گھر سے اشرفیوں کا تھیلا لا کر اس بدوی کو دے دو۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ برادر! مجھے معاف کیجیے گا کہ گھر میں اس کے سوا کوئی مال موجود نہ تھا ورنہ وہ بھی آپ کی نذر کر دیتا۔ بدوی نے یہ سنا تو فوراً مسلمان ہو گیا۔

(22) حضرت سیدنا احمد بن ناصح المصیصیؒ فرماتے ہیں کہ ایک غریب شخص بہت عبادت کرنے والا اور زیادہ بچوں والا تھا۔ گھر کا خرچ اس طرح چلتا تھا کہ گھر والے اون کی رسیاں بناتے اور وہ انہیں بیچ کر کھانے پینے کا سامان خرید لاتا۔ جتنا مل جاتا اسی کو کھا کر اللہ پاک کا شکر ادا کرتے۔

ایک مرتبہ وہ نیک شخص اون کی رسیاں بیچنے بازار گیا۔ جب رسیاں بک گئیں تو وہ گھر والوں کے لیے کھانے کا سامان خریدنے لگا۔ اتنے میں اس کا ایک دوست اس کے پاس آیا اور کہا کہ میں سخت ضرورت مند ہوں، مجھے کچھ رقم دے دو۔ اس رحم دل عبادت گزار شخص نے وہ ساری رقم اس غریب ضرورت مند مانگنے والے کو دے دی اور خود خالی ہاتھ گھر لوٹ آیا۔

جب گھر والوں نے پوچھا کہ کھانا کہاں ہے تو اس نے جواب دیا، مجھ سے ایک ضرورت مند نے سوال کیا وہ ہم سے زیادہ محتاج تھا لہٰذا میں نے وہ ساری رقم اس کو دے دی۔ گھر والوں نے کہا کہ اب ہم کیا کھائیں گے ہمارے پاس تو گھر میں کچھ بھی نہیں۔ اس نیک شخص نے گھر میں نظر دوڑائی تو اسے ایک ٹوٹا ہوا پیالہ اور گھڑا نظر آیا۔ اس نے وہ دونوں چیزیں لیں اور بازار کی طرف چل دیا کہ انہیں بیچ کر کچھ کھانے پینے کا بندوبست کیا جا سکے۔ وہ بازار پہنچا لیکن کسی نے بھی اس سے وہ ٹوٹا ہوا پیالہ اور گھڑا نہ خریدا۔ اتنے میں ایک شخص گزرا جس کے پاس ایک پرانی مچھلی تھی۔ مچھلی والے نے کہا، تو میرا خراب مال اپنے خراب مال کے بدلے خرید لے۔

پس اس نیک دل آدمی نے وہ مچھلی اس ٹوٹے ہوئے پیالے کے بدلے خرید لی۔
جب گھر والوں نے اس پرانی مچھلی کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم اس بے کار مچھلی کا کیا کریں گے؟ اس عابد شخص نے کہا کہ تم اسے ہی بھون لو، ہم اسے ہی کھالیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ مجھے رزق ضرور عطا کرے گا۔ گھر والوں نے جب مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو اس کے اندر سے ایک نہایت قیمتی موتی نکلا۔ گھر والوں نے عابد کو خبر دی۔ اس نے کہا کہ دیکھو اس موتی میں سوراخ ہے یا نہیں۔ اگر سوراخ ہے تو یہ کسی کا استعمال شدہ موتی ہے اور ہمارے پاس امانت ہے۔ اگر اس میں سوراخ نہیں تو پھر یہ رزق ہے جسے اللہ پاک نے ہمارے لیے بھیجا ہے۔
جب موتی کو دیکھا گیا تو اس میں سوراخ نہیں تھا۔ ان سب نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔
اگلی صبح وہ عابد شخص اس موتی کو لے کر جوہری (سنار) کے پاس گیا اور اس موتی کو ستر ہزار درہم کے بدلے میں بیچ دیا۔ جب وہ عابد رقم لے کر واپس گھر پہنچا تو ایک مانگنے والا آیا اور اس نے کچھ مال کا سوال کیا؟ تو اس نیک شخص نے کہا کہ ہم بھی کل تک تمہاری طرح محتاج اور غریب تھے۔ یہ لو تم اس میں سے آدھا مال لے جاؤ۔ پھر اس نے مال تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر اس مانگنے والے نے کہا کہ اللہ پاک تمہیں برکتیں عطا فرمائے۔ میں تو اللہ پاک کا ایک فرشتہ ہوں۔ مجھے تمہاری آزمائش کے لیے بھیجا گیا تھا۔

11

مقام ذکر

1 ذکر کا مفہوم

(1) ذکر کے لغوی معانی زبان سے یاد کرنا ہے۔ اصطلاحی معنی میں ذکر سے مراد اللہ پاک کی یاد، تسبیح اور اس سے دعا کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں ہر وہ بات جس سے اللہ پاک کی یاد آئے ذکر کہلاتی ہے۔ صوفیائے کرامؒ کے مطابق ذکر یہ ہے کہ سالک اللہ پاک کی یاد میں اس قدر کھو جائے کہ غیر اللہ کو بھول جائے۔ اسی یاد سے دل خدا کا قرب اور معیت حاصل کرے۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے: جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:2، رقم الحدیث:805) پوری توجہ سے یاد الٰہی میں اس طرح منہمک ہو جانا کہ اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو جائے، حقیقی ذکر ہے۔ اسے قلب کا جاری ہونا بھی کہا جاتا ہے۔

(2) ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ یہ عبادات دین اسلام میں سے ایک عبادت ہے۔ ذکر اللہ پاک کے پاک ناموں کی تکرار، آیات قرآنی یا کتب وحدیث میں مذکور دعاؤں کے باآواز بلند یا آہستہ پڑھنے کو کہا جاتا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو میرے متعلق وہ رکھتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:2303)

(3) ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ دل ہمیشہ ذکر میں مشغول ہو، ذکر اور حقیقت ذکر میں مقام کی انتہا یہی ہے۔ اگرچہ زبان دوسری چیز کی طرف مشغول ہو لیکن دل ذکر کے غلبے سے مغلوب ہو کر منہمک ومشغول رہے۔ جب دل ذکر کرتا ہے تو کان اسے سنتا ہے اس حال میں دل، زبان ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات سالک اپنے قلب کے ذکر کو اپنے کانوں سے اس قدر شدت سے سنتا ہے کہ اسے خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ میرے دل کے ذکر کو دوسرے بھی سنتے ہیں۔ اس حال میں بعض اوقات سالک اپنی حالت کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنے کی خاطر عوام سے کنارہ کشی کر لیتا ہے۔

(4) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر متعدد اذکار کو جمع فرمایا ہے۔ دراصل ہر ذکر میں ایک راز ہوتا ہے جو دوسرے میں نہیں ہوتا۔ اس لیے کوئی ایک ذکر کافی نہیں ہوتا۔ مسلسل ایک ہی ذکر کرتے رہنا عام طور پر محض آواز ہو کر رہ جاتا ہے۔ ذکر کی تبدیلی راہ سلوک میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یوں تو بہت سے اذکار ہیں، لیکن اہم اذکار جو بتائے گئے ہیں، دس ہیں: تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر، فوائد طلبی اور پناہ مانگنا، اظہار فروتنی اور نیاز مندی، توکل، استغفار، اللہ پاک کے ناموں سے برکت حاصل کرنا اور درود وسلام پڑھنا۔

(5) ذکر کا مقصد سالک کو نفس امارہ کی غلامی سے نکال کر مالک حقیقی کا بندہ بنانا ہے۔ اس لیے اس میں ترتیب کے ساتھ بندے کو نفس کی غلامی سے نکالنے اور اس کو حق کے پاس لے جانے کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ذکر کے چار مرحلے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک اول مرحلہ نفی و اثبات: لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ، دوسرا اثبات: اِلاَّ اللہ، تیسرا: اللہ اور چوتھا مرحلہ: **ھو!** ہے۔ پہلے کو ناسوتی، دوسرے کو ملکوتی تیسرے کو جبروتی اور چوتھے کو لاہوتی ذکر کہتے ہیں۔

(6) صوفیا کرام نے ذکر کو کئی قسموں میں تقسیم کیا ہے:

(i) ذکر ناسوتی، لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ ہے۔ اس میں ناسوتی امور، شہوات ولذات وخواہشات جو عالم دنیا سے متعلق ہیں اور نفس کو خود میں مشغول رکھتے ہیں، سے نفی ہے۔ اس سے نکل جانا اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہونا ہے۔ لَآ اِلٰہَ کی تلوار سے غیر اللہ کو فنا کرنا اور اِلاَّ اللہ کی ضرب سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا حاصل کرنا ہے۔

(ii) ذکر ملکوتی، اِلاَّ اللہ ہے۔ اس حقیقت کا ادراک حاصل کرنا ہے کہ ہم تو صرف اللہ پاک کے لیے ہیں جیسا کہ فرشتے صرف اللہ تعالیٰ کے امر کے مطابق سب کچھ کرتے ہیں اور ان کا کسی اور طرف دھیان ہی نہیں ہوتا۔ اس طرح ہمارا بھی دھیان صرف اللہ پاک کی طرف ہو اور غیر اللہ کی طرف التفات کا شائبہ بھی نہ ہو حتیٰ کہ اس کی نفی کی طرف بھی خیال نہ ہو۔

(iii) ذکر جبروتی، اللہ ہے۔ اس سے مراد اللہ پاک کی ذات اور اس کی صفات عظمت و احسان و

رحمت وشفقت وغیرہ کا مراقبہ ہے جس میں حق کا ادراک ایسا ہو کہ ہر دم اس ادراک میں ترقی ہو اور قلب وذہن اس میں مشغول ہو۔

(iv) ذکرلاہوتی، ھو ہے۔ذات الٰہی کی طرف ایسی توجہ کہ صفات کی طرف دھیان بھی نہ ہو۔

2 ذکر قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر کو بیان فرمایا ہے، ان میں سے چند آیات یہ ہیں:

(1) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ.

(سورۃ الرعد، آیت:28)

(وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دلوں کو اللہ پاک کے ذکر سے اطمینان ملتا ہے۔خبردار! اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان کے دلوں کو اللہ پاک کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ دلوں کا اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر میں پنہاں ہے۔اس کے علاوہ کسی شے میں بھی دل کا سکون نہیں ہے۔

(2) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا. (سورۃ احزاب، آیت:41)

(اے ایمان والو! اللہ پاک کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو)

اس آیت پاک میں ایمان والوں کو خاص نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرو اور ذکر کرتے رہو۔

(3) فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ. (سورۃ البقرہ، آیت:152)

(تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو)

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ سالکین حق چار کام کرتے ہیں:

(i) اللہ پاک کی یاد ان کو نصیب ہوتی ہے۔

(ii) اللہ پاک کا ذکر کرتے ہیں۔

(iii) وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں۔

(iv) ناشکری سے بچتے ہیں۔

(4) وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا.

(سورۃ الاحزاب، آیت:35)

(اور اللہ پاک کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے)

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے کثرت سے اپنا ذکر کرنے والوں کے لیے اپنی بے پایاں مغفرت کا اعلان کیا ہے اور اس کے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو اس کے علاوہ میں بہت زیادہ اجر دوں گا۔

(5) اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ. (سورۃ آل عمران، آیت:191)

(جو لوگ اللہ پاک کا ذکر کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں)

اس آیت میں ایسے ذاکرین کی توصیف فرمائی گئی ہے جو کھڑے، بیٹھے، چلتے پھرتے غرض کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ سالک ہر حالت میں اللہ پاک کا ذکر کرتا ہے اور کوئی بھی حالت اس کو ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔

(6) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا. (سورۃ المزمل، آیت:8)

(اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور سب سے الگ ہو کر پورے کے پورے اسی کے ہو رہو)

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک کے ذکر کے اصل ادب کی تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسی شے ہے کہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کے لیے دنیا کی سب چیزوں اور رشتوں سے الگ تھلگ ہو کر صرف اور صرف اس کا ذکر کیا جائے۔ یہ اس ذات کا حق ہے۔

(7) وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (سورۃ الانفال، آیت:45)

(اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاو)

کثرت ذکر دنیا وآخرت میں فلاح وکامیابی کی ضمانت ہے۔انسان کی کوشش وخواہش کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسے فائدہ ہو۔سب سے بڑا فائدہ دین ودنیا کی فلاح اور کامیابی ہے۔اس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ذکر الٰہی ہی دینی ودنیاوی فلاح کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

(8) وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ. (سورۃ العنکبوت، آیت:45)

(اور اللہ پاک کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے)

دنیا میں کرنے کے ہزاروں لاکھوں کام ہیں۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کاموں میں سب سے اہم اور بڑی شے اللہ پاک کا ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس اعلان سے زیادہ قطعی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

(9) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (سورۃ النور، آیت:37)

(ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ پاک کے ذکر سے غافل نہیں کرتی)

- اس آیت میں جوارح کا ذکر فرمایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیاروں کو حاصل ہوتا ہے۔وہ زندگی میں بھرپور حصہ لیتے ہیں لیکن کام کاج میں مصروفیت کے باوجود بھی ان کا دھیان اپنے مالک کی طرف رہتا ہے۔کام انہیں اللہ پاک کے ذکر سے غافل نہیں کرتا۔

(10) وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ.

(سورۃ الزخرف، آیت:36)

(اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت برتتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی ہو جاتا ہے)

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت برتتے ہیں ان پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے۔یہ شیطان ان کا ساتھی بن جاتا ہے۔انسان اپنے ساتھی کے دین پر ہوتا ہے اور اپنے ساتھی سے پہچانا جاتا ہے۔شیطان کا ساتھ وہ سب سے بری چیز ہے جو کسی انسان کو میسر آسکتی ہے۔انسان کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس پر شر غالب آ

جائے اور رحمان اس سے دور ہو جائے۔

شیطان کے قرب سے اللہ تعالیٰ سے دوری، شر کا غلبہ اور نیکی سے محرومی لازمی ہے۔ شیطان سے قربت کے سبب انسان میں شیطانی صفات آ جاتی ہیں۔ ملکوتی صفات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ انسان ذکر الٰہی نہ کرے تو وہ مقام انسانیت سے گر کر مقام شیطانیت پر اتر آتا ہے جس سے بدتر اور کوئی مقام نہیں۔

(11) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (سورۃ الانفال، آیت: 2)

(مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں)

اس آیت مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایمان والوں کے سامنے اللہ پاک کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کا ایمان (کیفیت کے اعتبار سے) بڑھ جاتا ہے۔ انوار و برکات سے ان کے باطن میں نور یقین زیادہ ہو جاتا ہے۔ ظاہر میں اطاعت اور اعمال صالحہ کی زیادتی ہو جاتی ہے۔

جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ایمان والوں کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دلوں پر اللہ کی عظمت ایسی چھائی ہوئی ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ہیبت اور خوف کی وجہ سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ مومن بندہ کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رہتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے۔ اللہ پاک کی یاد سے اس کے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جب اس کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کی وجہ سے اس کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے۔ اسی خوف کے باعث جب وہ کسی پر ظلم یا گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر تو وہ رک جاتا ہے اور گناہ نہیں کرتا۔

3 ذکر احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

حضور نبی کریم ﷺ نے بار بار ذکر الٰہی کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے چند احادیث مبارکہ یہ ہیں:

(1) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: "أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:2303)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو میرے متعلق وہ رکھتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں)

(2) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ، قَالَ: فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ: فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ مَا يَقُولُ عِبَادِي؟ قَالُوا: يَقُولُونَ يُسَبِّحُونَكَ، وَيُكَبِّرُونَكَ، وَيَحْمَدُونَكَ، وَيُمَجِّدُونَكَ، قَالَ: فَيَقُولُ: هَلْ رَأَوْنِي؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: لَا وَاللَّهِ مَا رَأَوْكَ، قَالَ: فَيَقُولُ: وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً، وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا، وَتَحْمِيدًا، وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا، قَالَ: يَقُولُ: فَمَا يَسْأَلُونِّي؟ قَالَ: يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ، قَالَ: يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَا، وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا، قَالَ: يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً، قَالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: مِنَ

النَّارِ، قَالَ: يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَا، وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا، قَالَ: يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا، وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً، قَالَ: فَيَقُولُ: فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، قَالَ: يَقُولُ: مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ: فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ، قَالَ: هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1357)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے چند فرشتے ہیں جو راستوں میں گھومتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈتے ہیں۔ جب وہ کسی قوم کو ذکر الٰہی میں مشغول پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکار کر کہتے ہیں: اپنی ضرورت کی طرف آؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ فرشتے ان کو اپنے پروں سے ڈھک لیتے ہیں اور آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کا رب پوچھتا ہے کہ میرے بندے کیا کر رہے ہیں؟ حالانکہ وہ ان کو فرشتوں سے زیادہ جانتا ہے۔ فرشتے جواب دیتے ہیں وہ تیری تسبیح و تکبیر اور حمد اور بڑائی بیان کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ فرماتا ہے: کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: اللہ کی قسم! انہوں نے تجھے نہیں دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟ فرشتے کہتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو تیری بہت زیادہ عبادت کرتے اور بہت زیادہ بڑائی یا پاکی بیان کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے: وہ مجھ سے کیا مانگتے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں وہ تجھ سے جنت مانگ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے: کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: اللہ کی قسم! انہوں نے جنت نہیں دیکھی۔ اللہ پاک فرماتا ہے: اگر وہ جنت دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کے بہت زیادہ حریص ہوتے، بہت زیادہ طالب ہوتے اور اس کی طرف ان کی رغبت بہت زیادہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کس چیز سے وہ پناہ مانگ رہے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں: جہنم سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے:

انہوں نے اس کو دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ کی قسم! انہوں نے اسے نہیں دیکھا؟ اللہ پاک فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس سے بہت زیادہ بھاگتے اور بہت زیادہ ڈرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ ان میں فلاں شخص ان (ذکر کرنے والوں) میں نہیں تھا بلکہ وہ تو کسی ضرورت کے لیے آیا تھا؟ اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا)

(3) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا "، قَالُوا: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ ؟ قَالَ: " حِلَقُ الذِّكْرِ ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1465)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم جنت کے باغوں پر سے گزرو تو وہاں چرا کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذکر کی مجلسیں)

(4) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ: أَيُّ الْعِبَادِ أَفْضَلُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ قَالَ: "الذَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتُ ". قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمِنَ الْغَازِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ ؟ قَالَ: "لَوْ ضَرَبَ بِسَيْفِهِ فِي الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِينَ حَتَّى يَنْكَسِرَ وَيَخْتَضِبَ دَمًا لَكَانَ الذَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا أَفْضَلَ مِنْهُ دَرَجَةً ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1328)

(حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ قیامت کے دن اللہ پاک کے نزدیک درجہ کے لحاظ سے کون سے بندے سب سے افضل اور سب سے اونچے مرتبہ والے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی عورتیں۔ میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا وہ اللہ پاک کے راستے میں جہاد کرنے والوں سے بھی افضل ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر غازی اپنی تلوار سے کفار اور مشرکین کو قتل کرے، یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور خون آلود ہو جائے، تب بھی اللہ پاک کا ذکر کرنے والوں کا درجہ اس (غازی) سے افضل ہے)

(5) عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَنْ أَفْضَلِ الْإِيمَانِ؟ قَالَ: "أَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللّٰهِ".

(مسند احمد، ج:9، رقم الحدیث:2187)

(حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: سب سے افضل ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور نفرت کرو اور اپنی زبان کو ذکر الٰہی میں مصروف رکھو)

(6) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ فِيهِ، إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَتَغَشَّتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَتَنَزَّلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:671)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو قوم بھی کسی مجلس میں یاد الٰہی میں مشغول ہو، فرشتے اسے گھیر لیتے ہیں۔ رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ (تسلی اور طمانیت قلب) اترتی ہے اور اللہ پاک اپنے پاس والوں مقرب (فرشتوں) میں انکا ذکر فرماتا ہے)

(7) وعن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم، أنہ کان یقول: " لکل شیء صقالۃ وصقالۃ القلوب ذکر اللہ وما من شیء أنجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ ". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:2، رقم الحدیث:806)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر چیز

کے لیے صفائی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ پاک کا ذکر ہے اور ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ذکر الٰہی کے برابر اللہ کے عذاب سے نجات دلائے)

(8) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ، وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ فَاجْتَمَعَا عَلَى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ". (سنن الکبریٰ للبیہقی، ج:9، رقم الحدیث:6316)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا (قیامت کے دن) اللہ پاک سات آدمیوں کو اپنا سایہ نصیب فرمائے گا:

(i) انصاف کرنے والا حکمران۔

(ii) وہ نوجوان جو جوانی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔

(iii) وہ بندہ جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ مسجد میں واپس آ جاتا ہے۔

(iv) دو آدمی جو اللہ پاک کی خاطر آپس میں اکٹھے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں۔

(v) تنہائی میں اللہ کا ذکر کر کے رونے والا۔

(vi) وہ آدمی جس کو اعلیٰ نسب والی خوبصورت عورت برائی کی دعوت دے تو وہ کہہ دے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

(vii) چھپا کر صدقہ کرنے والا، یعنی دائیں ہاتھ سے صدقہ کرے تو بائیں کو پتہ بھی نہ چلے۔

(9) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَنْبَسَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَّذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ". (مشکوٰۃ المصابیح، ج:1، رقم الحدیث:1204)

(حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پروردگار اپنے بندے سے سب سے زیادہ قریب، رات کے آخری حصے میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تم طاقت رکھتے ہو تو ضرور اس مبارک وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ)

(10) عن معاذ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قال: ان قلت: یا رسول الله صلی الله علیه وسلم، أي العمل خير وأقرب إلى الله؟ قال: "أن تمسي وتصبح ولسانك رطب من ذكر الله عز وجل". (کنز العمال، ج:1، رقم الحدیث:3921)

(حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون سا عمل بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ترین ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کہ تم صبح وشام اپنی زبان کو اللہ پاک کے ذکر میں تر رکھو)

(11) وَآمُرُكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللّٰهَ، فَإِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِي أَثَرِهِ سِرَاعًا حَتّٰى إِذَا أَتَى عَلَى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ، كَذٰلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ. (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:788)

(حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تلقین کرتا ہوں۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے دشمن اس کے تعاقب میں ہوں اور وہ بھاگ کر ایک قلعے میں گھس جائے اور ان لوگوں سے اپنی جان بچا لے۔ اسی طرح کوئی بندہ خود کو شیطان سے اللہ پاک کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے نہیں بچا سکتا)

4 آداب ذکر

علمائے کرامؒ اور صوفیائے عظام نے ذکر کے بہت سے آداب بتائے ہیں:

(1) ذکر شروع کرنے سے پہلے کے آداب:

(i) ذکر کرنے سے پہلے توبہ کرنا: توبہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو چیز اللہ پاک کے قرب سے دور کرے، اس سے انسان دور ہو جائے، چاہے وہ اخلاق فاسدہ ہوں یا عقائد باطلہ۔

(ii) ذکر سے پہلے طہارت، غسل، وضو یا تیمم کرنا: ذکر بغیر وضو غسل کے بھی جائز ہے اور اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے مگر طہارت سے جو نورانیت اور قرب ہوتا ہے وہ عدم طہارت میں نہیں ہوتا۔ طہارت سے انسان نفسیاتی طور پر ایک مناسب ماحول بنا تا ہے۔

(iii) آرام وخاموشی: ذکر سے کچھ وقت پہلے خاموشی اختیار کرنا تا کہ دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ پھر زبان یا دل سے ذکر شروع کرنا۔

(iv) رابطہ قائم کرنا: سالک یہ رابطہ قائم کرے کہ اللہ پاک سے فیض اور رحمت بواسطہ حضور نبی کریم ﷺ میرے شیخ ومرشد کے قلب سے میرے قلب یا جسم پر وارد ہو رہی ہے۔ اس تصور کو رابطہ کہتے ہیں۔ یا پھر یہ تصور کرے کہ عرش سے انوار، رحمت، تجلی اور فیض میرے قلب یا روح پر آ رہا ہے۔ حضور نبی پاک ﷺ اور مشائخ کرامؒ کو واسطہ ہیں۔ یہ ادب صرف تصوف کے سلاسل میں ہے اور عام مسلمان کے لیے لازم نہیں ہے۔

(2) وہ آداب جنہیں ذکر کے وقت بجالانا چاہیے یہ ہیں:

(v) جگہ پاک ہو، بہتر ہے کہ جیسے التحیات پڑھنے میں بیٹھا جاتا ہے ویسے بیٹھے یا جس طرح آسانی ہو بیٹھے۔

(vi) مجلس ذکر کو خوشبو سے معطر کرے، اس لیے کہ مجالس ذکر میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور خوشبو انسان پر بہتر نفسی کیفیات طاری کرتی ہے۔

(vii) حسب استطاعت اچھے کپڑے پہنے۔ کم از کم پاک وصاف ضرور ہوں۔

(viii) اندھیرے مکان میں قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھے تو بہتر ہے۔ اس میں خلوت بھی ہے اور

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ (سورۃ المزمل، آیت:8)

(اور اپنے پروردگار! کے نام کا ذکر کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے بنے رہو)

پر عمل بھی ہو جائے گا۔

(ix) آنکھ کو بند کرے تا کہ دل کی آنکھ کھل جائے مگر نماز میں ایسا نہ کیا جائے کیونکہ اس میں آنکھیں

بند کرنا خلاف سنت ہے۔

(x) ذکر کے معنی کو دل میں جا گزیں کرے۔ معنی کا تصور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سبحان اللہ میں تنزیہہ، الحمد للہ میں اللہ تعالیٰ کے کمالات احسانیہ اور اللہ اکبر میں اللہ پاک کی عظمت کا تصور کرے۔ نماز میں اللہ پاک کے سامنے پیشی کا تصور کرے۔ جس ذکر کے معنی معلوم نہ ہوں تو اپنے شیخ و مرشد سے پوچھے اور اس معنی کے استحضار میں صدق کا پورا پورا لحاظ رکھے۔ یہ دیکھے کہ الحمد للہ کے معنی میں خود کو شاکر پاتا ہے یا نہیں؟ اللہ اکبر میں اللہ پاک کی عظمت کا تصور کرنے میں اللہ پاک کی ہیبت و جلال روح و جسم میں وارد ہوئی ہیں یا نہیں؟ یہی اس ذکر کے مصداق ہیں۔ خود کو صادق بنانے کی کوشش کرے۔

(xi) ذکر کو ہر آلائش سے پاک کرے۔ اللہ پاک کی رضا کے لیے ہی ذکر کرے۔ کوئی دوسری نیت، انوار حاصل کرنا، استغراق، عارف یا ذاکر کہلوانا نہ ہو۔ صدق و اخلاص کے آداب کے سلسلے میں قلب میں جو کچھ آئے، اس کو اپنے شیخ (استاد) سے پوچھے۔ اس لیے کہ ان کی رہنمائی ضروری ہے۔

(xii) ذاکر عبد ہے اور ذکر سے عبدیت کا حق ادا کر رہا ہے۔ سوائے رضائے معبود کے کوئی غرض نہ رکھے۔ ذکر کا فائدہ نظر آئے یا نہ آئے، ذکر نہ چھوڑے۔

(3) ذکر کے بعد کے آداب:

(xiii) جب ذکر ختم کرے تو تھوڑی دیر ذکر کی کیفیت اور توجہ الیٰ اللہ کا مراقبہ قائم رکھے اور منتظر بیٹھے۔

(xiv) کوئی چیز نہ کھائے، نہ پیے۔

(xv) جو کیفیت، مراقبہ، ذکر یا خواب میں نظر آئے، اس کو اپنے مرشد یا دانش مند عالم کے علاوہ کسی پر ظاہر نہ کرے۔

(xvi) ذکر ختم کرنے کے بعد ذکر کی کیفیت و حالت کی حفاظت میں ہمت سے کام لے ایسا نہ ہو کہ یہ گوہر ضائع ہو جائے۔

5 ذکر کی اقسام

ذکر کی اقسام تین ہیں:

(1) **لسانی ذکر:** لسانی ذکر سے مراد وہ ذکر ہے جو زبان سے کیا جائے۔ اس ذکر میں تسبیح و تقدیس ثنا و تعریف، ذکر و اذکار اور درود و استغفار داخل ہیں۔ ذکر لسانی کی دس اقسام ہیں:

(i) **تسبیح:** یہ اللہ تعالیٰ کا بلند ترین ذکر ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ. (سورۃ بنی اسرائیل، آیت: 44)

(ساتوں آسمان اور زمین اور ان کی ساری مخلوقات اس کی پاکی بیان کرتی ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور اور فہم و فراست عطا کر کے اسے قانون الٰہی کا پابند بنایا ہے۔ اس لیے اس پر لازم ہے کہ نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرے۔ تسبیحات قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھی جاتی ہیں۔

(ii) **تحمید:** ذکر کی ایک قسم تحمید ہے۔ بندہ اپنے رب تعالیٰ کی تعریف بیان کرے اور الحمدللہ کہے۔ تمام داخلی اور خارجی انعامات کو وجود دینے والا وہی ہے۔ تحمید کے کئی طریقے ہیں اور یہ نماز میں بھی کی جاتی ہے۔

(iii) **تکبیر:** تکبیر بھی ذکر ہے جس کے ذریعے اللہ کی بڑائی اور عظمت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ جب کوئی اہم کام انجام دیا جائے تو اپنی کمزوری کے پیش نظر زبان سے اللہ اکبر کہا جائے۔ اس کے سوا کسی کے لیے بڑائی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ. (سورۃ المدثر، آیت: 3)

(اور اپنے رب کی تکبیر کہو)

(iv) **تہلیل:** لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر تہلیل کہلاتا ہے۔ اس کے ذریعے شرک کی نفی اور خدا تعالیٰ کی

الوہیت کو ثابت کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا کوئی خالق، مالک اور مربی نہیں، وہ ذات وحدہ لاشریک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ تہلیل کے بارے میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ"۔ (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث: 1335) افضل ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا ہے۔

(v) حوقلہ: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ بھی ذکر کی ایک قسم ہے یہ تفویض اور توحید کا کلمہ ہے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد (دیکھیے مسند احمد، ج: 4، رقم الحدیث: 1251) کے مطابق عرش الٰہی کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ اس کے ذریعے انسان خدا تعالیٰ کے سامنے اقرار کرتا ہے کہ برائیوں سے باز رہنے اور نیکی کو انجام دینے کا عمل محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے ممکن ہوتا ہے۔

(vi) حسبلہ: ذکر کی ایک قسم حسبلہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے مفرد کلمہ حسبی اللہ اور جمع کا کلمہ حَسْبُنَا اللّٰهُ ہے۔ ہر مشکل وقت میں اس کلمہ کا ورد خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے۔ احد کے موقع پر جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سخت دشواری پیش آئی تو انھوں نے یہی کلمات ادا فرمائے: وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (سورۃ آل عمران، آیت: 173) وہ بول اٹھے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ دوسری جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ (سورۃ توبہ، آیت: 129)

(اگر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کا انکار کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیں کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی الہ نہیں اور میرا اسی پر بھروسہ ہے اور وہ عرش عظیم کا رب ہے)

(vii) بسملہ: بسملہ بھی ذکر لسانی کی ایک قسم ہے۔ ہمیں ہر کار خیر کی ابتداء بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیۡمِ سے کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا ۔ (سورۃ المزمل، آیت:8)

(اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور سب سے الگ ہو کر پورے کے پورے اسی کے ہو رہو)

غار حرا میں سب سے پہلی وحی کا نزول بھی اسی طرح ہوا:

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۔ (سورۃ العلق، آیت:1)

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پروردگار کا نام لے کر پڑھیں جس نے پیدا کیا)

ہر اچھے کام کی ابتدا اللہ پاک کے ذکر بسم اللہ سے کرنی چاہیے۔

(viii) **استعانت:** اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا بھی ذکر میں شامل ہے۔ہم ہر نماز میں کہتے ہیں: اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۔ (سورۃ الفاتحہ، آیت:5) اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

(ix) **تبارک:** اللہ کا ذکر لفظ تبارک کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے۔جیسا کہ

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ ۫ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ۔ (سورۃ الملک، آیت:1)

(بڑی شان ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے)

جب بھی کوئی اچھی چیز دیکھی جائے تو بارک اللہ کہنا چاہیے۔یعنی اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔

(x) **تعوذ:** اعوذ باللہ کہنا بھی لسانی ذکر میں شامل ہے۔اس کے لیے قرآن پاک اور احادیث میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۔ (سورۃ النحل، آیت:98)

(2) **قلبی ذکر:** ذکر کی دوسری قسم دل میں اللہ پاک کو یاد کرنا ہے۔اس ذکر میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی حکمت و قدرت میں غور و فکر کرنا اور اس کی نعمتوں کو یاد کرنا شامل ہے۔اسے ذکر خفی اور ذکر دوامی بھی کہا جاتا ہے۔قرآن پاک اور احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر قلبی، ذکر لسانی سے افضل ہے۔حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر

میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے۔ لوگ بلند آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو، کیونکہ نہ تو کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ کسی غائب کو اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے بیشک وہ سنتا ہے اور بلاشبہ وہ تم سے قریب ہے۔ (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:259) یہ الگ بات ہے کہ اللہ پاک کسی سالک پر خصوصی فضل فرماتے ہوئے اسے ہر وقت لسانی ذکر کی توفیق دے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی ذکر میں مشغول رہے۔ حتیٰ کہ اگر اس کی زبان خاموش ہو پھر بھی دل یادِ الٰہی میں مشغول رہے، اس کو ذکر کثیر کہتے ہیں۔

(3) **جوارحی ذکر:** ذکر کی تیسری قسم اپنے بدن کے تمام اعضا سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ ذکر کی اس قسم میں جسم کے تمام اعضا و جوارح کو اللہ پاک کی عبادت اور اطاعت میں مشغول رکھا جاتا ہے۔ نماز اور تلاوت اس کی مثالیں ہیں۔

6 ذاکرین کی اقسام

انسان جس سے محبت کرتا ہے، اسے ہر وقت یاد کرتا رہتا ہے۔ محبت الٰہی میں یہی حال سالکین کا ہوتا ہے۔ بعض صوفیائے کرامؒ نے محبت کے چار مقامات بیان کیے ہیں: میل[1]، ارادت، محبت اور عشق۔ اسی اعتبار سے ذاکرین کی بھی چار قسمیں ہیں:

(1) مقامِ میل میں ذاکر کی زبان پر ذکرِ حق ہوتا ہے لیکن دل دنیاداری میں لگا ہوا ہوتا ہے۔

(2) ارادت میں ذاکر تکلف سے غائب دل کو حاضر کر لیتا ہے۔

(3) مقامِ محبت میں ذکر دل پر غالب ہو جاتا ہے اور بلا تکلف دل سے ذکر جاری رہتا ہے۔

(4) مقامِ عشق میں مذکور (جس کا ذکر کیا جاتا ہے اللہ پاک) ذاکر کے دل پر غالب ہو جاتا ہے۔ عشق کسی کی شرکت برداشت نہیں کرتا، اس لیے دل کو محبوب کے خیال کے علاوہ ہر شے سے خالی کر دیتا ہے۔

---

[1] شعور و آگاہی کے ساتھ اپنے اصل کی طرف رجوع کرنا۔

7 تلاوت قرآن پاک

ذکر اللہ میں قرآن مجید کی تلاوت، اللہ پاک کا بہترین ذکر ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سب سے بہترین لوگ وہ ہیں تلاوت قرآن پاک جن کا مشغلہ ہے۔ (کنز العمال، ج:1، رقم الحدیث:812)

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ. (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:19)

(حضرت عثمان غنی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن پاک سیکھے اور اسے سیکھائے)

8 اہم اذکار

احادیث سے کچھ اذکار کی بہت اہمیت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ

(1) جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ".

(سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:680)

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا افضل ترین ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے اور افضل ترین دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے)

(2) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1355)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو کلمے جو زبان پر ہلکے ہیں ترازو میں بہت بھاری اور رحمان کو عزیز ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ)

(3) قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَالَ: أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا

هُوَ الْحَيَّ الْقَيُّومَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ، غُفِرَ لَهُ وَإِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ".
(سنن ابوداؤد، ج:1، رقم الحدیث:1513)

(حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيَّ الْقَيُّومَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ. کہے تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ اس نے کفار کے مقابلہ سے بھاگنے کے گناہ عظیم کا ارتکاب ہی کیوں نہ کیا ہو)

(4) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَا عَلَى الْأَرْضِ أَحَدٌ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ إِلَّا كُفِّرَتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1414)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: زمین پر جو کوئی بندہ کہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ. تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اگر چہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں)

(5) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَقِيتُ إِبْرَاهِيمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَقْرِئْ أُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ، وَأَنَّهَا قِيعَانٌ، وَأَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ ". (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1416)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: معراج کی رات میری حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا: اپنی امت کو میرا سلام پہنچا دیجیے اور ان سے کہہ دیجیے کہ جنت کی مٹی بہت اچھی ہے۔ اس کا پانی میٹھا ہے اور وہ ہموار میدان ہے۔ اس کے درخت سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ ہیں)

(6) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، " مَنْ سَبَّحَ اللَّهَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَحَمِدَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَكَبَّرَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَتِلْكَ

تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ، وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ ".
(صحیح مسلم، ج:1، رقم الحدیث:1347)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے ہر نماز کے بعد 33 مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ، 33 مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اور 33 مرتبہ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہا تو یہ 99 کلمات ہو گئے اور سو کا عدد پورا کرنے کے لیے لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کہہ لیا تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں)

(7) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قُولُوا: اللّٰهُ أَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ بِوَاحِدَةٍ عَشْرًا وَبِعَشْرٍ مِائَةً مَنْ زَادَ زَادَهُ اللّٰهُ. (مسند احمد، ج:3، رقم الحدیث:1070)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللّٰهُ أَكْبَرُ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ کہو ایک کے بدلے میں دس اور دس کے بدلے میں سو نیکیاں عطاء ہوں گی اور جو جتنا اس تعداد میں اضافہ کرتا جائے گا اللہ پاک اس کی نیکیوں میں اتنا ہی اضافہ کرتا جائے گا)

(8) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ خَلْفَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا، فَقَالَ: نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ صَاحِبُ الْكَلِمَةِ" فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، فَقَالَ: "لَقَدِ ابْتَدَرَهَا اثْنَا عَشَرَ مَلَكًا". (سنن نسائی، ج:1، رقم الحدیث:889)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہوا اور اس نے

اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا.

پڑھا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ جملے کس شخص نے کہے ہیں؟ اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے کہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کلمہ پر

بارہ فرشتے دوڑے (مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ کو سننے کے بعد بارہ فرشتوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں اس کو اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں پیش کروں))

(9) عَنْ شَرِيقٌ الْهَوْزَنِيُّ، قَالَ: "دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَسَأَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ؟، فَقَالَتْ: لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ شَيْءٍ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَحَدٌ قَبْلَكَ، كَانَ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَحَمَّدَ عَشْرًا، وَقَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَشْرًا، وَقَالَ: سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ عَشْرًا، وَاسْتَغْفَرَ عَشْرًا، وَهَلَّلَ عَشْرًا، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا، وَضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَشْرًا، ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ".

(سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1675)

(شریک الہوزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوا اور ان سے سوال کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو جاگتے تو کس دعا سے آغاز کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا: تو نے مجھ سے ایسا سوال کیا کہ تجھ سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے ہیں تو دس بار: اللہ اکبر، دس بار: الحمد اللہ، دس بار: سبحان اللہ وبحمدہ، دس بار: سبحان الملك القدوس، دس بار: استغفار، دس بار: لا الہ الا اللہ پڑھتے۔ پھر دس بار یہ دعا پڑھتے:
اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا، وَضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ.
(اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ پکڑتا ہوں دنیا کی تنگی سے اور قیامت کے دن کی تنگی سے)
پھر نماز کا آغاز فرما دیتے

(10) عن عثمان بن عفان قال: "سألت النبي صلى الله عليه وسلم عن قول الله عز وجل: {لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ} فقال لي: "يا عثمان لقد سألتني عن مسألة لم يسألني عنها أحد قبلك، مقاليد السموات والأرض: لا إله إلا الله، والله أكبر، وسبحان الله، والحمد لله، وأستغفر الله الذي لا إله إلا هو الأول

والآخر والظاهر والباطن، یحی ویمیت وهو حی لا یموت، بیده الخیر، وهو علی کل شیء قدیر، یا عثمان من قالها فی کل یوم مائة مرة أعطی بها عشر خصال، أما أولها: فیغفر له ما تقدم من ذنوبه، وأما الثانیة: فیکتب له براءة من النار، وأما الثالثة: فیوکل به ملکان یحفظانه فی لیله ونهاره من الآفات والعاهات، وأما الرابعة: فیعطی قنطارا من الأجر، وأما الخامسة: فیکون له أجر من أعتق مائة رقبة محررة من ولد إسماعیل علیه السلام، وأما السادسة؛ وأما السابعة: فیبنی له بیت فی الجنة، وأما الثامنة: فیزوج من الحور العین، وأما التاسعة: فیعقد علی رأسه تاج الوقار، وأما العاشرة: فیشفع فی سبعین رجلا من أهل بیته، یا عثمان إن استطعت فلا تفوتنك یوما من الدهر تفز مع الفائزین، وتسبق بها الأولین والآخرین". "ابن مردویه ورواه ع وابن أبی عاصم وأبو الحسن القطان فی الطوالات ویوسف القاضی فی سننه وابن المنذر وابن أبی حاتم وابن السنی عق والبهقی فی الأسماء والصفات" بلفظ من قالها إذا أصبح وإذا أمسی عشر مرات أعطی ست خصال، أما أولهن: فیحرس من إبلیس وجنوده، وأما الثانیة: فیعطی قنطارا من الأجر، وأما الثالثة: فترفع له درجة فی الجنة، وأما الرابعة: فیزوج من الحور العین، وأما الخامسة: فیحضرها اثنا عشر ألف ملك وفی روایة إثنا عشر ملکا، وأما السادسة: فله من الأجر کمن قرأ التوراة والإنجیل والزبور والفرقان، وله مع هذا یا عثمان من الأجر کمن حج واعتمر فقبلت حجته وعمرته، وإن مات من یومه طبع بطابع الشهداء قال: عق فی إسناده نظر، وقال المنذری فیه نکارة. وأورده ابن الجوزی فی الموضوعات، وقال فی المیزان هذا موضوع فیما أری، وقال البوصیری قد قیل إنه موضوع قال ولیس ببعید.

(کنز العمال، ج:1، رقم الحدیث:4574)

(حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ

عزوجل کے اس فرمان کا مطلب دریافت کیا:

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. (سورۃ الشوریٰ، آیت:12)

(آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اسے ہر چیز کا علم ہے)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: اے عثمان! تم نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ آسمانوں اور زمین کی چابیاں یہ کلمات ہیں:

لا اله الا الله، والله اکبر، و سبحان الله، والحمد لله، واستغفر الله الذی لا اله الا هو الاول والآخر والظاهر والباطن، یحییٰ و یمیت وهو حی لا یموت، بیده الخیر، وهو علی کل شیء قدیر.

اے عثمان! جو شخص دن میں سو مرتبہ یہ کلمات پڑھ لے، اس کو دس خصلتیں (خوبیاں) عطا کی جائیں گی:

(i) اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

(ii) جہنم کی آگ سے اس کے لیے آزادی لکھ دی جائے گی۔

(iii) دو فرشتے نگہبان اس پر مقرر کر دیے جائیں گے، جو دن رات تمام آفات اور بلیات سے اس کی حفاظت کریں گے۔

(iv) اس کو ایک قنطار (ہزار اوقیہ) اجر عطا کیا جائے گا۔

(v) اسے اس شخص کا سا اجر ملے گا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سو غلام آزاد کیے۔

(vi) اس کو ایسا اجر ملے گا گویا اس نے توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن پڑھ لیے۔

(vii) اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔

(viii) حور عین سے اس کی شادی کر دی جائے گی۔

(ix) اس کے سر پر وقار کا تاج پہنا دیا جائے گا۔

(x) اس کے گھر کے افراد میں سے ستر افراد کے حق میں سفارش قبول کی جائے گی۔

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عثمان! اگر ہو سکے تو زندگی میں کسی دن یہ کلمات فوت نہ ہونے دینا، تو ان کی بدولت کامیاب ہونے والوں کے ساتھ مل جائے گا اور اولین و آخرین کو پالے گا۔

(11) عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، قَالَ: "كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ بِأَخَرَةٍ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَقُومَ مِنَ الْمَجْلِسِ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ. (سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:1455)

(حضرت ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ جب کسی مجلس سے کھڑے ہونے کا ارادہ فرماتے تو اخیر میں یہ فرمایا کرتے:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ.

(پاک ہے تو اے میرے پروردگار! اور سب تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں)

جب سالک زبان سے تو ذکر کرے مگر اس کا دل غافل ہو تو نفع کم ہوتا ہے۔ اسی طرح دل کا کبھی ذکر میں حاضر اور کبھی غائب ہونا بھی زیادہ فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا۔ اللہ پاک کے ساتھ دل کی حاضری ہمیشہ یا اکثر اوقات ہو تو یہ تمام عبادات سے مقدم بلکہ اشرف العبادات ہے اور یہ عملی عبادات کا انتہائی نتیجہ ہے۔ ذکر کی ابتدا و انتہا انس و محبت ہے اور یہی مطلوب ہے۔ ذکر کرنے والا شروع میں اپنی محنت سے دل اور زبان سے وسواس کو دور کرتا ہے لیکن جب اسے ہمیشہ ذکر کی توفیق دی جاتی ہے تو وہ اس کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں محبت کا پودا لگ جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی کے سامنے کسی کا بار بار ذکر کیا جائے تو وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے اسی طرح دل بھی ذکر سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر ذکر سالک کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اس کی زبان سے غیر اللہ کا ذکر ختم ہو جاتا ہے۔

9 آداب تلاوت قران پاک

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا براہ راست کلام اور بارگاہ الوہیت سے اترے ہوئے الفاظ کا مجموعہ ہے۔ اس کلام کی نسبت جس ذات کی طرف ہے وہ حاکموں کا حاکم، بادشاہوں کا بادشاہ اور پوری کائنات کا بلاشرکت غیرے مالک ہے۔ لہٰذا اس کی تلاوت کے وقت وہی آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں جو کلام اور صاحب کلام کی عظمت وشان کے مطابق ہوں۔ اس لیے مناسب ہے کہ اس موقع پر آداب تلاوت کا ذکر بیان کر دیا جائے:

(1) سب سے پہلے مسواک کے ساتھ وضو کیجیے۔

(2) اس کے بعد کسی اچھی جگہ متواضع اور قبلہ کی سمت منہ کر کے، خود کو کمتر اور عاجز جان کر اور قلب و دماغ کے حضور کے ساتھ بیٹھیے کہ گویا اللہ رب العزت کے سامنے بیٹھ کر عرض و نیاز اور التجا کر رہے ہیں۔

(3) پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھیے۔

(4) بعض علمائے کرامؒ فرماتے ہیں کہ تلاوت سے پہلے دعا مانگنی چاہیے۔ کچھ علما یہ دعا تجویز کرتے ہیں:

اللهم انی اشهد ان هذا کتابك المنزل من عندك علی رسولك محمد بن عبدالله صلی الله علیه وآله وا صحابه واتباعه اجمعین وکلامك الناطق علی لسان نبیك جعلته هادیا منك لخلقك وحبلا متصلا فیما بینك وبین عبادك. اللهم فاجعل نظری فیه عبادة وقرائتی فکروفکری فیه اعتبارا انك انت الرؤف الرحیم.

رب اعوذبك من همزات الشیاطین واعوذبك رب ان یحضرون.

(اے میرے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیری یہ کتاب تیری طرف سے تیرے رسول ﷺ پر اتاری گئی ہے جن کا نام نامی محمد ﷺ بن عبداللہ ہے۔ رحمت ہو اللہ کی ان پر، ان کی اولاد پر، ان کے اصحاب پر اور ان کے تمام تابعداروں پر اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا کلام ناطق ہے تیرے رسول کی زبان پر، اس کلام کو تو نے اپنی مخلوق کی ہدایت کرنے والا

بنایا ہے اور اس کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ متصل بنایا ہے۔
اے میرے پروردگار! تو میری نظر کو اس میں عبادت گزار، میری قرأت کو اس میں فکر اور میری فکر کو اس میں عبرت پذیر بنا دے۔ بلاشبہ تیری ذات بڑی مہربان ہے اور تو بڑا رحم کرنے والا ہے۔
اے میرے پروردگار! میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ کا طلبگار رہوں کہ میرے پاس شیاطین آئیں)

(5) پھر قرآن پاک کی تلاوت شروع کیجیے۔

(6) دل میں یہ تصور جمائیے کہ میں اللہ پاک کا کلام بغیر کسی واسطہ کے سن رہا ہوں۔

(7) قرآن مجید کی آیات مبارکہ کو آہستہ آہستہ تدبر، تفکر اور ترتیل کے ساتھ پڑھیے۔

(8) جہاں بندوں کے حق میں وعدہ ورحمت کی آیت آئے تو وہاں ٹھہر کر اللہ پاک کی تسبیح بیان کیجیے۔

(9) جہاں وعید وعذاب کے متعلق آیت آئے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیے۔

(10) جب اللہ پاک کی تنزیہہ اور تقدیس پر مشتمل آیت آئے تو تسبیح کیجیے، جس آیت میں اللہ تعالیٰ کی پاکی اور اس کی بڑائی و بزرگی کا بیان ہو، اسے پڑھ کر سبحان اللہ کہیے۔

(11) تلاوت کے درمیان گریہ وزاری اختیار کیجیے۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی صورت بنا لیجیے۔

(12) تلاوت قرآن پاک گویا بارگاہ الوہیت میں حاضری کا وقت ہے۔ اس لیے اس موقع پر اللہ رب العزت کی عظمت ورفعت کے احساس سے اپنے اوپر مکمل عاجزی طاری کیجیے۔

(13) اس بات کی کوشش نہ کی جائے کہ قرآن پاک جلد ختم ہو اور اس کی وجہ سے تیز تیز پڑھنا شروع کر دیا جائے کیونکہ غور وفکر کے ساتھ کم پڑھنا آداب تلاوت کا لحاظ کیے بغیر زیادہ پڑھنے سے بہتر ہے۔

(14) تدبر، ذوق وشوق، حضور قلب اور آداب تلاوت کی رعایت کے ساتھ جس قدر بھی تلاوت کر پائیں اسی کو غنیمت سمجھیے۔

(15) جس مجلس میں لوگ کسی دوسرے کام میں مشغول ہوں یا شور وغوغا ہو وہاں تلاوت نہ کیجیے۔ اگر

تلاوت ضروری ہی ہو اور کوئی دوسری جگہ میسر نہ ہو تو آہستہ آواز کے ساتھ تلاوت کیجیے۔

(16) اگر موجود لوگ تلاوت سننے کے مشتاق ہوں اور خاموش و پرسکون ہوں تو باآواز بلند تلاوت کیجیے۔

(17) قرآن پاک کو مصحف میں دیکھ کر پڑھنا بغیر دیکھے پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ اس طرح آنکھیں اور دوسرے اعضا بھی عبادت میں شریک ہوجاتے ہیں اور حضور قلب بھی زیادہ میسر ہوتا ہے۔

(18) قرآن کریم کو پاکیزہ رحل یا کسی دوسری بلند چیز (مثلاً تکیہ) پر رکھیے تاکہ قرآن مجید کی تعظیم و تکریم آشکارا ہو۔

(19) تلاوت کے دوران دنیاوی کلام و گفتگو، کھانے پینے اور دوسرے سب کاموں سے باز رہیے۔ اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو قرآن پاک کو بند کر کے گفتگو کیجیے۔ اس کے بعد پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر تلاوت شروع کیجیے۔

(20) غلط طریقے سے قرآن مجید پڑھنے سے احتراز کیجیے۔

(21) ترتیل و تجوید کے ساتھ بے تکلف اور بے ساخت پڑھیے۔ غلط طریقہ سے آواز و لہجہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

(22) تلاوت کے وقت کسی کی تعظیم نہ کیجیے۔ البتہ دوران تلاوت عالم باعمل، استاد یا والدین کے لیے کھڑے ہوجانا اور ان کی تعظیم جائز ہے۔ ایسے موقع پر قرآن کریم کو بند کر کے کھڑا ہوا جائے یا گفتگو کی جائے۔

(23) تکیہ لگا کر یا لیٹ کر قرآن مجید پڑھنا اگرچہ جائز ہے لیکن افضل یہی ہے کہ مؤدب بیٹھ کر پڑھا جائے۔

(24) اسی طرح راستہ چلتے قرآن پاک پڑھنا جائز ہے۔ اگر جنگل ہو تو باآواز بلند پڑھا جائے ورنہ بصورت دیگر آہستہ آواز سے پڑھا جائے۔

(25) نجس اور مکروہ جگہوں مثلاً حمام وغیرہ میں قرآن پاک پڑھنا مکروہ ہے۔

(26) ہر روز تلاوت کے بعد ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھیے:

اللهم اجعل القرآن لنا فی الدنیا قرینا وفی الآخرة شافعا وہ فی القبر مونسا وفی القیامة صاحبا وعلی الصراط نورا وفی الجنة رفیقا ومن النار سترا.

(اے میرے پروردگار! قرآن پاک کو میرے لیے دنیا میں ہم نشین، آخرت میں شافع، قبر میں غم خوار، قیامت میں مونس، پل صراط پر نور، جنت میں رفیق اور آگے سے پردہ بنا دینا)

(27) جب قرآن مجید کا دور ختم ہو تو کھڑے ہو کر دعا مانگیے۔

(28) اس دعا میں اپنے عزیز واقارب اور محبین و متعلقین کو جمع کیجیے۔ ان کی مجلس میں قرآن پاک ختم کیجیے اور ان سب کو دعا میں شامل کیجیے کیونکہ وہ قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے۔

(29) پھر اپنے دینی اور دنیوی مقاصد کے لیے جو بھی دعا چاہیں مانگیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی ہر درخواست مجیب الدعوات کی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نواز دی جائے گی۔

(30) ختم قرآن کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یہ دعا مانگے:

الحمد لله رب العالیمن الحمد لله الذی خلق السماوات والرض وجعل الظلمت والنور ثم الذین کفروا بربهم یعدلون. لا اله الا الله و کذب العادلون بالله وضلوا ضللا بعیدا. لا اله الا الله و کذب المشرکون بالله من العرب والمجوس والیهود النصاریٰ والصابئین ومن دعا لله ولد وصاحبة او ندا او شبها او مثلا او سمیا او عدلا فانت ربنا اعظم من ان نتخذ فیما خلقت والحمد لله الذی لم یتخذ صاحبة ولا ولدا ولم یکن له شریك فی الملك ولم یکن لو ولی من الذل و کبری تکبیرا الله اکبر کبیرا والحمد لله کثیرا وسبحان الله بکرة واصیلا. والحمد لله الذی انزل علی عبده الکتٰب ولم یجعل له عوفا قیما لتنذر به باسا شدیدا من لدنه وبشر المومنین الذی یعمولن الصالحات ان لهم اجرا حسان ماکثین فیه ابدا وینذر الذین قالوا اتخذا لله ولدا مالهم به میں علم ولا لاباهم کبرت کلمة تخرج من افواههم ان یقولون الا

کذبا. الحمد للہ الذی لہ مافی السموات وما فی الارض ولہ الحمد فی الآخرۃ وھو الحکیم الخبیر۔ یعلم مایلج فی الارض وما یخرج من السماء وما یعرج فیھا وھو الرحیم الغفور. الحمدللہ فاطر السماوات والارض جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ مثنی وثلث ارباع یزید فی الخق مایشاء ان اللہ علی کل چیز قدیر. مایفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک ھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعد وھو العزیز الحکم. الحمدللہ وسلم علی عبادہ الذین اصطفی آللہ خیر اما یشرکون. بل اللہ خیر وابقی وا حکم وا کرم و اعظم ممایشرکون. فالحمدللہ بل اکثرھم لایعلمون. صدق اللہ وبلغت رسلہ الکرام وانا علی ذالکم من الشاھدین. اللھم صل علی جمیع الملائکۃ والمرسلین وارحم عبادک المومنین مب اھل السماوات والارض واختم لنا بخیر وافتح لنا بخیر وبارک لنا فی القرآن العظیم وانفسنا بالآیت والذکر الحکیم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم. (مشکوٰۃ المصابیح، ج:2، رقم الحدیث:620)

(تمام تعریفیں اللہ پاک کے لیے ہیں جو رب ہے تمام عالم کا۔ تمام تعریفیں اللہ پاک کے لیے ہیں جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے اور اندھیرا اور اجالا بنایا۔ پھر بھی یہ کافر اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر کر دیتے ہیں۔ اللہ پاک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جھوٹے ہیں وہ لوگ جو برابر کر دیتے ہیں دوسروں کو اللہ پاک کے ساتھ اور گمراہ ہیں وہ لوگ اور بھٹک گئے ہیں وہ صحیح راستہ سے کامل بھٹک جانا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جھوٹے ہیں وہ لوگ جو اہل عرب میں سے ہیں اور آتش پرست، یہود و نصاریٰ اور صابی۔ وہ دوسروں کو اللہ پاک کا شریک مان رہے ہیں۔ جو شخص ثابت کرتا ہے اللہ پاک کے لیے اولاد یا بیوی کو یا ہمسر یا مشابہ کو یا مثیل کو اس کے ہمنام کو یا اس کی ذات وصفات میں برابر کو، تو وہ کیا کرے کیونکہ وہ بھی جھوٹا ہے۔

اے ہمارے پروردگار! تو اس سے برتر و بلند ہیں کہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنا شریک و ساجھی بنائے۔ تمام تعریفیں اللہ پاک کے لیے جس نے ہمیں بنایا اور نہ بنایا اپنے لیے بیوی کو

اور نہ بیٹے کو اور نہیں ہے کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے۔ اس کی بڑائی بیان کرو بڑا جان کر۔ اللہ پاک سب سے بڑا بہت بڑا اور بے انتہاء، بے شمار تعریفیں اس کے لیے ہیں۔ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہیں صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی۔ تمام تعریفیں اللہ پاک کے لیے ہیں جس نے اپنے بندہ حضرت محمد ﷺ پر کتاب اتاری جس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ بالکل ٹھیک اتاری تاکہ خوف دلائے ایک سخت آفت کا، اللہ پاک کی طرف سے۔ خوشخبری دے ایمان لانے والوں کو جو نیکیاں کرتے ہیں اس بات کی کہ ان کے لیے اچھا بدلہ جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے۔ ان کو متنبہ کر دے جو کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے اپنے لیے اولاد بنائی ہے۔ کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی، نہ ان کے باپ دادوں کو، کیا بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ سب کچھ جھوٹ ہے جس کو وہ کہہ رہے ہیں۔

تمام تعریفیں اللہ پاک کے لیے ہیں جس کی بادشاہت میں وہ تمام چیزیں ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تمام تعریفیں اس کے لیے ہیں عالم آخرت میں اور وہ بڑی حکمت والا اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے ان تمام چیزوں کو جو زمین میں داخل ہوتی ہیں اور اس سے باہر نکلتی ہیں اور جو آسمانوں سے اترتی ہیں اور آسمانوں پر چڑھتی ہیں۔ وہ بڑا رحم کرنے والا اور بہت زیادہ مغفرت کرنے والا ہے۔

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پیدا کرنے والا ہے تمام آسمانوں کو اور زمین کو اور بنانے والا ہے فرشتوں کو اپنا پیغام پہنچانے والا جو بازوؤں والے ہیں۔ کسی کے دو بازو ہیں، کسی کے تین اور کسی کے چار۔ اپنی مخلوق میں وہ زیادتی کرتا ہے جتنا چاہتا ہے۔ یقیناً اللہ پاک تمام چیزوں پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔ جو کچھ کھول دے، اللہ تعالیٰ لوگوں پر اپنی رحمت میں سے تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا اور جو کچھ کہ روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا اس کے سوا۔ وہی ہے زبردست حکمتوں والا۔

تمام تعریفیں اللہ پاک کے لیے ہیں اور سلامتی ہو اللہ پاک کی اللہ تعالیٰ کے ان بندوں پر جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے۔ کیا اللہ پاک سب سے بہتر ہے یا وہ (بت) جن کو وہ (کافر و مشرک) اللہ پاک کا ساجھی ٹھہرا رہے ہیں (یہ بات نہیں ہے) بلکہ اللہ پاک ہی سب سے بہتر اور وہی باقی رہنے والا ہے۔ وہی مضبوط حکم والا ہے اور وہی عزت والا ہے۔ وہ ان تمام چیزوں سے جن کو یہ کافر شریک ٹھہرا رہے ہیں سب سے عظمت والا ہے۔ پس تمام تعریفیں اللہ پاک کے لیے ہیں لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ اللہ پاک نے سچ فرمایا ہے اور اس کے کریم رسولوں علیہم السلام نے اس کا پیغام (صحیح) پہنچایا ہے۔ میں تمام باتوں پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

اے میرے پروردگار! اپنی رحمت نازل فرما، تمام فرشتوں علیہم السلام پر، تمام پیغمبروں علیہم السلام پر اور رحم فرما اپنے مومن بندوں پر آسمان کے رہنے والوں اور زمین پر بسنے والوں سے۔ ہمارا خاتمہ کیجیے خیر کے ساتھ اور کھول دیجیے ہمارے لیے خیر کے دروازہ کو اور برکت دیجیے ہمارے لیے قرآن عظیم کے علوم میں اور نفع دیجیے ہم کو آیات قرآنی سے اور اپنے مستحکم ذکر سے۔ اے میرے پروردگار! ہماری یہ دعا قبول فرما لے۔ یقیناً تو ہماری دعاؤں کو سننے والا اور ہماری باتوں کو جاننے والا ہے)

10 ذکر کے فوائد

ذکر کے بہت سے فوائد ہیں ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(1) ذکر الٰہی اللہ پاک کی رضا و خوشنودی کا باعث ہے۔

(2) دل کے تمام غم و فکر اور قلبی پریشانیوں کو دفع کرتا ہے۔

(3) دل میں سرور اور خوشی پیدا کرتا ہے۔

(4) دل اور بدن کو طاقت بخشتا ہے۔

(5) دل کو روشن اور چہرے کو نورانی کرتا ہے۔

(6) رزق میں کشادگی کا موجب ہے۔

(7) ذاکر کو رعب وہیبت، لذت وحلاوت اور غور وتدبر کا لباس پہنا تا ہے۔

(8) ذکر الٰہی سے محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔

(9) ذکر الٰہی سے محاسبہ نفس کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔

(10) ذکر الٰہی سے انابت (رجوع الی اللہ) حاصل ہوتی ہے۔

(11) ذکر قرب الٰہی کا باعث ہوتا ہے۔

(12) ذکر سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

(13) اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والے کا آسمانوں میں تذکرہ کرتا ہے۔

(14) ذکر حیات قلبی کا موجب ہوتا ہے۔

(15) ذکر دل اور روح دونوں کی غذا ہے۔

(16) ذکر دل کا زنگ اتار دیتا ہے۔

(17) ذکر الٰہی تمام گناہوں کو محو کر دیتا ہے۔

(18) ذکر انسان وخدا کی باہمی بیگانگی وبے ربطی کو زائل کرتا ہے۔

(19) ذاکر اللہ تعالیٰ کا جن کلمات جلالت اور تسبیحات وتحمیدات سے ذکر کرتا ہے وہی اذکار مصائب و تکلیف کے وقت اس کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔

(20) جب انسان عیش وکشادگی میں ذکر الٰہی کرتا ہے تو اللہ پاک تنگی وشدت میں اس کا واقف و مددگار بن جاتا ہے۔

(21) ذکر عذاب الٰہی سے نجات کا ذریعہ ہے۔

(22) ذکر الٰہی سے اللہ پاک کی طرف سے سکینت نازل ہوتی ہے۔

(23) ذکر الٰہی زبان کو لغویات سے محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

(24) ذکر الٰہی کی مجالس فرشتوں کی مجلسیں ہوتی ہیں۔

(25) ذکر سے ذاکر سعید ونیک بخت ہوجاتا ہے۔

(26) ذکر کی وجہ سے انسان قیامت کے دن حسرت وافسوس سے مامون رہے گا۔

(27) ذکر سے قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا۔

(28) ذکر سے بن مانگے اللہ پاک کے انعامات حاصل ہوتے ہیں۔

(29) ذکر جملہ عبادات سے اعلیٰ وافضل عبادت ہے۔

(30) ذکر الٰہی سے جنت میں ذاکر کے نام کے درخت لگتے ہیں۔

(31) ذکر الٰہی سے ایسے انعامات حاصل ہوتے ہیں جو دوسرے اعمال سے نہیں ملتے۔

(32) ذکر الٰہی سے اللہ پاک انسان کو کبھی نہیں بھولتا۔

(33) ذاکر کو ذکر الٰہی میں منہمک رہنے کی وجہ سے بارگاہ الٰہی سے وہ انعامات بھی حاصل ہوتے ہیں جو مانگ کر لینے والوں کو بھی حاصل نہیں ہوتے۔

(34) سویا ہوا بیدار مغز ذاکر غافل تہجد گزار سے بہتر ہے۔

(35) ذکر الٰہی دنیا، قبر اور آخرت میں نور کا موجب ہوگا۔

(36) انسان کے دل میں ہر وقت ایک حاجت اور ایک فاقہ موجود ہوتا ہے جس کا انسداد ذکر الٰہی کے سوا کوئی چیز نہیں کر سکتی۔

(37) ذکر متفرق کو جمع اور مجتمع کو متفرق، قریب کو بعید اور بعید کو قریب کرتا ہے۔

(38) ذکر عوام کا طریق اور منشور ولایت ہے جس پر اس کا ادنیٰ سا حصہ بھی مفتوح ہوگیا تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ پاک تک پہنچنے کے تمام دروازے اس پر کھل گئے۔

(39) ذکر دل کی بیداری کا سبب بنتا ہے۔

(40) ذکر الٰہی کے درخت پر معرفت الٰہی کے پھل لگتے ہیں۔

(41) ذکر الٰہی قرب خداوندی اور اللہ پاک کی معیت کا باعث ہے۔

(42) ذکر نفلی صدقہ اور جہاد کرنے سے افضل ہے۔

(43) ذکر شکر کی بنیاد ہے جس نے ذکر بھلا دیا اس نے اللہ پاک کا شکر ترک کر دیا۔

(44) ذاکر تمام متقیوں سے معزز ہوتا ہے۔

(45) ذکر سے دل کی سختی دور ہوتی ہے۔

(46) ذکر الٰہی درد دل کی دوا ہے۔

(47) ذکر اللہ پاک کی محبت کی اصل بنیاد ہے۔

(48) ذکر انعامات الٰہی کے حصول اور اللہ پاک کے غضب سے دفاع کا موجب ہے۔

(49) ذکر اللہ پاک کی رحمت کے نزول اور فرشتوں کی دعاؤں کا سبب ہے۔

(50) اہل ذکر کی مجالس جنت کے باغوں میں سے باغ ہیں۔

(51) اہل ذکر کی مجالس میں اللہ پاک کے فرشتے حاضری دیتے ہیں۔

(52) اللہ تعالیٰ ذکر گزاروں کی وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔

(53) کثرت اور دوام ذکر سے انسان خوشی خوشی جنت میں داخل ہوگا۔

(54) جملہ اعمال کی مشروعیت کا اصل مقصد ذکر الٰہی کا حاصل کرنا ہے۔

(55) کثرت ذکر افضل الاعمال ہے۔

(56) ذکر الٰہی تمام نفلی عبادات کا کام دیتی ہے۔

(57) ذکر الٰہی اطاعت الٰہی کا سب سے بڑا معاون ہے۔

(58) ذکر سے تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

(59) ذکر سے تمام خطرات دور ہو جاتے ہیں۔

(60) ذکر سے اس قدر قوت ملتی ہے کہ ذاکر وہ کام کر گزرتا ہے جس کا کرنا اس کے وہم گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔

(61) روز قیامت اعمال کے مقابلے میں اہل ذکر کی جیت یقینی ہے۔

(62) ذکر انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تصدیق و صادق کہلانے کا مستحق بنا دیتا ہے۔

(63) اہل ذکر کے ذکر سے فرشتے جنت میں محلات کی تعمیر کرتے ہیں جب ذاکر ذکر سے رک جاتا

ہے تو فرشتے بھی تعمیر بند کر دیتے ہیں۔

(64) ذکر انسان اور دوزخ کے درمیان دیوار بن جاتا ہے۔

(65) اللہ پاک کے فرشتے ذکر کرنے والوں کے حق میں استغفار کرتے ہیں۔

(66) جنگل، پہاڑ اور وادیاں ذاکر کے ذکر کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کرتی ہیں کہ کسی نے ان میں اللہ پاک کو یاد کیا ہے۔

(67) کثرت سے ذکر کرنا چھپی ہوئی منافقت سے نجات کا سبب بنتا ہے۔

(68) ذکر الٰہی کی لذت تمام لذات سے بہتر ہوتی ہے۔

(69) ذکر دنیا میں چہرے کی رونق و تروتازگی اور آخرت میں نور وضیا کا موجب ہوتا ہے۔

(70) کثرت سے ذکر کرنے سے ذکر کرنے والے کے حق میں ایمان کی گواہی دینے والے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ جنگل، درخت، وادیاں وغیرہ

(71) ذکر الٰہی میں مشغول زبان لغویات سے محفوظ رہتی ہے۔

(72) ذکر الٰہی سے شیطانی وسواس سے نجات ملتی ہے۔

(73) ذکر دعاؤں کی قبولیت کا باعث بنتا ہے۔

(74) ذکر دعا سے افضل ہے۔

(75) ذکر الٰہی شیطان کو ذلیل و رسوا کرتا ہے۔

11 ذکر کے بارے میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال

ذکر کے بارے میں صوفیائے کرامؒ سے بہت اقوال منسوب ہیں، ان میں کچھ حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابوبکر شقاقیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہر دم ذکر اور سجدے کیا کرو تا کہ حضور کی حالت ظاہر ہو اور غیاب جاتا رہے۔ ذکر ہی میں فنا ہو جاؤ۔

(2) حضرت محمد بن فضل بلخیؒ فرماتے ہیں کہ زبان سے ذکر کرنا گناہوں کو مٹاتا اور درجات بلند کرتا ہے جبکہ دل کا ذکر، اللہ پاک کے قریب لے جاتا ہے۔

(3) حضرت ابوالعباس احمد دینوریؒ فرماتے ہیں: کم از کم ذکر یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ پاک کے علاوہ ہر چیز کو بھول جائے۔ انتہائی ذکر یہ ہے کہ ذکر کرنے والا مقام ذکر کی طرف رجوع کرنے سے اسی میں غرق ہو جائے۔

(4) حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں کہ خوف کے غلبہ اور محبت کی شدت کے ہوتے ہوئے میدان غفلت سے نکل کر مشاہدہ کی کھلی فضا میں جانا ذکر کہلاتا ہے۔

(5) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: ذکر یہ ہوتا ہے کہ ذکر کرنے والے کی حالت ایسی ہو جائے کہ اسے اپنے ذکر کی بھی خبر نہ ہو۔

(6) حضرت ابوعثمان حیریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے غفلت کی بیگانگی نہیں دیکھی اسے کیا معلوم کہ ذکر کا مزہ کیا ہوتا ہے۔

(7) ایک صوفی بزرگ فرماتے ہیں کہ غفلت کو دور ہٹا دینا ذکر ہے لہٰذا جب غفلت اٹھ گئی تو، تو ذاکر کہلائے گا خواہ خاموش ہی کیوں نہ رہے۔

(8) حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کا ذکر ولی ہونے کی دستاویز ہے۔ جس کو ذکر کی توفیق عطا ہوئی ہے، اسے ولی ہونے کی سند مل گئی ہے۔

(9) حضرت احمد بن ابوالحواریؒ فرماتے ہیں کہ جب تم دل میں قدرے سختی محسوس کرو تو ذکر کرنے والوں کے پاس بیٹھو۔

(10) حضرت منصور بن عمارؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے عارفوں کے دلوں کو ذکر الٰہی کا برتن بنا دیا ہے۔

(11) حضرت ابوعثمان حیریؒ فرماتے ہیں: ذکر کثیر یہ ہوتا ہے کہ تم جب بھی اللہ پاک کا ذکر کرو، اسے یاد کرو کیونکہ تم اس کا ذکر صرف اس کی وجہ اور اس کے فضل سے کرتے ہو۔

(12) حضرت عبداللہ خرازؒ فرماتے ہیں کہ عارفوں کی غذا ذکر الٰہی ہوتا ہے۔

(13) حضرت ابوالحسین بن بنانؒ فرماتے ہیں کہ زبان سے اللہ پاک کا ذکر درجات بڑھاتا ہے۔ دل سے ذکر، اللہ تعالیٰ سے نزدیکی کا سبب بنتا ہے۔

(14) شیخ نوریؒ فرماتے ہیں کہ ہر شے کی سزا ہے اور عارف کی سزا، اس کا ذکر سے منقطع ہو جانا ہے۔

12 ذکر کے واقعات

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بزرگان دین کے ذکر کے کچھ واقعات یوں ہیں:

(1) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اللہ پاک کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے، جاگتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سواری پر سوار ہوتے، سفر میں جاتے، واپس آتے، گھر میں داخل ہوتے، گھر سے باہر جاتے، مسجد میں قدم رکھتے، غرض ہر حالت میں دل و جان سے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (پہرے دار کی طرح) دروازہ کے پاس سویا کرتا تھا۔ رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کا پانی دیا کرتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اٹھتے تو خاصی دیر تک پہلے سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ پڑھتے پھر سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھتے رہتے۔ (جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:1369)

(3) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کیا تو ان کے ساتھ جہیز کے طور پر روئیں دار کپڑے، چمڑے کا تکیہ جس میں گھاس بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، مشکیزہ اور دو مٹکے بھی روانہ کیے۔ ایک دن حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے کہا کہ اللہ کی قسم! کنوئیں سے پانی کھینچ کھینچ کر میرے تو سینے میں درد شروع ہو گیا ہے۔ آپ کے والد صاحب کے پاس کچھ قیدی آئے ہوئے ہیں، ان سے جا کر کسی خادم کی درخواست کیجیے۔ حضرت فاطمہ کہنے لگیں بخدا! چکی چلا چلا کر میرے ہاتھوں میں بھی گٹے پڑ گئے ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے کی وجہ دریافت فرمائی؟ عرض کیا کہ سلام کرنے کے لیے حاضر ہوئی تھی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی درخواست پیش کرتے ہوئے شرم آئی اور وہ واپس

لوٹ آئیں۔ حضرت علی نے پوچھا کیا ہوا؟ فرمایا مجھے تو ان سے کچھ مانگتے ہوئے شرم آئی اس لیے واپس لوٹ آئی۔ اس کے بعد ہم دونوں اکٹھے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کنوئیں سے پانی کھینچ کھینچ کر میرے سینے میں درد شروع ہو گیا ہے۔ حضرت فاطمہ کہنے لگیں کہ چکی چلا چلا کر میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے ہوئے ہیں، ان میں سے کوئی ایک بطور خادم کے ہمیں بھی عنایت فرما دیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بخدا! میں اہل صفہ کو چھوڑ کر جن کے پیٹ چپکے پڑے ہوئے ہیں اور ان پر خرچ کرنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے، تمہیں کوئی خادم نہیں دے سکتا۔ اس پر وہ دونوں واپس چلے آئے۔ رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ انہوں نے جو چادر اوڑھ رکھی تھی وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر دونوں اٹھنے لگے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کر دیا اور فرمایا کہ ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہہ لیا کرو اور جب بستر پر آیا کرو تو 33 مرتبہ: سبحان اللہ، 33 مرتبہ: الحمد للہ اور 34 مرتبہ: اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔ تمہاری ساری تھکاوٹ اور بیماری دور ہو جایا کرے گی۔ (مسند احمد، ج:1، رقم الحدیث: 797)

(4) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ اللہ پاک سے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے کوئی ایسی چیز سکھلا دے جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کروں اور تجھ سے دعا مانگوں۔ اللہ پاک نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام! لا الہ الا اللہ کہو! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کلمہ تو تیرے تمام بندے ہی پڑھتے ہیں۔ میں تو کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جسے تو میرے ہی لیے مخصوص کر دے۔ جس میں میرا اور کوئی شریک نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! اگر ساتوں آسمان اور میرے علاوہ ان میں رہنے والے تمام فرشتے، ساتوں زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھی

جائیں اور لا الہ الا اللہ کا ثواب دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یقیناً ان چیزوں کے پلڑے سے لا الہ الا اللہ کا پلڑا جھک جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج:2، رقم الحدیث: 839)

(4) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک سے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تیرے انعامات تو بے شمار ہیں، تو مجھے زیادہ شکر بجالانے کا طریقہ بھی سکھا دے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: مجھے کثرت سے یاد کیا کرو۔ کثرت سے ذکر کرنا کثرت سے شکر بجالانا ہے۔ جس نے مجھے بھلا دیا تو اس نے میری ناشکری کی۔

(5) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک پرندہ (وافر الجناحین) لایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فرمایا: جب کوئی جانور اپنی تسبیح (ذکر) ضائع کر دیتا ہے تو اسے شکار کر لیا جاتا ہے۔ جب کسی درخت کی شاخ اپنی تسبیح (ذکر) چھوڑ دیتی ہے تو اسے کاٹ لیا جاتا ہے۔

(6) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حلقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم کس وجہ سے بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے بیٹھے ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم میں بھیج کر اپنا دین ہم بتلایا اور ہم پر احسان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں اللہ کی قسم! تم اس وجہ سے بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم ہم اسی واسطے بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے تم کو اس واسطے قسم نہیں دی کہ تم کو جھوٹا سمجھا بلکہ اس لیے کہ حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔ (سنن نسائی، ج:3، رقم الحدیث: 1735)

(7) حضرت ابن سابط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں میں سے چند کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے تھے، آؤ ہم کچھ دیر کے لیے ایمان و یقین کی باتیں کریں۔ آؤ! ہم اللہ پاک کا ذکر کر کے ایمان میں اضافہ کریں۔ آؤ! ہم اس کی اطاعت کا ذکر کریں تاکہ وہ بھی ہماری مغفرت کرتے ہوئے ہمیں یاد کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:9، رقم الحدیث: 121)

(8) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب کسی بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب نشیب میں اترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ (صحیح بخاری، ج:2، رقم الحدیث:260)

(9) حضرت شیخ شبلیؒ کے سامنے قرآن پاک کی آیت: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا۔ (سورۃ الکہف، آیت: 24) اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کرلو اور کہو: مجھے امید ہے کہ میرا رب کسی ایسی بات کی طرف رہنمائی کردے جو ہدایت میں اس سے بھی زیادہ قریب ہو۔ تلاوت کی گئی۔ آپؒ نے فرمایا: ذکر کی شرط بھول جانا ہے جبکہ سارا عالم اس کی یاد میں محو ہے مگر انسان بھولا ہی رہتا ہے۔ یہ کہہ کر آپؒ بے حال ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو کہا: اس دل پر تعجب ہے جو کلام الٰہی سن کر اپنی جگہ قائم رہے اور اس جان پر حیرانی ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر جسم سے نہ نکلے۔

(10) حضرت حامد الاسودؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت ابراہیم خواصؒ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ شام کو حضرتؒ ایک جگہ پر بیٹھ گئے۔ جب رات ہوئی اور ٹھنڈی ہوا چلی تو سانپ نکل آئے۔ میں نے ڈر کے مارے چیخ کر شیخ کو آواز دی تو آپؒ نے جواب دیا: ذکر الٰہی کرو۔ میں نے ذکر کرنا شروع کیا تو سانپ واپس چلے گئے۔ پھر دوبارہ آ گئے تو میں نے پھر بتایا تو آپؒ نے پھر وہی جواب دیا۔ رات بھر یونہی ہوتا رہا۔ پھر صبح ہو گئی تو حضرت ابراہیم خواصؒ وہاں سے کوچ کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ آپؒ کے سامان والے بستے (بیگ) پر ایک سانپ لپٹا ہوا ہے جو بستے کو اٹھانے سے نیچے گر گیا۔ حضرت ابراہیم خواصؒ ساری رات یاد الٰہی میں اس قدر مشغول رہے کہ سانپوں کی خبر ہی نہ ہوئی حتیٰ کہ سانپ لپٹے ہوئے بستے کو بھی بے خبری میں ویسے ہی اٹھا لیا۔

(11) حضرت جریریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھیوں میں ایک ایسا شخص تھا جو ہر وقت اللہ، اللہ کہتا رہتا تھا۔ ایک دن اچانک کمرے کی چھت گر گئی۔ ایک ستون (شہتیر) اس سالک پر آ گرا۔ اس سے سالک کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ حیران کن طور پر اس کا خون زمین پر اس طرح گرتا کہ اس سے مٹی پر لفظ اللہ، اللہ لکھا جاتا۔

12

مقام اخلاص

1 اخلاص کا مفہوم

(1) اخلاص کے معنی صاف اور ملاوٹ سے پاک ہونا ہے۔ دل کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے پاک کر لینا اخلاص ہے۔ انسان زندگی میں جو بھی عمل کرے اور جس سطح کی اور جس شکل کی بھی عبادت کرے، اس کا دل اس عمل اور عبادت میں اس بات پر مطمئن ہو کہ میں یہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے کر رہا ہوں۔ اپنے دل کو ہر قسم کی نفسانی، ظاہری اور باطنی خواہشات سے پاک کرنے اور اپنی بندگی کو دنیا کے فائدے سے ہٹا کر صرف اللہ پاک کی رضا میں گم کر دینا اخلاص کہلاتا ہے۔

(2) جب بندے کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ صرف اللہ پاک کی بندگی کرنے سے اس کا قرب (رسائی) حاصل ہوتا ہے اور آخرت کا ثواب ملتا ہے۔ اس سے انسان کے اعمال (کاموں) میں اخلاص پیدا ہونے لگتا ہے۔

(3) اخلاص یہ ہے کہ انسان کی تمام عبادات کا مقصد اللہ پاک کی رضا مندی ہو نہ کہ مال اکٹھا کرنا، ریاست اور سرداری کی خواہش، اچھے عہدے کی خواہش، عزت اور خوبصورتی کی آرزو، اپنے ہم عمروں پر فوقیت، لوگوں کے نزدیک تعریف، لوگوں کی توجہ اپنی طرف کروانا، ہدیہ وتحفہ کی لالچ اور شہرت کی طلب وغیرہ۔

(4) اخلاص تمام اعمال کی روح ہے اور وہ عمل جس میں اخلاص نہ ہو اس جسم کی طرح ہے جس میں روح نہ ہو۔ اخلاص عبادت اور باقی کاموں میں روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کی بنیادی خواہش یہی ہونی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرے اور یہی اخلاص ہے۔ انسان کی عبادت کا قبول ہونا اور اس پر ثواب ملنے کے لیے زیادہ عبادت کی بجائے نیت کا خالص اللہ پاک کے لیے ہونا زیادہ ضروری ہے۔

(5) ہر وہ کام جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا اور اس پر راضی ہوتا ہے، وہ عبادت ہے۔ ہر عبادت میں اخلاص لازم ہے، اگرچہ عمل کم اور مشکل ہو۔ تمام عبادات میں اخلاص انتہائی ضروری ہے۔

خواہ بیمار پرسی (عیادت) ہو، صلہ رحمی ہو یا والدین کے ساتھ اچھا سلوک۔ حتیٰ کہ معاملات میں بھی جیسے خرید و فروخت میں سچ بولنا، بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا وغیرہ۔

(6) اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنی باتوں، کام، نیت اور ارادوں میں خلوص کے ساتھ اللہ پاک کا ہو جائے۔ یہی وہ دین ابراہیمی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور یہی اسلام کی حقیقت ہے۔

(7) اخلاص کا الٹ ریاکاری (دکھاوا) ہے۔ جب تک ریاکاری کا مفہوم انسان کے ذہن میں نہ ہو اس وقت تک اخلاص کو اچھی طرح نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس لیے ریاکاری کو صحیح طور پر سمجھ لینا چاہیے۔ ریاکاری یہ ہے کہ انسان عبادت میں اللہ پاک سے بالکل غافل ہو کر اللہ پاک کی مخلوق کی نگاہ میں اچھا اور بڑا بننے کی کوشش کرے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کا عمل (نیکی کا کام) پیدا کرنے والے اللہ پاک کی خوشی کی بجائے اس کی مخلوق کو خوش کرنے کے لیے سرانجام دینا ریاکاری (دکھاوا) کہلاتا ہے۔

(8) انسان کا اپنے عمل (کام) میں اپنی طرف سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کی نیت رکھنا اور مخلوق کی خوشنودی اور رضامندی یا اپنی کسی خواہش کو اپنی نیت میں نہ ملنے دینا اخلاص ہے۔

2 اخلاص قرآن پاک کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں بار بار اخلاص اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ کچھ آیات یہ ہیں:

(1) مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ.

(سورۃ الاحزاب، آیت: 23-24)

(مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو وعدہ انہوں نے اللہ پاک سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر (وعدے) سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے

ہیں کہ انتظار کررہے ہیں اورانہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔تا کہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے)

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ

(i) مومنین میں کچھ لوگ اللہ پاک سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کی مکمل اطاعت (فرماں برداری) کرتے ہیں اوراس سے کیے ہوئے وعدے پورے کرتے ہیں۔

(ii) کچھ مومن اس سلسلے میں سستی بھی کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق کچھ کمزور ہوتا ہے۔وہ اللہ پاک کی فرماں برداری میں کچھ لا پرواہی کرتے ہیں۔

(iii) کچھ لوگ اللہ پاک کی محبت میں، اس کے راستے میں کوشش کرتے کرتے فوت ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی اس کے لیے خرچ ہو جاتی ہے۔وہ اپنا وعدہ پورا کر دکھاتے ہیں۔

(iv) کچھ مومن ابھی بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں دن رات کوشش کر رہے ہیں۔ جان اور مال لگا رہے ہیں اوراس امید پر ہیں کہ وہ اپنی پوری زندگی اس کی راہ میں لگا کر اپنے حقیقی مالک سے جلد جا ملیں گے اوراپنی بندگی کا وعدہ پورا کر کے دکھائیں گے۔

(v) اللہ تعالیٰ ان مومنوں کی اس پاک زندگی کا ضرور بدلہ دے گا۔ان سے اس دنیا میں اورآخرت میں خوش ہوگا۔ان کو کامیاب کرے گا۔ پریشانی اور تکلیف سے دور رکھے گا۔ان کوسلامتی عطا کرے گا۔ان کے کسی بھی عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔

(vi) سچے مومن کی زندگی خیر ہی خیر ہے۔اس کے لیے ناکامی کسی بھی حالت میں نہیں ہوسکتی۔وہ خیر اور برکت والی زندگی گزارتا ہےاورثواب (نیکیوں) کی دولت کے ساتھ مرتا ہے۔

(2) اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ. (سورۃ یونس،آیت:2)

(کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے رب کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے)۔

اس آیت پاک سے پتا چلتا ہے کہ خلوص والے لوگ دو کام کرتے ہیں:

(i) مخلوق کو اس کے پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں اس کا تعارف کراتے ہیں۔ اس پر ایمان نہ لانے کے برے نتائج سے خبردار کرتے ہیں۔

(ii) مومنوں کو خوشخبریاں دیتے ہیں کہ ان کا اللہ پاک پر ایمان لانا اور اچھے (نیک) کام کرنا بہت زیادہ فائدہ مند ہے۔ ان کو یہاں سکون اور امن ملے گا، برکت ملے گی اور آخرت میں جنت عطا ہوگی۔ جہاں دنیا کی ہر نعمت عطا ہوگی اور پسندیدہ زندگی ہوگی اور ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت اعلیٰ مقام ہوگا۔

(3) لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. (سورۃ الحشر، آیت:8)

(وہ مال ان غریب مہاجروں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال دیے ہیں۔ یہ لوگ اللہ پاک کا فضل اور اس کی خوشی چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت پر تیار رہتے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں)۔

اس آیت پاک سے مخلصین (نیت کے سچے لوگوں) کی یہ صفات معلوم ہوتی ہیں:

(i) وہ مقام درویشی پر فائز ہوتے ہیں۔ اپنا مال اور دولت اللہ پاک کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

(ii) وہ اللہ پاک کے راستے میں مہاجر بنتے ہیں۔ اگر کسی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری ممکن نہ ہو تو وہ اس علاقے سے ہجرت کر جاتے ہیں۔ ضرورت پڑے تو وہ اپنا وطن چھوڑ کر دور دراز علاقوں میں اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ اسی لیے ہمیں صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء کرامؒ کی قبریں اپنے آبائی وطن سے دور ملتی ہیں جہاں وہ اللہ پاک کے دین کے لیے ہجرت کر کے گئے اور وہاں اپنی پوری زندگیاں صرف کر دیں اور فوت ہو کر غیر ملکوں میں دفن ہو گئے۔

(iii) وہ اپنے وطن سے اس لیے نکال دیئے گئے کہ وہ اللہ پاک کا نام لیتے تھے۔ ان کے لیے اپنے

گھر میں زندگی تنگ کر دی گئی اور وہ اپنا دین اور جان بچا کر اپنے وطن سے ہجرت کر کے کہیں دور جا بسے۔ جیسا کہ ہجرت حبشہ اور ہجرتِ مدینہ منورہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نہایت اخلاص سے یہ کام کر کے دکھایا۔

(iv) جب وہ وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں تو اپنا مال اور دولت بھی پیچھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔

(v) یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے ہر کام سے اللہ پاک کا فضل، رضامندی اور خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ نہ تو وہ مال اور دولت چاہتے ہیں، نہ ہی شہرت اور نہ ہی کوئی دنیاوی عہدہ۔ وہ صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ پاک سے خوش اور اللہ پاک ان سے خوش ہوتا ہے۔

(vi) وہ صرف دین کے لیے جیتے ہیں اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے لیے تیار رہتے ہیں۔ دین کے ہر کام کے لیے تیار رہتے ہیں۔ دن ہو یا رات، صبح ہو یا شام، سردی ہو گرمی۔ وہ ان مشکلات سے بے پرواہ ہو کر ہر وقت بے چین رہتے ہیں کہ انہیں دین کی مدد اور سربلندی کا کوئی موقع ملے اور وہ اپنی جان اور مال اس کے لیے قربان کر دیں۔

(4) قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.

(سورۃ المائدہ، آیت:119)

(اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچ بولنے والوں کو ان کا سچ کام آئے گا۔ ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ ان سے اللہ پاک راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، یہی بڑی کامیابی ہے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ

(i) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچ بولنے والوں کو ان کی سچائی کام دے گی اور وہ اس کا انعام پائیں گے۔ ان کے لیے ان کی سچائی اور خلوص کے

بدلے میں جنت کی ایسی بے مثال کامیابی اور ہمیشہ کی نعمتوں سے قدر ہوگی، جس کا اس دنیا میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔

(ii) جو لوگ زندگی بھر حق اور سچائی کے راستے پر رہے ہوں گے، وہ اس دن اپنی اس سچائی کا انعام ہمیشہ کی کامیابی کی صورت میں پائیں گے۔ حساب و کتاب اور عدل وانصاف کا وہ دن سچے اور مخلصوں کے لیے کامیابیوں اور خواہشات کے پورا ہونے کا دن ہوگا۔

(iii) اصل اور حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے جو کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ اس جیسی اور کوئی کامیابی ممکن ہی نہیں۔ جن کو یہ بڑی کامیابی نصیب ہوگی وہی کامیاب ہوں گے۔ یہی وہ حقیقی کامیابی ہے جسے انسان کو ہر وقت اور ہر حال میں پیش نظر رکھنا چاہیے اور اسی کے لیے کوشش اور محنت کرنی چاہیے۔

(iv) اس دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے گا اور مومنین اللہ تعالیٰ سے خوش ہوں گے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُونَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ، فَيَقُولُ هَلْ رَضِيتُمْ؟، فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبِّ، وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: أَلَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ؟، فَيَقُولُونَ: يَا رَبِّ، وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ؟، فَيَقُولُ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا". (صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:2411)

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جنتیوں (جنت میں رہنے والوں) سے فرمائے گا کہ اے جنت والو! جنتی جواب دیں گے ہم حاضر ہیں اے ہمارے پروردگار! تیری سعادت حاصل کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا، کیا اب تم لوگ خوش ہوئے؟ وہ کہیں گے اب بھی بھلا ہم راضی نہ ہوں گے حالانکہ تو نے ہمیں وہ سب کچھ دے دیا، جو اپنی مخلوق کے کسی آدمی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ

میں تمہیں اس سے بھی بہتر چیز دوں گا۔ جنتی کہیں گے، اے رب! اس سے بہتر اور کیا چیز ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب میں تمہارے لیے اپنی رضا مندی (خوشی) کو ہمیشہ کے لیے کر دوں گا۔ اس کے بعد کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا)

(5) وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ.

(سورۃ البقرہ، آیت:207)

(دوسری طرف انسانوں ہی میں کوئی ایسا بھی ہے، جو اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ مومنین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا اور خوشی اور اس کی مخلوق کی حقیقی خیر خواہی ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے رب کی رضا کے لیے اپنی جانوں کا بھی سودا کر دیتے ہیں۔ ایسے بندوں کو اللہ پاک ضرور اپنی خاص عنایات (مہربانیاں) سے نوازے گا کہ وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔

(6) قُلۡ اِنَّ صَلَاتِىۡ وَنُسُكِىۡ وَمَحۡيَاىَ وَمَمَاتِىۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ. (سورۃ انعام، آیت:162)

(کہہ دو بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ پاک ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے)

اس آیت پاک میں خالص توحید کا نمونہ پیش کیا گیا ہے جس پر تمام انبیا علیہم السلام اور امت کے بڑے بزرگ عمل کرتے رہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مومن کی تمام جسمانی اور مالی عبادتیں صرف اور صرف اللہ پاک کے لیے ہوں۔ اس آیت میں سب سے پہلے نماز کا ذکر ہے کیونکہ وہ تمام نیک کاموں کی روح اور دین کا بنیادی ستون ہے۔ اس کے بعد تمام عبادات کا مختصر ذکر ہے۔ پھر اس سے ترقی کر کے پوری زندگی کے اعمال اور احوال کا ذکر اور آخر میں موت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان سب کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہماری یہ سب چیزیں صرف اللہ پاک کے لیے ہیں، جس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی کامل ایمان اور کامل اخلاص کا نتیجہ ہے کہ انسان

اپنی زندگی کے ہر حال میں اور ہر کام میں اس کو سامنے رکھے کہ میرا اور تمام جہانوں کا ایک رب ہے۔ میں اس کا بندہ ہوں اور ہر وقت اس کی نظر میں ہوں۔ میرا دل، دماغ، آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پیر، قلم اور قدم اس کی مرضی کے خلاف نہ اٹھے۔ یہ وہ مراقبہ ہے کہ اگر انسان اس کو اپنے دل اور دماغ میں بٹھالے تو صحیح معنوں میں کامل انسان ہوجائے اور گناہ اور جرم کا اس کے آس پاس بھی گزر نہ ہو۔

(7) قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۖ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (سورۃ اعراف، آیت:29)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہو، میرے رب نے تو انصاف کا حکم دیا ہے اور اس کا حکم تو یہ ہے کہ ہر عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اسی کو پکارو، اپنے دین کو اس کے لیے خالص رکھو)

اس آیت پاک میں

(i) انسان کو انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(ii) خالص نیت سے اللہ پاک کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(iii) صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(iv) اللہ پاک کے دین کے لیے مکمل طور پر وقف ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

(8) اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ.
(سورۃ آلِ عمران، آیت:162)

(کیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی رضا (خوشی) تلاش کرتا ہے اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی لے کر لوٹتا ہے اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے)

اس آیت پاک میں دو قسم کے کرداروں کا موازنہ کیا جارہا ہے:

(i) اللہ تعالیٰ کی رضا (خوشی) چاہنے والا۔

(ii) اللہ تعالیٰ کا غصہ اور سزا لینے والا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی چاہنے والا اور اس کے غصہ اور سزا کا حق دار ہرگز برابر نہیں ہوسکتے۔

جو انسان اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، اس کے ہر کام کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا کارفرما ہوتی ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین درجات، اعلیٰ مقامات اور ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ جو کفر اور نافرمانی میں آگے ہی بڑھتا چلا جائے اور آخر دم تک اللہ تعالیٰ کی بغاوت میں ہی سرگرم عمل رہے اس پر اللہ پاک کو غصہ آتا ہے۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ رضا والے اور دکھاوا کرنے والے اپنی آخرت کے حوالے سے کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔

اس آیت پاک میں بیان کیا گیا ہے:

(i) اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والے اور اس کی ناراضگی مول لینے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

(ii) اللہ پاک کی رضا چاہنے والے اور دکھاوا کرنے والے (ریاکار) کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔

(iii) اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے لیے بڑے درجات ہیں۔

(iv) اللہ پاک کی رضا چاہنے والوں سے اللہ پاک خوش ہوتا ہے۔

(v) ریاکاری سے اللہ پاک ناراض ہوتا ہے۔

(vi) ریاکاروں (دکھاوا کرنے والوں) کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(vii) اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا جہنم میں جائے گا۔

(viii) اللہ پاک کو خوش کرنے والا جنت میں جائے گا۔

(ix) مومن اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے۔

(x) جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہو سکتے۔

(9) وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (سورۃ البقرہ، آیت: 265)

(اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دل کی تسکین اور یقین کے لیے خرچ

کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو، اس پر زوردار بارش برسے تو وہ دوگنا پھل دے اگر اس پر تیز بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے)

اس آیت پاک میں ایسے لوگوں کی مثال دی گئی ہے جو اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اس کی مثال اس باغ جیسی ہے جو بلند اور ہموار زمین پر ہو۔ جس پر بارش نہ بھی ہو تو اسے شبنم ہی کافی ہوتی ہے۔

اللہ پاک کی رضا اور خوشی کے لیے کیے جانے والے صدقہ میں اگر کوئی کمی رہ بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی تلافی فرما دیتا ہے۔ کیونکہ صدقہ کرنے والا اس نیت کے ساتھ کر رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی مال تھا جو میں نے ضرورت مند بندوں پر خرچ کیا ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ ایسا شخص ظاہری دکھاوے، احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے پرہیز کرتا ہے۔ اس کی نیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی ہوتی ہے۔

پس اس آیت پاک سے ہمیں یہ نکات سمجھ آتے ہیں:

(i) اپنے مال کو صرف اللہ پاک کی رضا اور خوشی کے لیے خرچ کرنا چاہیے۔

(ii) اپنے مال کو اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کے ساتھ خوشی خوشی خرچ کرنا چاہیے۔

(iii) اللہ پاک کی رضامندی کے لیے خرچ کرنے والا نقصان نہیں اٹھاتا۔

(iv) اللہ پاک کی رضا اور خوشی ڈھونڈنے والوں کا انجام بہترین ہوگا۔

(v) ایمان والوں کے تمام کام ریاکاری (دکھاوے) سے پاک ہوتے ہیں۔

(vi) اللہ پاک کی خوشی اور رضامندی چاہنے والے لوگوں کے شکریہ اور بدلہ سے بے پرواہ ہوتے ہیں۔

(vii) آخرت میں اجر (انعام اور بدلہ) صرف انہیں لوگوں کو دیا جائے گا جو دنیا میں کام اللہ پاک کی رضا اور خوشی کے لیے کرتے ہیں۔

(viii) اللہ پاک کی رضامندی چاہنے والوں کی چھوٹی سی نیکی بھی ضائع نہیں ہوتی۔

(ix) اللہ پاک کی رضا چاہنے والوں کے لیے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔

(x) رضا کی مثال اس سرسبز باغ کی سی ہے جو ہر حال میں پھل دیتا ہے۔

(xi) ریا کاری اور دکھاوے سے نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

(10) فَادعُوا اللهَ مُخلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَو كَرِهَ الكَافِرُونَ. (سورۃ غافر، آیت:14)

(اللہ پاک کو اس طرح پکارو کہ تمہاری تابعداری خالص اسی کے لیے ہو، چاہے کافروں کو کتنا برا لگے)

اس آیت پاک میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ انسان کے تمام کاموں میں نیت خالصتاً اللہ پاک کی رضا اور خوشنودی کی ہونی چاہیے اور ریاکاری (دکھاوے) سے پاک ہونی چاہیں۔ ہمیں دھوکہ بازی، ظاہرداری اور دکھاوے کے کاموں سے بچتے رہنا چاہیے۔ اعمال (عمل) کرنے میں لوگوں کی پسند اور غیر پسند کو نظر انداز کر دینا چاہیے بلکہ اعمال (کام) اللہ پاک کی رضا اور خوشی کے لیے ہونے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہر وقت اور ہر حال میں سامنے رکھ کر کام کرنا چاہیے۔

(11) فَإِذَا رَكِبُوا فِي الفُلكِ دَعَوُا اللهَ مُخلِصِينَ لَهُ الدِّينَ. (سورۃ العنکبوت، آیت:65)

(جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ پاک کے لیے خالص کر کے اس سے مانگتے ہیں)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ

(i) مشکلات میں تمام انسان مدد کے لیے خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کو ہی مدد کے پکارتے ہیں۔

(ii) مومن تنگی اور آسانی ہر حال میں خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔

(iii) ہمیں ہر حال میں صرف اللہ پاک کو پکارنا چاہیے۔

(12) وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعبُدُوا اللَّهَ مُخلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ. (سورۃ البینۃ، آیت:5)

(اور انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ یکسو ہو کر اور فرماں برداری کی نیت سے اللہ پاک کی عبادت کریں)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ تمام امتوں کو ایک ہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک اللہ پاک کی عبادت کریں، جو ہر قسم کے شرک اور دکھاوے سے پاک اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ باطل

پر چلنے والے تمام گروہوں سے ہٹ کر ایک اللہ پاک کی طرف یکسو ہو جائیں۔ تمام عبادتیں صرف اور صرف اللہ پاک کے لیے کرنا ہی صحیح دین ہے جو آدمی کو اس کی رضا تک پہنچا دیتا ہے۔ اخلاص نیت اور دکھاوے سے بچنا انسان کے تمام اعمال (کاموں) کی بنیاد ہے۔

(13) اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ.

(سورۃ الانعام، آیت:79)

(میں نے اپنا رخ یکسو ہو کر اس کی طرف پھیر لیا ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں سے نہیں)

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان بیان فرما رہا ہے کہ انہوں نے یہ اعلان کر دیا تھا: میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف موڑ دیا ہے اور خود کو اس کے حوالے کر دیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات کا پیدا کرنے والا اور مالک ہے۔ جب کائنات کے پیدا کرنے اور حکومت میں کوئی اس کا شریک نہیں، تو پھر عبادت میں کس طرح کوئی اس کا شریک ہو سکتا ہے؟ میں ہر طرف سے یکسو ہو کر اسی کا ہو گیا ہوں۔ اور میرا ریاکاروں (دکھاوا کرنے والوں) اور مشرکوں سے کسی بھی طرح کا کوئی لگاؤ نہیں۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس شان اخلاص پر کمال تبصرہ فرمایا ہے:

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان کے بعد انہیں اپنا دوست (خلیل) کہا۔ دنیا کے تین بڑے مذاہب (یہودی، عیسائی اور مسلمان) آپ علیہ السلام کو اپنا قائد مانتے ہیں۔ حج اور اس کے شعار اس کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کے اخلاص کے سبب اللہ پاک نے ان کو ہمیشہ کے لیے دنیا کی امامت عطا فرمائی۔

ہم سب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول پر عمل پیرا ہونے اور اپنے اعمال (کاموں) میں

اخلاص پیدا کرنا چاہیے اور ریا کاری (دکھاوے) سے ہر صورت بچنا چاہیے۔اس کے بدلے میں اللہ پاک ہمیں عزت اور قبولیت عطا فرمائے گا۔

(14) وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ.

(سورۃ یونس،آیت:105)

(اور یہ کہ آپ اپنا چہرہ یکسو ہو کر اسی دین کی طرف سیدھا رکھیں اور مشرکوں سے ہرگز نہ ہونا)

اس آیت پاک میں ہمیں رب کی عبادت اور بندگی کے لیے یکسوئی کا حکم دیا گیا ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ ہمیں اپنے اعمال (کام) سرانجام دیتے وقت اللہ پاک کی رضا مندی اور خوشی کی نیت رکھنی چاہیے۔ ریا کاری (دکھاوے) سے بچنا چاہیے۔

(15) لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ .

(سورۃ الحج،آیت:37)

(اللہ پاک کو ان (قربانی کے جانوروں) کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے)

اس آیت پاک میں اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اصل عزت اور توقیر سچی نیت اور اخلاص ہی کی ہے۔ جب سچی نیت کے ساتھ کسی جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر اور اس کی رضا اور خوشی کے لیے قربان کیا جاتا ہے تو اس کا اجر اور ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا جاتا ہے ورنہ جانوروں کے گوشت اور ان کی کھالوں وغیرہ میں سے کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں پہنچتی۔ یہ سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے۔اس کے پاس تو صرف انسان کی نیت اور ارادہ پہنچتا ہے۔جن کے ایمان اور عقیدے درست اور پختہ ہوں، عمل اور کردار کے اعتبار سے صاف اور کھرے ہوں اور صدق اور اخلاص کی دولت سے مالا مال ہوں، وہی لوگ کامیاب ہیں۔

حقیقی کامیابی مخلصین ہی کو ملتی ہے خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں۔ ایسے لوگوں کو اپنے اخلاص اور کردار کی بنا پر دونوں جہاں کی کامیابی اور سعادت نصیب ہوگی۔اس سے ان کو دنیا

میں خیر اور برکت والی پاک زندگی نصیب ہوگی اور آخرت میں یہ جنت کی سدا بہار نعمتوں میں ہوں گے۔

(16) وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ○ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ○ إِنَّكُمْ لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ○ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ○ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ○ فَوَاكِهُ ۖ وَهُم مُّكْرَمُونَ ○ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ○ عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ○ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ○ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ○ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ.

(سورۃ الصافات، آیت:36-47)

(اور کہتے تھے کیا ہم ایک شاعر اور مجنون کی خاطر اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں؟ حالانکہ وہ حق لے کر آیا تھا اور اس نے پہلے رسولوں کی تصدیق کی تھی۔ تم ضرور دردناک عذاب کا مزا چکھنے والے ہو۔ تمہیں جو سزا دی جا رہی ہے وہ انہی اعمال کی ہے جو تم کرتے رہے ہو۔ اللہ پاک کے مخلص بندے اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ ان کے لیے طے شدہ رزق ہے۔ میوے ہیں، ان کی پوری پوری عزت ہوگی اور نعمت بھرے باغات ہیں۔ وہ اونچی نشستوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ شراب کے چشموں سے پیالے بھر بھر کر ان کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ شفاف شراب جو پینے والوں کے لیے لذت دار ہوگی۔ نہ اس سے سر میں درد ہو اور نہ وہ اس سے مدہوش ہوں)

ان آیات مبارکہ میں اللہ پاک نے اخلاص اختیار کرنے والوں پر کیے جانے والے انعامات کا ذکر فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنے تمام کاموں میں اخلاص کو سامنے رکھتے ہوئے ریاکاری (دکھاوے) سے بچتے رہیں گے، اللہ پاک ان کو قیامت کے دن عذاب سے محفوظ رکھے گا اور جنت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ اس آیت مبارکہ میں یہ نکات بیان کیے گئے ہیں:

(i) اہل اخلاص کو اللہ پاک جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

(ii) جنت میں داخل ہونے والے لوگ عقیدہ اور کردار کے اعتبار سے خالص اور مخلص ہوں گے۔

(iii) ان کی چاہت کے مطابق پھل اور رزق پیش کیا جائے گا۔

(iv) جنتیوں کی وہاں بہت عزت کی جائے گی۔

(v) جنتی ایک دوسرے کے سامنے مسندوں پر آرام فرما ہوں گے۔

(vi) اپنے پسندیدہ مشروبات (شربت) پئیں گے۔

(vii) جنت کے مشروبات (شربتوں) میں لذت ہی لذت ہوگی۔

(viii) جنت کے مشروبات سے سر درد نہ ہوگا اور نہ ہی طبیعت بھاری یا خراب ہوگی۔

(17) وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ. (سورۃ التوبہ، آیت: 107)

(بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس لیے کہ حق کی دعوت کو نقصان پہنچائیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کی بجائے کفر کریں اور ایمان والوں میں پھوٹ (تفرقہ اور لڑائی) ڈالیں اور اس بظاہر عبادت گاہ کو اس شخص کے لیے مورچہ بنائیں جو اس سے پہلے اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا دوسری چیز کا نہ تھا مگر اللہ پاک گواہ ہے کہ وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں)

کچھ منافقوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے مسجد ضرار بنائی تھی۔ اس کا مقصد دین کی دعوت کو نقصان پہنچانا، اللہ پاک کی عبادت کی بجائے کفر کرنا اور ایمان والوں میں تفرقہ اور دشمنی ڈالنا تھا۔ اس مسجد کو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں (منافقوں) کے لیے مورچہ بنانا چاہا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس مسجد کو ختم کر دیا۔

اس واقعہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اصل نیکی، نیت کا خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا ہے۔ خواہ انسان کوئی بھی کام کرے وہ اس وقت تک نیکی شمار نہیں ہوگا جب تک نیت درست نہ ہو۔ مسجد

بنانا ظاہری طور پر نیکی کا کام ہے اگر اسے بنانے میں بھی نیت درست نہ ہو تو یہ بھی نیکی نہیں بلکہ برائی شمار ہوتی ہے۔

(18) هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ. (سورۃ یونس، آیت:22)

(وہی ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ انھیں لے کر موافق ہوا کے ساتھ چل پڑتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں تو ان کشتیوں کے مخالف ہوا آجاتی ہے اور ان پر ہر مقام سے موجیں چھا جاتی ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یقیناً ان کو گھیر لیا گیا ہے، تو اللہ پاک کو اس طرح پکارتے ہیں کہ ہر قسم کی عبادت اس کے لیے خالص کرنے والے ہوتے ہیں یقیناً اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی، تو ہم ضرور شکر کرنے والوں سے ہوں گے)

اس آیت پاک میں مثال کے طور پر انسان کے رویے کو بیان کیا گیا ہے کہ جب اس پر مشکلیں آتی ہیں تو وہ ظاہری دکھاوے کو چھوڑ کر خالصتاً اللہ تعالیٰ کو مدد کے لیے پکارنے لگتا ہے۔ اپنی تمام عبادات میں خلوص نیت کا خاص طور پر اہتمام کرتا ہے اور یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ ضرور اللہ پاک کا شکر گزار بندہ بن کر زندگی گزارے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مشکلیں ہوں یا آسانیاں، ہر حال میں تمام کام اللہ پاک کی رضا اور خوشی کے لیے کرنے چاہئیں۔ ریا کاری اور دکھلاوے سے دور رہنا چاہیے۔

(19) قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:139)

(آپ فرما دیں کہ کیا تم اللہ پاک کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے؟ ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، ہم تو اسی کے لیے خالص

ہو چکے ہیں)

اس آیت پاک سے یہ نکات سمجھ آتے ہیں:

(i) ہم سب کا رب ایک اللہ پاک ہے۔

(ii) ہر کوئی اپنے اعمال (کام) کا جواب دہ ہے۔

(iii) سچا مسلمان وہ ہے جو اپنے رب کے لیے مخلص ہو جائے۔

(iv) مومن کی عبادات ریا کاری (دھوکے اور دکھاوے) سے پاک ہوتی ہیں۔

(v) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اخلاص کا حکم دیا گیا ہے۔

(vi) تمام امتوں کو اخلاص کا حکم دیا گیا تھا۔

(vii) مخلص بندوں پر شیطان قابو نہیں پا سکتا۔

(20) لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا.

(سورۃ النساء، آیت:114)

(لوگوں کی سرگوشیوں (چپکے چپکے باتیں کرنے) میں اکثر کوئی بھلائی نہیں ہوتی مگر جو شخص صدقے کا یا نیک باتوں کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کی نیت سے یہ کرے، اسے ہم یقیناً بڑا اجر (انعام) عطا فرمائیں گے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ

(i) ہمیں سرگوشیاں (چپکے چپکے باتیں) نہیں کرنی چاہئیں۔

(ii) صدقہ دینے کے بارے میں سرگوشی کی جا سکتی ہے۔

(iii) کسی نیک کام میں سرگوشی کرنے کی اجازت ہے۔

(iv) دوسروں کے درمیان صلح کروانے کے لیے سرگوشی سے کام لیا جا سکتا ہے۔

(v) ہمیں ہر نیکی صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا اور خوشی کی نیت سے کرنی چاہیے۔

(vi) جو انسان بھی یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کی نیت سے کرے گا، اللہ پاک اسے اجر (انعام) عطا فرمائے گا۔

(vii) ریاکاری اور دکھاوے کے لیے کی گئی کسی بھی نیکی کا کوئی اجر (انعام) نہیں ملے گا۔

3 اخلاص احادیث کی روشنی میں

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اخلاص کی اہمیت کو کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

(1) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لِامْرِءٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:430)

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے۔ جس آدمی نے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ پاک اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کمانے کی نیت سے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے، اس کی ہجرت انہی چیزوں کی طرف ہوگی)

(2) عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّمَا الدِّينُ النَّصِيحَةُ"، قَالُوا: لِمَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟، قَالَ: "لِلّٰهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَامَّتِهِمْ". (سنن نسائی، ج:3، رقم الحدیث:506)

(حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین اخلاص ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کس کے ساتھ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک کے ساتھ (اس کی عبادت سچے دل سے کرے) اور اس کی کتاب کے ساتھ (اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کرے) اور اس کے رسول کے ساتھ (یقین رکھے) اور تمام

مسلمانوں اور امام کے ساتھ)

(6) قَالَ أَبُو ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَخْلَصَ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ، وَجَعَلَ قَلْبَهُ سَلِيمًا، وَلِسَانَهُ صَادِقًا، وَنَفْسَهُ مُطْمَئِنَّةً، وَخَلِيقَتَهُ مُسْتَقِيمَةً، وَجَعَلَ أُذُنَهُ مُسْتَمِعَةً، وَعَيْنَهُ نَاظِرَةً".

(مسند احمد، ج:9، رقم الحدیث:1422)

(حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے دل کو ایمان کے لیے خالص کر لیا۔ اسے قلب سلیم (بغض، حسد اور برے کاموں سے پاک دل)، لسان صادق (سچ بولنے والی زبان)، نفس مطمئنہ (اللہ پاک کی تابعداری پر سکون حاصل کرنے والی طبیعت) اور خلاق حسنہ عطا کیے گئے ہوں)

(4) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا صَلَّى فِي الْعَلَانِيَةِ فَأَحْسَنَ، وَصَلَّى فِي السِّرِّ فَأَحْسَنَ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: هٰذَا عَبْدِي حَقًّا". (سنن ابن ماجہ، ج:3، رقم الحدیث:1080)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ کھلے طور پر سب کے سامنے نماز پڑھتا ہے اور خوبی کے ساتھ پڑھتا ہے اور جب چھپ کر (تنہائی میں) پڑھتا ہے تو اس وقت بھی اسی خوبی کے ساتھ پڑھتا ہے جس خوبی کے ساتھ کہ سب کے سامنے پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا یہ بندہ صدق کا حامل ہے)

(5) عَنِ الْمُهَاصِرِ بْنِ حَبِيبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: إِنِّي لَسْتُ كُلَّ كَلَامِ الْحَكِيمِ أَتَقَبَّلُ وَلٰكِنِّي أَتَقَبَّلُ هَمَّهُ وَهَوَاهُ فَإِنْ كَانَ هَمُّهُ وَهَوَاهُ فِي طَاعَتِي جَعَلْتُ صَمْتَهُ حَمْدًا لِي وَقَارًا وَإِنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ". (سنن دارمی، ج:1، رقم الحدیث:254)

(مہاصر بن حبیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں سمجھ دار آدمی کی ہر بات قبول نہیں کرتا بلکہ میں اس کی خواہش اور ارادے

کو قبول کرتا ہوں۔ اگر اس کی خواہش اور اس کا ارادہ میری فرماں برداری (تابعداری) کا ہو تو میں اس کی خاموشی کو بھی اپنی حمد اور عزت قرار دیتا ہوں اگر چہ وہ کوئی بھی بات نہ کرے)

(6) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ، فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَأَزِيدُ، وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَجَزَاؤُهُ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا أَوْ أَغْفِرُ، وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، وَمَنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً، وَمَنْ لَقِيَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِيئَةً لَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَقِيتُهُ بِمِثْلِهَا مَغْفِرَةً".

(صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:2332)

(حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کو اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور جس کو چاہتا ہوں (اس کے اخلاص کے مطابق) اس سے بھی زیادہ دیتا ہوں۔ جو شخص کوئی برائی کرتا ہے تو اس کو اسی برائی کے برابر سزا ملتی ہے یا میں اسے بھی معاف کر دیتا ہوں۔ جو شخص (اطاعت اور فرماں برداری کے ذریعے) ایک بالشت (انگلی) میری طرف آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف آتا ہوں۔ جو شخص میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے میں اس کی جانب دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے برابر بڑھتا ہوں۔ جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ جو شخص زمین کے برابر بھی گناہ لے کر مجھ سے ملے گا بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شریک نہ کیا ہو (تو اگر میں چاہوں گا) تو اس کو زمین کے برابر ہی مغفرت عطا کروں گا)

(7) عَنْ خَبَّابٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَلْتَمِسُ وَجْهَ اللّٰهِ فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللّٰهِ، فَمِنَّا مَنْ مَاتَ لَمْ يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ فَلَمْ نَجِدْ مَا نُكَفِّنُهُ إِلَّا بُرْدَةً إِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَأْسَهُ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ وَإِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ

رَأْسُهُ، فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ، وَأَنْ نَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ". (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1222)

(حضرت خباب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔اس سے ہمارا مقصد صرف اللہ پاک کی رضا تھی۔ ہمارا اجر (انعام) اللہ تعالیٰ کے ذمہ رہا۔ہم میں سے کچھ لوگ ایسی حالت میں فوت ہوئے کہ اجر (انعام) کا کوئی حصہ نہ کھا سکے۔انہی میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے اور ہم میں کتنے لوگ وہ ہیں جن کے لیے اس کا پھل پک گیا اور کھاتے ہیں۔حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جنگ احد کے دن شہید ہوئے تو ہمیں ان کے کفن کے لیے صرف ایک ایسی چادر ملی کہ ان کے سر کو ڈھانپا جاتا تو دونوں پاؤں کھل جاتے اور جب دونوں پاؤں چھپاتے تو ان کا سر کھل جاتا۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ان کے سر کو چھپائیں اور دونوں پاؤں پر اذخر (گھاس) ڈال دیں)

(8) عَنْ أَبِي وقاص رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ وَجَعٍ اشْتَدَّ بِي، فَقُلْتُ: إِنِّي قَدْ بَلَغَ بِي مِنَ الْوَجَعِ وَأَنَا ذُو مَالٍ وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي، قَالَ:" لَا". فَقُلْتُ: بِالشَّطْرِ، فَقَالَ: "لَا". ثُمَّ قَالَ: "الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَبِيرٌ أَوْ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ، وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ".

(صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1238)

(حضرت ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع (اپنے آخری حج) کے سال میری اس بیماری میں عیادت (بیمار پرسی) کی جو اس سال مجھے بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے بیماری ہوگئی اور میں مال دار ہوں۔ میرے وارث سوائے میری بیٹی کے اور کوئی نہیں۔کیا میں اپنا دو تہائی (دو حصے) مال صدقہ نہ کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ نصف (آدھا)؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تہائی (تیسرا حصہ) اور تہائی بھی بڑی ہے۔ تو اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑے اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج (غریب) چھوڑے کہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔ تم جو بھی اللہ پاک کی رضا اور خوشی کے لیے خرچ کرتے ہو اس پر تمہیں اجر (انعام) دیا جائے گا، یہاں تک کہ جو لقمہ (نوالہ) تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو اس پر بھی تمہیں اجر (انعام) دیا جائے گا)

(9) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَرْفَعُهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَاتٍ، وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللَّهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1425)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بعض دفعہ بندہ اللہ پاک کی رضا مندی کی بات کرتا ہے اور اسے معلوم (پتا) بھی نہیں ہوتا لیکن اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کرتا ہے اور بعض دفعہ بندہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی بات بولتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتا لیکن اس کے سبب سے وہ جہنم میں گر جاتا ہے)

(10) عَنْ أَبِي كَبْشَةَ الْأَنَّمَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "ثَلَاثَةٌ أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ، قَالَ: مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ، وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً فَصَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللَّهُ عِزًّا، وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا، وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا فَاحْفَظُوهُ، قَالَ: إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ: عَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَيَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَيَعْلَمُ لِلَّهِ فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ، يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَلَا يَعْلَمُ لِلَّهِ

فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللَّهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا، فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ".

(جامع ترمذی، ج:2، رقم الحدیث:211)

(حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تین چیزوں کے متعلق قسم کھاتا ہوں اور تم لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہوں تم لوگ یاد رکھنا:

(i) کسی صدقہ (خیرات) کرنے والے کا مال صدقہ کرنے سے کبھی کم نہیں ہوتا۔

(ii) کوئی مظلوم ایسا نہیں کہ اس نے ظلم پر صبر کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی عزت نہ بڑھائیں۔

(iii) جو شخص اپنے اوپر سوال (مانگنے) کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے غریبی کا دروازہ کھول دیتے ہیں یا پھر اسی طرح کچھ فرمایا۔

(iv) یاد رکھو کہ دنیا چار قسم کے لوگوں پر مشتمل ہے:

(ا) ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دونوں دولتوں سے نوازا ہو اور وہ اس میں تقویٰ اختیار کرتا ہو، صلہ رحمی کرتا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہو، یہ سب سے افضل ہے۔

(ب) وہ شخص جسے علم تو عطا کیا گیا لیکن دولت سے نہیں نوازا گیا۔ وہ سچے دل سے اپنی اس خواہش کا اظہار کرے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی جس سے میں فلاں شخص کی طرح عمل کرتا۔ ان دونوں (ا اور ب) شخصوں کے لیے برابر اجر اور ثواب ہے۔

(ج) ایسا مال دار جو علم کی دولت سے محروم ہو اور اپنی دولت کو ناجائز جگہوں پر خرچ کرے۔ نہ اس کے کمانے میں اللہ پاک سے ڈرتا ہو اور نہ اس سے صلہ رحمی کرے اور نہ ہی اس کی زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے یہ شخص سب سے برا ہے۔

(د) ایسا شخص جس کے پاس نہ دولت ہے اور نہ علم لیکن اس کی خواہش ہے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی تو میں فلاں (نمبر ج) کی طرح خرچ کرتا یہ شخص بھی اپنی نیت کا جواب دہ ہے اور ان دونوں (ج اور د) کا گناہ بھی برابر ہے)

(11) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:

"ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ صَدْرُ مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَمُنَاصَحَةُ أُولِي الْأَمْرِ وَلُزُومُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيطُ مِنْ وَرَائِهِمْ ".

(مسند احمد، ج:5، رقم الحدیث:2312)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:
تین باتوں پر مسلمانوں کے دل میں خیانت پیدا نہیں ہوتی:

(i) عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے کیا جائے۔

(ii) حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی کی جائے۔

(iii) مسلمانوں کی اکثریت کے ساتھ رہے کیونکہ ان کی دعا سب کو شامل ہوتی ہے۔

(12) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ: "لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ، لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ: مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ ".

(صحیح بخاری، ج:3، رقم الحدیث:1514)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی سعادت سب سے زیادہ کون شخص حاصل کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) میرا خیال تھا کہ تم سے پہلے کوئی شخص مجھ سے اس بات کے متعلق سوال نہیں کرے گا۔ اس وجہ سے کہ میں نے تم کو حدیث کے بارے میں بہت زیادہ خواہش (حرص) کرتے دیکھا ہے۔ قیامت کے دن میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق حاصل کرنے والا وہ شخص ہوگا جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ خلوص دل سے کہا ہو)

(13) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ، فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ ".

(سنن ابوداؤد، ج:2، رقم الحدیث:1431)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لیے خلوص دل سے مغفرت کی دعا کرو)

(14) عن حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِخْلَاصِ، مَا هُوَ ؟ قَالَ: "سَأَلْتُ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنِ الْإِخْلَاصِ، مَا هُوَ ؟ قَالَ : سَأَلْتُ رَبَّ الْعِزَّةِ عَنِ الْإِخْلَاصِ، مَا هُوَ ؟ قَالَ: سِرٌّ مِنْ أَسْرَارِي، اسْتَوْدَعْتُهُ قَلْبَ مَنْ أَحْبَبْتُ مِنْ عِبَادِي ".

(مسند الفردوس بماثور الخطاب، رقم الحدیث:4513)

(حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اخلاص کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ اخلاص کیا ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا تھا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ اخلاص کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جس کو میں نے اس بندے کے دل میں رکھا ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں)

(15) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ، فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا ؟، قَالَ: قَاتَلْتُ فِيكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُ، قَالَ: كَذَبْتَ، وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِيءٌ، فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ، فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا ؟، قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ، قَالَ: كَذَبْتَ، وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ، فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ، فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا ؟، قَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا

أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ، قَالَ: كَذَبْتَ، وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَّادٌ، فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ". (صحیح مسلم، ج:3، رقم الحدیث:426)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن جن کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا، وہ تین طرح کے لوگ ہوں گے:

(i) سب سے پہلے شہید کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر اپنے انعامات (نعمتیں) گنوائے گا۔ وہ ان سب کا اعتراف (اقرار، تسلیم) کرے گا۔ اللہ پاک پوچھے گا کہ پھر تو نے کیا کام کیے؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ اللہ پاک فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے اس لیے قتال کیا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے، سو وہ کہا جا چکا۔ اس کے بعد حکم ہوگا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(ii) وہ آدمی جس نے علم سیکھا اور سکھایا ہوگا اور قرآن پاک پڑھ رکھا ہوگا، اسے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اپنے انعامات (نعمتیں) شمار کروائے گا اور وہ ان سب کا اعتراف (اقرار، تسلیم) کرے گا۔ اللہ پاک پوچھے گا کہ تو نے کیا نیک کام کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا اور (تیری رضا اور خوشی کے لیے) دوسروں کو سکھایا اور (تیری رضا کے لیے) قرآن پاک پڑھا۔ اللہ پاک فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے علم اس لیے حاصل کیا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے، وہ کہا جا چکا اور تو نے قرآن پاک اس لیے پڑھا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے، وہ بھی کہا جا چکا۔ اس کے بعد حکم ہوگا اور اسے بھی چہرے کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(iii) تیسرا وہ آدمی ہوگا جس پر اللہ پاک نے کشادگی (رزق اور مال کی زیادتی) فرمائی اور اسے ہر قسم کا مال عطا فرمایا ہوگا، اسے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اپنے انعامات (نعمتیں) شمار کروائے گا اور وہ ان سب کا اعتراف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ پھر تو نے ان میں کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیرے راستہ میں تیری رضا حاصل کرنے کے لیے مال

خرچ کیا۔ اللہ پاک فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو نے یہ کام اس لیے کیا تھا کہ تجھے بڑا سخی کہا جائے، وہ کہا جا چکا۔ اس کے بعد حکم ہوگا اور اسے بھی چہرے کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا)

(16) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"، يَعْنِي رِيحَهَا.

(سنن ابوداؤد، ج:3، رقم الحدیث:272)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے وہ علم کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی (رضامندی اور خوشی) حاصل کی جاتی ہے اس لیے سیکھا کہ اس کے ذریعہ دنیا کا کچھ مال اور دولت مل جائے تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو کو بھی نہیں پا سکے گا)

(17) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَرَأَيْتَ رَجُلًا غَزَا يَلْتَمِسُ الْأَجْرَ وَالذِّكْرَ مَالَهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا شَيْءَ لَهُ". فَأَعَادَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. يَقُولُ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا شَيْءَ لَهُ". ثُمَّ قَالَ: "إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا، وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ". (سنن نسائی، ج:2، رقم الحدیث:1053)

(حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو کوئی شہرت یا پھر مال کے لالچ میں جہاد کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو کسی قسم کا ثواب نہ ملے گا۔ اس شخص نے یہ سوال تین مرتبہ پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں بار یہی جواب دیا کہ اسے کسی قسم کا ثواب نہ ملے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے ہو۔ اس سے اس کی رضامندی چاہتا ہو)

(18) عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ". قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ؟ قَالَ: "الرِّيَاءُ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ: يَوْمَ تُجَازَى الْعِبَادُ بِأَعْمَالِهِمْ اذْهَبُوا إِلَى الَّذِينَ كُنْتُمْ تُرَاءُونَ بِأَعْمَالِكُمْ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً". (مسند احمد، ج:9، رقم الحدیث:3602)

(حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ شرک اصغر (چھوٹے شرک) کا خوف ہے۔عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ریاکاری۔اللہ پاک قیامت کے دن جب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا (بدلہ) دے گا تو ریاکاروں سے فرمائے گا: دنیا میں جنہیں دکھانے کے لیے تم اعمال کیا کرتے تھے انہی کے پاس جاؤ، دیکھو ان کے پاس تمہیں بدلہ ملتا ہے)

4 اخلاص کے درجات

اخلاص نیت کے تین درجے ہیں، جو یہ ہیں:

(1) اخلاص کا پہلا درجہ یہ ہے کہ کام کرتے وقت انسان کی نیت صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا مندی اور خوشی ہو۔مثال کے طور پر ہم نماز پڑھیں اور نیت یہ ہو کہ اللہ پاک ہم سے راضی ہوگا، اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہو۔اخلاص کا یہ درجہ مکمل اخلاص کہلاتا ہے اور یہی مقصد اور کمال ہے۔

(2) اخلاص کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کوئی کام کرتے وقت کچھ بھی نیت نہ ہو بلکہ یونہی معمول کے مطابق کام کرلیا جائے۔یہ اخلاص کا دوسرا درجہ ہے۔مثال کے طور پر معمول کے مطابق نماز پڑھ لی، نہ تو اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشی کا خیال دل میں ہو اور نہ ہی دوسروں کو دکھانے کا۔یہ درمیانی درجہ ہے۔

اخلاص کا یہ درجہ اونچا درجہ نہیں اور اخلاص کے خلاف بھی نہیں۔یہ درجہ اخلاص کے پہلے درجہ

سے قریب ہے۔ بعض دفعہ ہم کوئی کام کرتے ہیں اور نیت کوئی بھی نہیں ہوتی۔ جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود ہونے لگتا ہے۔ اس کے لیے بار بار ارادہ اور نیت نہیں کرنی پڑتی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کام کرنے کی نیت بھی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی خاص مقصد پر نظر نہیں ہوتی۔ بار بار کرنے کی وجہ سے عادت بن جاتی ہے۔

(3) اخلاص کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان دوسروں کو دکھانے کی نیت سے نیک کام کرے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ریا کاری ہے، جس سے اللہ پاک نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ انسان نماز اس نیت سے پڑھے کہ ہماری عاجزی اور عبادت کو دیکھ کر لوگ ہمارے عقیدت مند (ماننے والے) ہو جائیں گے۔ اسے اخلاص فاسدہ (نقصان دینے والا) یا ریا کاری کہتے ہیں اور یہ اخلاص کے بالکل الٹ ہے۔

5 اخلاص کے اعمال کی تفصیل

اخلاص کے حوالے سے اعمال کی بہت سی اقسام ہیں: جیسے کام، بات، حرکت وسکون، غور وفکر اور ذکر وغیرہ۔ یہ قسمیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا لیکن مجموعی طور پر ان کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں: معاصی (گناہ)، طاعات (عبادت) اور مباحات (جائز کام جن کا شریعت نے نہ تو حکم دیا ہو اور نہ ہی منع کیا ہو)۔ نیت کے اخلاص کی وجہ سے ان تینوں قسموں میں جو تبدیلی ہوتی ہے وہ یہ ہے:

(1) معاصی (گناہ)

اچھی نیت سے گناہ ختم یا کم نہیں ہوتا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے (صحیح بخاری، ج:1، رقم الحدیث:1)، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر اچھی نیت سے کوئی گناہ کیا جائے تو اس پر مواخذہ (جواب طلبی یا باز پرس) نہیں ہوگا یا پھر وہ گناہ نیکی میں بدل جائے گا۔ اگر کوئی شخص ایسا سوچتا ہے تو یہ اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص کی دل جوئی کے لیے کسی دوسرے کی غیبت کرنا یا کسی فقیر کو غیر کا مال

دے دینا یا حرام مال سے مسجد، مدرسہ یا ہسپتال تعمیر کرانا اور یہ سمجھنا کہ میں اچھے کام کر رہا ہوں اور مجھے ان کاموں پر ثواب ملے گا۔ یہ سب باتیں جہالت ہیں۔ نیت سے کوئی ظلم انصاف میں نہیں بدلتا اور نہ حرام چیز حلال میں تبدیل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف کام کرنے پر اچھائی کی نیت کرنا غلطی ہے۔ دین ہمیں اچھائی اور برائی (نیکی اور گناہ) کا فرق بتلاتا ہے اور اچھے اور برے کاموں سے آگاہ کرتا ہے۔ نیکی اور گناہ میں بڑا فرق ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ برائی، اچھائی میں بدل جائے۔ جب انسان ظاہری شان اور عزت کا خواہش مند ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو شیطان اس موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کے دل میں یہ خیال ڈال دیتا ہے کہ اگر نیت اچھی رکھی جائے تو برے کام بھی اچھے ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کی کوئی نافرمانی جہالت سے بڑھ کر نہیں ہے۔

(2) طاعات (عبادات)

طاعات میں خلوص نیت کا تعلق دو باتوں سے ہے: (i) اصول صحت اور (ii) ثواب کی زیادتی

(i) اصول صحت میں خلوص نیت کے معنی یہ ہیں کہ ہر عمل میں خالصتاً اللہ تعالیٰ کی عبادت اور رضا کی نیت کی جائے۔

(ii) ثواب کی زیادتی کی صورت یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اچھی نیتیں کی جائیں۔ ایک عمل سے بہت سی نیتیں کی جاسکتی ہیں۔ ہر نیت کا ثواب الگ الگ ملتا ہے۔ کیونکہ ہر نیت خود نیکی ہوتی ہے۔ پھر ہر نیکی کا اجر دس گناہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مسجد میں بیٹھنا ایک عبادت ہے۔ اس عبادت میں بہت سی نیتیں کی جاسکتی ہیں جیسا کہ

(ا) مسجد اللہ پاک کا گھر ہے اور اس میں داخل ہونے والا اللہ تعالیٰ کا زائر (زیارت کرنے والا یا مہمان) ہے۔

(ب) مسجد میں بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی نیت۔

(ج) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کی نیت۔

(د) اعتکاف کی نیت وغیرہ۔

(3) مباحات (جائز کام)

تمام مباحات کا نیت کے اخلاص سے گہرا تعلق ہے۔کوئی بھی مباح کام نیت کے درست ہونے سے ثواب کا کام بن جاتا ہے اور اسی طرح نیت کے غلط ہونے سے گناہ کا کام ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہننا انسان کو پسند ہے۔ اگر انسان اچھے کپڑے اس نیت سے پہنے کہ دوسروں پر اس کا رعب ہو، لوگ اس کی شان سے ڈریں تو اس نیت کی وجہ سے یہ کام ریا کاری (دکھاوا) بن جائے گا۔ اگر اس کی نیت یہ ہو کہ اللہ پاک نے صاف ستھرے کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے، تو انسان کا یہ عمل نیکی شمار ہو گا۔

اگر کوئی شخص بے نمازی کو اس نیت سے صدقہ دے کہ جب میں اس کو دوں گا تو یہ مجھ سے محبت کرنے لگے گا اور پھر اس کو نماز کا شوق دلاؤں گا تو اس کا اجر (انعام) بھی بڑھ جائے گا۔ اسی طرح دکان کھولنا، خوشبو لگانا، مکان بنانا وغیرہ، یہ سب کام مباح ہیں۔ نہ ان کے کرنے میں کچھ گناہ ہے نہ ثواب۔ لیکن اگر دکان اس نیت سے کھولی کہ اس کے ذریعے سے روپیہ کما کر غریبوں اور مسکینوں کی مدد یا مسلمانوں کی ضروریات پوری کروں گا یا اس سے میں دنیا والوں سے بے پروا (استغنا) ہو جاؤں گا، تو ایسا کام، کاروبار، اچھی نیت کی وجہ سے عبادت بن جائے گا۔

6 اخلاص کے ثمرات

اخلاص کے فائدے بڑے عظیم ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(1) اخلاص والوں میں یہ تین باتیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی اللہ پاک سچی نیت والوں کو ان تین نعمتوں سے ضرور نوازتا ہے:

(i) ان کی باتوں میں مٹھاس (حلاوت) پائی جاتی ہے۔

(ii) دوسرے کے دل میں ان کا رعب ہوتا ہے۔

(iii) ان کے چہرے پر رونق ہوتی ہے۔

(2) اخلاص سے دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں ملتی ہیں۔

(3) اخلاص اعمال (نیکیوں) کے قبول ہونے کا سبب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کیا جائے۔

(4) اخلاص سے بندے کو اللہ پاک اور فرشتوں کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

(5) زمین پر رہنے والوں کے دلوں میں اس کی مقبولیت (شہرت اور محبت) لکھ دی جاتی ہے۔

(6) اخلاص تمام اعمال (نیکیوں) کی بنیاد اور روح ہے۔

(7) اخلاص سے چھوٹی سی نیکی اور معمولی دعا پر بھی بہت زیادہ اجر (انعام) ملتا ہے۔

(8) سچی نیت والوں کا ہر کام جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشی ہو، لکھا جاتا ہے چاہے وہ کام مباح ہی ہو۔

(9) اخلاص والا بندہ جس کام کی بھی نیت کرتا ہے اس کا ثواب لکھ لیا جاتا ہے اگرچہ وہ کام نہ کر سکے۔

(10) اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسانوں کی مدد فرماتا ہے۔

(11) اخلاص آخرت کے عذاب سے بچاتا ہے۔

(12) اخلاص کے سبب اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات بلند ہوتے ہیں۔

(13) اخلاص کے سبب گمراہی سے نجات ملتی ہے۔

(14) اخلاص ہدایت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔

(15) اخلاص سے دل کو اطمینان اور سکون ملتا ہے اور انسان کو خوش قسمت ہونے کا احساس ہوتا ہے۔

(16) اخلاص سے انسان کے دل میں ایمان مضبوط ہوتا ہے۔

(17) اچھے اور نیک لوگوں کے ساتھ بیٹھنا (صحبت) ملتی ہے۔

(18) اخلاص سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

(19) اخلاص سے ایمان والی موت نصیب ہوتی ہے۔

(20) اخلاص سے جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات عطا ہوتی ہے۔

7 اخلاص کے بارے میں اقوال

اخلاص کے بارے میں صوفیائے کرامؒ سے بہت مفید باتیں روایت کی گئی ہیں:

(1) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے: بندہ اپنے دین اور عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کردے۔ اپنے دین میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اور نہ کسی کو دکھانے کے لیے عمل کرے۔

(2) حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص عمل سے ریاکاری (دکھاوے) کو ختم کردینے کا نام ہے۔

(3) حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص وہ چیز ہے جس سے حق اور صداقت (سچائی) مقصود ہو۔

(4) حضرت حذیفہ مرعشیؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے: انسان کے ظاہری اور چھپے اعمال (کام) ایک جیسے ہوں۔

(5) حضرت ابو یعقوب مکفوفؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے: انسان جس طرح چاہتا ہے کہ اس کے گناہ لوگوں کی نظروں سے چھپے رہیں اسی طرح اس بات کو بھی پسند کرے کہ اس کی نیکیاں بھی دوسروں کی نظر سے چھپی رہیں۔

(6) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص صرف صداقت (سچائی) اور اس پر صبر کے ذریعے مکمل ہوتا ہے اور صدق اس صورت میں پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے کہ اس میں اخلاص ہو اور اس پر ہمیشہ عمل کیا جائے۔

(7) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص کی تین نشانی ہیں:

(i) عمل (نیکیوں) کا ثواب آخرت میں چاہنا۔

(ii) اعمال (نیکیوں) میں ریاکاری (دکھاوا) کو بھول جانا۔

(iii) عام لوگوں کی طرف سے تعریف اور مذمت سے بے پروا ہو جانا۔

(8) حضرت ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا ہمیشہ اپنی نیکیوں کی بجائے اپنے پیدا کرنے والے پر

نظر رکھنا اخلاص ہے۔

(9) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اعمال (نیکیاں) صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا اور خوشی کے لیے کیے گئے ہوں، وہ اخلاص ہے۔

(10) حضرت ابوعثمان مغربیؒ فرماتے ہیں کہ

(i) اخلاص یہ ہوتا ہے کہ انسان کی ایسی حالت ہو جس میں نفسانی خواہش کا دخل نہ ہو۔

(ii) انسان اپنی تمام تر توقعات مخلوق کی بجائے اللہ پاک سے جوڑے۔

(11) حضرت ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں کہ جب بندہ مخلص ہو جائے تو اس سے وسوسے (بدگمانیاں) اور ریا (دکھاوا) ختم ہو جاتی ہے۔

(12) حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن تک اخلاص کا مظاہر کرنے والے بندے کے دل سے حکمت اور دانائی زبان پر آ جاتی ہے۔

(13) حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ عمل کے ذریعے اللہ پاک کے حقوق کی ادائی اخلاص ہے۔

(14) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مطابق اخلاص یہ ہے کہ انسان کوئی بھی عمل (نیکی) کسی انسان سے بدلہ (انعام) حاصل کرنے کے لیے نہ کرے بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے حصول کے لیے کرے۔

(15) حضرت اردشیر العبادیؒ فرماتے ہیں کہ

(i) جس طرح جسم کے بغیر جان کی کوئی قدر نہیں ہوتی، اسی طرح عبادت بھی اخلاص کے بغیر مقبول نہیں ہوتی۔

(ii) وہ عمل جو اخلاص کے بغیر ہو اس عمارت کی طرح ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں اور وہ جلد ہی گر جاتی ہے۔

(iii) جب انسان کا عمل اخلاص پر مبنی ہو تو اس کے درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے کیونکہ اخلاص اللہ پاک کی نظر میں سب سے پسندیدہ ہے۔

(16) حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص مخلوق کی نگاہوں سے بچنے کا نام ہے۔

(17) خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ فرماتے ہیں کہ اخلاس کا مفہوم کسی چیز کا ممتاز (نمایاں) کرنا ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں:

(i) اخلاص شہادت، اخلاص شہادت کے تین گواہ ہیں: (ا) اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا، (ب) اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے رک جانا اور (ج) اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشی سے دل کو پرسکون پانا۔

(ii) اخلاص خدمت، اخلاص خدمت کے تین گواہ ہیں: (ا) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلوق کو نہ دیکھنا، (ب) اچھے کاموں میں حضور نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنا اور (ج) اللہ پاک کی فرماں برداری میں حلاوت (مٹھاس اور سکون) پانا۔

(iii) اخلاص معرفت، اخلاص معرفت کے بھی تین گواہ ہیں: (ا) وہ خوف جو گناہ سے روکنے والا ہو، (ب) وہ امید جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر قائم رکھے اور (ج) وہ محبت جو اللہ پاک کے حکم کے ساتھ موافقت (ہم آہنگی) کرنے والی ہو۔

(18) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ظاہری دکھاوے (ریاکاری) کے بغیر اللہ تعالیٰ کی قربت (نزدیکی) حاصل کرنے کے لیے یا آخرت کے ثواب کی امید سے عمل کرنا اخلاص ہے۔

(19) حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے معاملہ سے نکالنا ہے۔

(20) ایک صوفی کا قول ہے کہ صدق اور اخلاص یہ ہے: انسان اپنے عمل (کام) کا گواہ اللہ پاک کے علاوہ کسی دوسرے کو نہ بنائے۔

8 اہل اخلاص کے واقعات

شرعی اعمال اور اقوال (باتوں) میں خلوص کو شرط قرار دینے پر قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ کا حکم واضح ہے۔ اللہ تعالی ایسے کسی عمل کو قبول نہیں کرتا جو خلوص اور اللہ پاک کی خوشنودی کے بغیر ہو۔ اسی باعث بزرگان دین نیت کی درستگی کے لیے سخت محنت اور کوشش کیا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک اخلاص تمام چیزوں سے ضروری تھا۔ دین پر عمل کرنے والے

بزرگ عمل (نیکیوں) سے زیادہ نیت کے درست ہونے کی فکر کیا کرتے تھے۔ اگر نیت صحیح نہ ہو تو اجر اور ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ نصیحت حاصل کرنے کے لیے اخلاص والوں کے چند واقعات درج کیے جاتے ہیں:

(1) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں کو صدقہ دینے کے بارے میں ایک اصول اور ضابطہ بنا رکھا تھا۔ وہ اصول یہ تھا کہ بعض رشتہ دار انسان سے کسی وجہ سے ناخوش رہتے ہیں اور بعض خوش اور راضی ہوتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ ان رشتہ داروں کو دینا زیادہ پسند کرتے تھے، جو ناخوش رہتے تھے کیونکہ روٹھے ہوئے رشتہ داروں سے شکریہ کی توقع نہیں ہوتی اور کسی کو صدقہ دینے کے بعد شکریہ کی امید رکھنا بھی صدق اور اخلاص کے خلاف ہے۔

(2) حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادے سے مکہ مکرمہ سے نکلے تو کفار نے ان کا راستہ روک لیا اور کہا کہ تم مدینہ پاک نہیں جا سکتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے بڑا تیرانداز ہوں۔ جب تک ایک بھی تیر میرے پاس رہا تم لوگ میرے قریب نہیں آسکو گے۔ جب تیر ختم ہو جائیں گے تو میں تمہارے ساتھ اپنی تلوار سے لڑونگا۔ جب مجھ میں تلوار اٹھانے کی ہمت اور طاقت نہ رہی تو تم جو چاہو میرے ساتھ سلوک کر لینا، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اگر تم لوگ مال چاہتے ہو، تو آؤ میں تم کو اپنے مال کا پتہ دے دیتا ہوں، جا کر لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو تا کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کر سکوں۔ ان لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی یہ بات مان لی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کی خاطر اپنا سب مال اور دولت ان کے حوالے کر کے خالی ہاتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر سارا واقعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابویحییٰ (حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت) تمہارا یہ سودا کامیاب ہو گیا۔ ابویحییٰ تمہارا یہ سودا کامیاب ہو گیا۔ (تفسیر الدر المنثور رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ، آیت: 207)

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی شان میں خصوصی طور پر اور اللہ پاک کی رضامندی اور خوشی چاہنے

والوں کی شان میں عمومی طور پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ.

(سورۃ البقرہ، آیت:207)

(اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے)

اللہ پاک کی راہ میں اور اس کی رضا کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینا نقصان کا نہیں سراسر فائدہ کا سودا ہے۔ اس اللہ تعالیٰ کی رضا اور دونوں جہانوں کی کامیابی ملتی ہے۔ مرزا غالب نے کیا خوب کہا ہے:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(3) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنگ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک مقام پر اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: راستے میں ایک شخص ملے گا، جس نے تین دن سے شیطان کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ اس صحرا (بیابان) میں ایک شخص کو دیکھا، جس کا گوشت ہڈیوں سے چپکا ہوا تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ ہونٹ گھاس کھانے کی وجہ سے سبز ہو چکے تھے۔ جیسے ہی وہ شخص آگے بڑھا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوچھا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف کرایا۔ اس شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے اسلام کی تعلیم دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ کہو۔ اس نے ان دونوں شہادتوں کا اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے مہینے میں روزے رکھنا۔ اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں

بیت اللہ شریف کا حج کرنا، صاحبِ نصاب (مال دار) ہونے کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنا اور غسل جنابت کرنا۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے۔ وہ شخص بھی ساتھ تھا لیکن اس کا اونٹ پیچھے رہ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہر گئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس شخص کو تلاش کرنے لگے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دیکھا کہ اس شخص کے اونٹ کا پاؤں جنگلی چوہوں کے سوراخ میں دھنس گیا اور اونٹ گر گیا۔ گرنے کی وجہ سے اونٹ اور اس سوار کی گردن ٹوٹ گئی اور دونوں ہی ختم ہو گئے۔ چنانچہ یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دی گئی۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً حکم دیا کہ ایک خیمہ لگایا جائے اور اس سوار کو غسل دیا جائے۔ غسل کے بعد خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمہ میں تشریف لائے اور اس کو کفن پہنایا۔ خیمہ سے باہر نکلے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: یہ دیہاتی شخص بھوکا اس دنیا سے گیا ہے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے توبہ کی اور ایمان لایا۔ اس نے ایمان کے بعد کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کی۔ خود کو گناہوں سے پاک رکھا۔ جنت کی حوریں جنتی پھلوں کے ساتھ اس کی طرف آئیں اور اس کا منہ بھر دیا۔ ان میں سے ایک حور کہتی تھی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اس کی بیوی بنا دیں اور دوسری کہتی تھی کہ مجھے اس کی بیوی قرار دیں۔ (بحار الانوار، ص: 282)

(4) جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو عکرمہ بن ابوجہل یہ سوچ کر بھاگ نکلا کہ مجھے معافی نہیں مل سکتی۔ جدہ کی بندرگاہ پر پہنچا اور کشتی میں سوار ہو گیا۔ اللہ پاک کی قدرت کہ جوں ہی کشتی نے کچھ فاصلہ طے کیا تو وہ سمندری طوفان میں پھنس گئی۔ ملاح (کشتی چلانے والا) اور مسافروں کو یقین ہو گیا کہ اب بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ یہ صورت حال دیکھ کر عکرمہ لات، منات اور عزیٰ (مکہ والوں کے بتوں کے نام) کو پکارنے لگا۔ ملاح نے مسافروں سے کہا کہ جب کبھی کشتی کو ایسے طوفان سے واسطہ پڑتا ہے تو سچی نیت سے اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے۔ اس لیے صرف اور صرف اللہ پاک کے سامنے دعا کرو، شرک اور ریا کاری (دکھاوے) کو چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کے

سوا کوئی کشتی پار لگانے والا نہیں۔

یہ بات عکرمہ کے دل پر اثر کر گئی اور اس نے سوچا کہ اسی بات کی تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تبلیغ کرتے ہیں۔ عکرمہ نے اس خیال کے آتے ہی یہ نیت کر لی کہ اگر اللہ پاک نے بچا لیا تو ضرور اسلام قبول کر لوں گا۔ اللہ پاک کی مہربانی سے یہ سمندری قافلہ سلامتی سے خشکی تک پہنچ گیا۔ عکرمہ واپس مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے پہلے گناہوں کی معافی مانگی اور سچے دل سے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے باقی زندگی دین اسلام کی سربلندی کے لیے خلوص نیت سے جدوجہد کی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انتہائی مخلص رہے۔

(تفسیر الدر المنثور بحوالہ سورۃ یونس، آیت:22)

(5) حضرت شداد بن الہاد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کی۔ پھر اس نے کہا کہ میں بھی جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ کو دوسروں کی دیکھ بھال کرنے کی وصیت فرمائی اور جہاد پر ساتھ نہ لیا۔ سفر جہاد سے واپسی پر مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاص نیت کی بنا پر اس دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی حصہ نکالا۔ اس وقت یہ ساتھیوں کے جانور چرانے گیا ہوا تھا۔ اس لیے اس کا حصہ اس کے ساتھیوں کے سپرد کر دیا گیا۔ جب وہ وہاں سے واپس آیا اور ساتھیوں نے اس کو اس کا حصہ دیا تو اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ ساتھیوں نے جواب دیا کہ یہ غنیمت کا حصہ ہے جو رحضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھیں دیا ہے۔

اس دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ نے وہ مال لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ میں نے مال غنیمت میں سے تمہارا حصہ نکالا ہے۔ اس نے عرض کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے مال کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری نہیں کی تھی بلکہ میں نے اپنی زندگی کو سچے دین کی سربلندی کے لیے وقف کی

تھی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اپنی نیت میں سچا ہے تو اللہ پاک ضرور تجھے سچا کر دکھائے گا۔ پھر یہ دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ غزوات (جنگوں) میں شریک ہوتا رہا اور آخر کار ایک غزوہ (جنگ) میں شہید ہو گیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اٹھا کر لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس نے اللہ پاک کے ساتھ خلوص نیت کا معاملہ رکھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسے کامیابی کے لیے چن لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے جبہ مبارک (قمیض) میں کفن دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی نماز جنازہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز میں پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے، ہجرت کر کے تیرے راستے میں نکلا تھا اور اب تیرے راستے میں، تیرے دین کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے شہید ہو گیا ہے اور میں اس پر گواہ ہوں۔

(سنن نسائی، ج:1، رقم الحدیث:1959)

(6) بنی اسرائیل (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم) میں سے ایک شخص قحط کے زمانے میں ریت کے ٹیلے کے پاس سے گزرا۔ اس نے دل میں سوچا اگر یہ ریت کا ٹیلہ غلہ بن جائے تو میں اللہ پاک کی رضا اور خوشی کے لیے لوگوں میں تقسیم کر دوں تاکہ قحط زدہ لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔ اللہ پاک نے اس زمانے کے نبی علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اس شخص سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کر لیا ہے اور تیری اچھی نیت کا شکریہ ادا کیا ہے۔ تجھے اسی غلے کے مطابق اجر اور ثواب عطا کیا گیا ہے جو تو نے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

(7) امام غزالیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا: آپؒ نے اپنے عمل (نیکیاں) کو کیسا پایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ہر اس عمل کا ثواب مل گیا جو میں نے اللہ پاک کے لیے کیا تھا۔ یہاں تک کہ انار کے اس دانے کا بھی جو میں نے

راستے سے احترام کے طور پر اٹھایا تھا۔ میں نے اپنی مری ہوئی بلی کو بھی نیکیوں کے پلڑے میں دیکھا۔ میری ٹوپی میں ریشم کا ایک دھاگہ تھا وہ مجھے برائیوں کے پلڑے میں ملا۔ مجھے اپنے ایک گدھے کا جس کی قیمت سو دینار تھی، کوئی ثواب نہیں ملا کیونکہ اس کے مرنے کی خبر سن کر میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کی نیت نہیں کی تھی۔ اس لیے مجھ سے کہا گیا کہ گدھے میں تیرا ثواب ضائع ہو گیا۔ اس کی موت پر اگر تو یہ کہتا کہ اللہ پاک کی راہ میں گیا تو تجھے اس میں بھی ثواب دیا جاتا۔

(8) بنی اسرائیل کی روایات میں ہے کہ ایک عبادت گزار بڑی مدت سے اللہ پاک کی عبادت میں مصروف تھا۔ ایک مرتبہ اس کے پاس کچھ لوگ آئے اور انہوں نے بتایا کہ یہاں ایک قوم ایسی بھی ہے جو اللہ پاک کے بجائے درخت کی عبادت کرتی ہے۔ عبادت گزار کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ وہ اسی حالت میں کلہاڑی لے کر چل پڑا تا کہ اس درخت کو کاٹ دے۔

راستے میں ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں شیطان ملا۔ شیطان نے اس سے پوچھا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے، کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ وہ درخت کاٹنے۔ شیطان نے کہا کہ تجھے اس سے کیا مطلب؟ تو نے بلا وجہ اپنی عبادت چھوڑی اور دوسرے کاموں میں پڑ گیا۔ اس نے کہا یہ بھی عبادت ہے۔ شیطان نے جواب دیا کہ میں ہرگز تجھے یہ درخت کاٹنے نہیں دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ دونوں لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ عبادت گزار نے شیطان کو نیچے گرا لیا اور اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

شیطان نے کہا اچھا مجھے چھوڑ دے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ عبادت گزار کھڑا ہو گیا۔ شیطان نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اس درخت کو کاٹنا فرض نہیں کیا ہے اور نہ اس قوم کی ذمہ داری تجھ پر ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار نبی علیہم السلام ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا تو اپنے کسی نبی علیہ السلام کو بھیج کر یہ درخت کٹوا دے گا۔ عابد نے کہا کہ میں یہ درخت ضرور کاٹوں گا۔ جب شیطان نے دیکھا کہ بات نہیں بن رہی تو اس نے دوبارہ جھگڑا شروع کر دیا۔ عبادت

گزار نے دوبارہ اسے نیچے گرالیا۔
شیطان نے یہ صورت حال دیکھی تو کہنے لگا کہ میں تمہیں ایک صورت حال بتاتا ہوں جو تیرے لیے بہت بہتر ہے۔ عبادت گزار نے شیطان کو چھوڑ دیا۔ شیطان نے کہا کہ تو ایک غریب اور ضرورت مند انسان ہے۔ تیرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تو دوسروں پر بوجھ ہے۔ وہ تیری زندگی کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ تیری دلی خواہش ہے کہ تیرے پاس مال ہو جسے اپنے دینی بھائیوں پر خرچ کر سکے۔ عبادت گزار نے جواب دیا کہ ہاں یہ میری دلی خواہش ہے۔ شیطان نے کہا: تو اپنے گھر چلا جا اور درخت کو کاٹنے کا خیال دل سے نکال دے۔ میں روزانہ تیرے تکیے کے نیچے اتنی رقم رکھ دیا کروں گا۔ تم وہ رقم اپنے اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا۔ یہ تیرے اور تیرے دین کے ماننے والوں کے لیے درخت کاٹنے سے بہتر ہے۔
عبادت گزار نے شیطان کا مشورہ مان لیا اور درخت کاٹنے کی خواہش چھوڑ دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اپنی عبادت گاہ میں واپس آ گیا۔ صبح کو اس نے دیکھا کہ وعدہ کے مطابق رقم اس کے سرہانے رکھی ہوئی ہے۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا لیکن تیسرے دن وہاں کچھ نہ ملا۔ عبادت گزار کو بڑا غصہ آیا اور وہ دوبارہ کلہاڑی لے کر درخت کو کاٹنے کے لیے چل پڑا۔
راستے میں شیطان بوڑھے شخص کی شکل میں ملا اور پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ شیطان نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم تو جھوٹا ہے نہ تو اس درخت تک پہنچ سکتا ہے اور نہ اسے کاٹ سکتا ہے۔ یہ سن کر عبادت گزار نے چاہا کہ پہلے کی طرح دوبارہ بوڑھے کو پکڑ کر زمین پر گرا دے۔ شیطان نے کہا کہ اب غلط فہمی میں نہ رہنا۔ یہ کہہ کر شیطان نے عبادت گزار کو پکڑا اور زمین پر گرا دیا۔ عبادت گزار نے بڑا زور لگایا لیکن شیطان سے آزاد نہ ہو سکا۔ تنگ آ کر بولا کہ مجھے چھوڑ دے اور یہ بتا: پہلے میں نے تجھے کیسے نیچے گرالیا تھا اور اس مرتبہ تو کیسے مجھ پر غالب ہو گیا؟ شیطان نے جواب دیا کہ پہلی مرتبہ تو سچی نیت سے اللہ پاک کی رضا اور خوشی کے لیے درخت کاٹنے چلا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تجھے

مجھ پر غلبہ عطا فرما دیا۔ اس مرتبہ تو اپنی رقم کے لیے درخت کو کاٹنا چاہ رہا تھا اس لیے میں تجھ پر غالب آ گیا۔

(9) حضرت عبداللہ بن سنانؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک جہاد میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ تھا۔ اچانک دشمن کے ساتھ لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بھی لشکر میں نکل کھڑے ہوئے۔ جب مسلمانوں اور دشمنوں کی صفیں آمنے سامنے آ گئیں تو رومیوں کی طرف سے ایک شخص نے نکل کر مقابلے کی دعوت دی۔ ایک مسلمان آگے بڑھا مگر رومی نے شدید حملہ کر کے اسے شہید کر دیا اور پھر مقابلے کی دعوت دی۔ اسی طرح سے اس نے باری باری چھ مسلمان شہید کر دیئے۔ وہ رومی دونوں لشکروں کے درمیان اکڑ کر چل رہا تھا اور بار بار مقابلے کی دعوت دے رہا تھا مگر کوئی اس کے مقابلے میں نہیں نکل رہا تھا۔

یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے اگر میں شہید ہو گیا تو تم فلاں فلاں کام کر لینا۔ پھر آپؒ نے اس رومی سے مقابلہ کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ رومیوں پر اس قتل کا اس قدر خوف طاری ہوا کہ کسی نے حضرتؒ کے مقابلے کی ہمت نہ کی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جب دوبارہ مجھے ملے تو فرمانے لگے کہ میں نے یہ جہاد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے کیا تھا۔ ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے، تم یہ واقعہ کسی کو ہرگز نہ بتانا۔ عبداللہ بن سنانؒ کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ ان کی زندگی میں کسی کو نہیں سنایا۔

(10) مسلمہ بن عبدالملک (ولید بن عبدالملک کا بھائی) نے دشمن کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا مگر انہیں سخت مشقت اور تکلیف اٹھانی پڑی۔ اچانک لوگوں نے قلعے میں ایک سوراخ دیکھ لیا مگر کوئی اس میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ لشکر میں سے ایک شخص اس سوراخ میں داخل ہو گیا اور اس نے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ مسلمانوں نے قلعہ فتح کر لیا۔

جنگ کے بعد مسلمہ بن عبدالملک نے اعلان کروایا کہ وہ شخص جس نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے آگے آئے تاکہ اسے انعام دیا جائے۔ تین بار اعلان کے باوجود کوئی نہ آیا۔ جب چوتھی بار

اعلان کرایا گیا تو ایک شخص آیا اور کہنے لگا: صاحب! میں وہ شخص ہوں۔ پھر وہ قسمیں دے کر کہنے لگا اللہ پاک کے لیے مجھے کوئی انعام نہ دیجیۓ اور نہ ہی مجھے اپنے کام سے ہٹائیے۔ میں نے تو یہ کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے لیے کیا ہے۔ مسلمہ بن عبدالملک نے کہا ٹھیک ہے ہم ایسا ہی کریں گے پھر وہ شخص غائب ہو گیا اور اس کے بعد نظر نہ آیا۔

(11) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اخلاص ایک نائی سے سیکھا۔ میں ایک دفعہ نائی کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے بال بنا دو۔ اس وقت وہ مکہ معظّمہ میں ایک امیر اور عزت دار آدمی (رئیس) کے بال بنا رہا تھا۔ اس نے فوراً اس کا کام چھوڑ کر مجھے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ رئیس نے اعتراض کیا تو نائی نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ جب درمیان میں اللہ پاک کا نام اور واسطہ آجاتا ہے تو میں باقی سب کام چھوڑ دیتا ہوں۔

نائی کے اس جواب پر میں بہت حیران ہوا۔ پھر وہ میرے قریب آیا اور میرے سر پر بوسہ (پیار) دیا۔ میرے بال بنانے کے بعد اس نے مجھے ایک کاغذ کی پوٹلی (پڑیا) دی جس میں کچھ رقم تھی۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ اس رقم کو بھی اپنے استعمال میں لائیے۔ حجام کے لہجے میں بڑا اخلوص تھا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نائی سے وہ رقم قبول کر لی اور دل میں وعدہ کیا کہ اپنی پہلی کمائی اس خلوص دل رکھنے والے نائی کی نذر کروں گا۔ پھر کچھ دنوں بعد مجھے کچھ رقم ملی تو میں اسے لے کر نائی کے پاس پہنچا۔ وہ رقم اس کی خدمت میں پیش کر دی۔ نائی نے حیران ہو کر پوچھا تو میں نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔ میری نیت کا حال سن کر اس کے چہرے پر ناگواری (ناپسندی) کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے کہا کہ اے شخص! تو نے مجھے اللہ پاک کے واسطے بال بنانے کے لیے کہا، میں نے بنا دیئے اور اب اس کی مزدوری دے رہا ہے۔ تم نے کسی انسان کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ پاک کے واسطے کام کرتا ہے اور پھر اس کی مزدوری لیتا ہے۔

(12) ایک بزرگ کوحکومت نے جیل میں بند کر دیا۔جیل میں بزرگ نے معمول بنالیا کہ جب جمعہ کا دن آتا تو غسل کرتا، کپڑے بدلتا اور جب اذان کی آواز آتی تو جیل خانے کے دروازے تک تشریف لے جاتا اور پھر واپس لوٹ آتا۔لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ.

(سورۃ الجمعہ، آیت:9)

(اے ایمان والو! جب تمہیں جمعہ کے دن والی نماز کے لیے پکارا جائے (اس کی اذان دی جائے) تو تم اللہ پاک کی یاد کی طرف دوڑو)

میں اس حکم پر عمل کرنے کے لیے تیاری کرتا ہوں اور جہاں تک جا سکتا ہوں چلا جاتا ہوں۔

(13) انسان کے اخلاص کا اس کے معاملات پر گہرا اثر پڑتا ہے۔حتیٰ کہ مسجد بنانے جیسا اچھا کام بھی انسان کی بری نیت کی وجہ سے گناہ بن جاتا ہے۔اس کی واضح مثال مسجد ضرار ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ سے پہلے مدینہ منورہ میں ایک شخص ابو عامر راہب تھا۔یہ خزرج کے قبیلے میں سے تھا۔جاہلیت کے زمانے میں نصرانی بن گیا تھا۔اہل کتاب کا علم بھی پڑھا تھا۔عبادت گزار بھی تھا اور لوگ اس کی بزرگی کے قائل تھے۔جب حضور نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لوگ گروہ در گروہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے۔اس سے اس راہب کی ظاہری شہرت میں کمی آ گئی، جس سے وہ حسد میں مبتلا ہو گیا اور کھلم کھلا مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگا۔

یہ شخص اسلام کی کامیابیاں دیکھ کر روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس پہنچا اور اسے حضور نبی کریم ﷺ سے لڑائی کے لیے راضی کیا۔ہرقل نے بھی مدینہ شریف پر حملہ کرنے کا وعدہ کر لیا۔اس وقت ابو عامر راہب نے اپنے ہم خیال لوگوں کو خط لکھا کہ اب میں مسلمانوں کی جڑیں کاٹ دوں گا میں نے ہرقل کو جنگ کے لیے راضی کر لیا ہے۔وہ ایک بڑا لشکر لے کر چڑھائی

کرنے والا ہے۔ تم میرے لیے ایک مسجد تعمیر کرو تا کہ میرے قاصد جو آئیں وہ وہیں ٹھہریں، وہیں مشورے ہوں، ہمارے لیے وہ پناہ کی اور گھاٹ لگانے کی محفوظ جگہ بن جائے اور مسلمانوں میں اس سے تفرقہ پیدا ہو۔

چنانچہ منافقین نے مسجد قبا کے پاس ہی ایک اور مسجد کی تعمیر شروع کر دی اور تبوک کی لڑائی کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کے روانہ ہونے سے پہلے ہی اسے خوب مضبوط بنا لیا۔ اس مسجد کی تعمیر کے بعد منافقین حضور نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بوڑھوں اور کمزور لوگوں کو دور جانے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، خصوصاً سردیوں کی راتوں میں کمزور، بیمار اور معذور لوگ دور دراز کی مسجد میں بڑی دقت سے پہنچتے ہیں۔ اس لیے ہم نے قریب ہی یہ مسجد بنا لی ہے۔ آپ ﷺ ہماری مسجد میں تشریف لائیے اور نماز ادا کیجیے تا کہ ہمارے لیے یہ بات دلیل ہو جائے اور ہم وہاں نماز شروع کر دیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس وقت تو میں سفر پر جا رہا ہوں واپسی پر سہی، جو اللہ پاک فیصلہ فرمائے۔

حضور نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو راستے میں ہی اللہ پاک نے وحی کے ذریعے آپ ﷺ پر منافقین کی بنائی گئی مسجد کی حقیقت ظاہر فرما دی اور بتایا گیا: حقیقت میں منافقین چاہتے ہیں کہ لوگوں کو مسجد قبا میں جانے سے روک دیں اور اسلام کو نقصان پہنچائیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد قبا میں نماز پڑھیں اور منافقین کی بنائی گئی اس مسجد کو گرا دیں۔

اللہ پاک کے حکم کے مطابق اس مسجد کو اس کے بنانے والوں کی نیت کی خرابی کی وجہ سے آگ لگا دی گئی۔ تاریخ میں منافقین کی بنائی گئی یہ مسجد، مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہے۔

(تفسیر الدالمنشور بحوالہ تفسیر سورۃ التوبہ، آیت: 107)

وہ مساجد جن کو تقویٰ کی نیت سے بنایا جاتا ہے اور وہ جن کو منافقت کی نیت سے بنایا جاتا ہے، ایک جیسی نہیں ہو سکتیں۔ اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب قرآن پاک میں اس اصول کا ان

الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

اَفَمَنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَہٗ عَلٰی تَقۡوٰی مِنَ اللّٰہِ وَرِضۡوَانٍ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَہٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ ھَارٍ فَانۡہَارَ بِہٖ فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ. (سورۃ التوبہ، آیت:109)

(بھلا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ پاک سے ڈرنے اور اس کی رضامندی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک کھائی کے کنارے پر رکھی جو گرنے والی ہے؟ پھر وہ اسے دوزخ کی آگ میں لے گری)

کتابیات

(اس کتاب کی تیاری میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے)

1 ابیات باہو، حضرت سخی سلطان باہوؒ، فقیر عبدالحمید، لاہور، 1999ء

2 احیاء العلوم الدین، امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ ترجمہ مولانا ندیم الواجدی، دارالاشاعت، کراچی، 1999ء

3 آداب السلوک، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ترجمہ ظفر اقبال کلیار، زاویہ فاؤنڈیشن، لاہور، 2000ء

4 آداب المریدین، شیخ ضیاء الدین ابونجیب عبدالقاہر سہروردیؒ ترجمہ محمد عبدالباسط، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، 1998ء

5 آداب المفرد، حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ، اسلامک اکیڈمی، لندن، 2006ء

6 ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد عبدالشکور، قدیمی کتب خانہ، کراچی، 1999ء

7 الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابی عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد عبدالبر، دارالجبل، بیروت، 1971ء

8 انوار سلطانی، حضرت سخی سلطان باہوؒ، فقیر عبدالحمید، لاہور، 1999ء

9 ایضاح الحق الصریح، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، زمزم پبلشرز، کراچی، 2005ء

10 بحار الانوار، ملا محمد باقر مجلسی ترجمہ سید طیب آغا موسوی، محفوظ ایجنسی، کراچی، 1980ء

11 تاریخ ابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون ترجمہ حکیم احمد حسین الہ آبادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، 2003ء

12 تحقیق ماللہند من مقولۃ فی العقل اومرذولۃ: کتاب الہند، ابوریحان محمد بن احمد البیرونی، بک ٹاک، لاہور، 2011ء

13 تدبیر و تقدیر، شیخ ابن عطاء اسکندریؒ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، 2006ء

14 تزکیہ و احسان، شیخ ابوالحسن علی ندویؒ مجلس نشریات، کراچی، 2004ء

15 تصوف اور تصورات صوفیہ پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، سیٹھی بکس، لاہور، 2008ء

16 تفسیر ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابوالفدا ابن کثیرؒ ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2006ء

17 تفسیر درالمنثور فی التفسیر بالماثور، امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء القرآن، لاہور، 2006ء

18 تفسیر قرطبی، امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء القرآن، لاہور، 2012ء

19 تفسیر مظہری، قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ، دارالاشاعت، کراچی، 1999ء

20 تفہیم القرآن، سید ابواعلیٰ مودودیؒ، الاصلاح کمیونیکیشن نیٹ ورک، لاہور، 1999ء

21 تقدیر پر راضی رہنا چاہیے، مولانا محمد تقی عثمانیؒ، میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، 2006ء

22 تلبیس ابلیس، امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ، مکتبہ الاسلامیہ، لاہور، 2009ء

23 جامع ترمذی، حضرت امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد، دارالاشاعت، کراچی، 2006ء

24 جلاء العینین، شیخ ابن تیمیہؒ، دارالکتاب العربی، بیروت، 1988ء

25 حاضر العالم الاسلامی، شکیب ارسلان، دارالفکر، بیروت، 1971ء

26 حجۃ اللہ البالغہ: رحمۃ اللہ واسعہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ مولانا محمد سعید پالن پوری، زمزم پبلشرز، کراچی، 2005ء

27 حکایات سعدی: بوستان سعدیؒ انسائیکلوپیڈیا، شیخ شرف الدین مصلح سعدیؒ ترجمہ مولانا غلام حسن قادری، مشتاق بک کارنر، لاہور، 1998ء

28 حلیۃ اولیاء وطبقات الاصفیاء، امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعیؒ ترجمہ مولانا محمد اصغر مغل، دارالاشاعت، کراچی، 2006ء

29 رباعیات، شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ ترجمہ مولانا حامد حسن قادری، قادری اکادمی، کراچی، 1990ء

30 رجوم المرنبین، حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ، دارالفکر، بیروت، 1971ء

31 الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، مکتبہ سلفیہ، لاہور، 2000ء

32 رسالہ القشیریہ فی علم التصوف، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی، ادارہ پیغام القرآن، لاہور، 2007ء

33 رسالہ لوائح، عبداللہ بن محمد بن علی بن حسن بن علی ہمدانی ابوالمعالی، منوچہری، تہران، 1985ء

34 زبدۃ الآثار تلخیص بہجۃ الاسرار، امام ابوالحسن الشطنوفی شافعیؒ، تلخیص شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، مکتبہ نبویہ، لاہور، 2001ء

35 سکون قلب، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مکتبہ انعامیہ، کراچی، 1986

36 سنن ابن ماجہ، حضرت حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ ترجمہ مولانا محمد قاسم امین، مکتبہ العلم، لاہور، 2010ء

37 سنن الکبریٰ للبیہقی، حضرت امام ابی بکر احمد بن حسین البیہقیؒ ترجمہ حافظ ثناء اللہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 2014ء

38 سنن نسائی، حضرت امام احمد بن شعیب نسائیؒ ترجمہ مولانا افضل احمد، دارالاشاعت، کراچی، 2001ء

39 شعب الایمان، حضرت امام ابی بکر احمد بن حسین البیہقیؒ ترجمہ مولانا قاضی ملک محمد اسماعیل، دارلاشاعت، کراچی، 2007ء

40 شکر اللہ عزوجل: شکر کے فضائل، امام ابوبکر عبداللہ بن محمد قرشی ابن ابی دنیاؒ، مکتبہ المدینہ، کراچی، 2010ء

41 شکر گزار بننے کے فوائد، ڈاکٹر شہزادہ فیصل بن مشعل آلِ سعود ترجمہ طاہر صدیق بن محمد صدیق،

دارالابلاغ،لاہور،2010ء

42 صحیح بخاری، حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، دہلی،2004ء

43 صحیح مسلم، حضرت امام ابوالحسین مسلم بن الحجاجؒ ترجمہ علامہ وحیدالزمان، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، دہلی،2004ء

44 صدمیدان، خواجہ عبداللہ انصاریؒ ترجمہ حافظ محمد افضل فقیر، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور،1998ء

45 صراط مستقیم، سید احمد شہیدؒ سنی اکیڈمی پاکستان، لاہور،1988ء

46 صوفی نامہ: التصفیۃ فی احوال المتصوفہ، قطب الدین ابوالمظفر منصور بن اردشیر العبادیؒ، انتشارات، تہران، 1971ء

47 طبرانی کبیر، حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ، مکتبہ ابنِ تیمیہ، قاہرہ،2000ء

48 طبقات ابن سعد: طبقات کبیر، محمد ابن سعدؒ ترجمہ علامہ عبداللہ العمادی، نفیس اکیڈیمی، کراچی، 2006ء

49 طبقات صوفیہ، امام ابی عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ ترجمہ شاہ محمد چشتی، ادارہ پیغام القرآن، لاہور،2011ء

50 عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین، علامہ حافظ ابن قیمؒ، دارالکتاب العربی، بیروت،1988ء

51 علم اور تقویٰ، ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی، انصارالسنہ پبلیکیشنز، لاہور،2000ء

52 عیون الحکایات، امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ، مکتبہ المدینہ، کراچی،2007ء

53 غنیۃ الطالبین، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ترجمہ مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی سعیدی، حامد اینڈ کمپنی، لاہور،1988ء

54 فی السماع والرقص، شیخ ابن تیمیہؒ، دارالکتاب العربی، بیروت،1988ء

55 فیوض یزدانی: فتح الربانی، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ترجمہ مولانا عاشق الٰہی، اعتقاد پبلشنگ ہاوس، نئی دہلی،1986ء

56 قوت القلوب، شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی المکیؒ ترجمہ محمد منظور الوجیدی، شیخ غلام اینڈ سنز، لاہور، 1999ء

57 کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، امام ابوبکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذیؒ ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، 1988ء

58 کتاب اللمع فی التصوف، شیخ ابونصر سراجؒ ترجمہ سید اسرار بخاری، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، 2000ء

59 کشف الظنون، ملا کاتب چلبیؒ، مکتبہ شرف، پٹنہ، 2011ء

60 کشف المحجوب، سید علی ہجویریؒ ترجمہ میاں طفیل محمد، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1988ء

61 کنز العمال، حضرت علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدینؒ ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق، دارالاشاعت، کراچی، 2009ء

62 گناہوں سے توبہ کیجیے، مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی، مکتبہ الفقیر، فیصل آباد، 2009ء

63 مثنوی معنوی، مولانا جلال الدین رومیؒ ترجمہ قاضی سجاد حسین، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، 2006ء

64 مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، امام علی بن ابوبکر الہیثمیؒ، مکتبہ العلماء والحکما، مدینہ شریف، 1984ء

65 مدارج السالکین، علامہ حافظ ابن قیمؒ، دارالکتاب العربی، بیروت، 1988ء

66 مسند الفردوس بماثور الخطاب، شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمیؒ، دارالکتاب العربی، بیروت، 1987ء

67 مسند امام احمدؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 2004ء

68 مشکوٰۃ المصابیح، حضرت شیخ ولی الدین الخطیب التبریزیؒ ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ، مکتبہ محمدیہ، لاہور، 2005ء

69 مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہؒ ترجمہ مولانا محمد اویس سرور، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 2001ء

70 معدن المعانی، شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ ترجمہ شاہ قسیم الدین احمد شرفی البلخی، مکتبہ شرف، پٹنہ، 2011ء

71 مقاصد السالکین، خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی مجددیؒ ترجمہ محمد بدر السلام، دار العلوم سلطانیہ، جہلم، 2005ء

72 مقامات سلوک، ڈاکٹر محمد عبد الرحمٰن عمیرہ المصری ترجمہ محمد اکرم الازہری، ضیاء القرآن، لاہور، 1999ء

73 مکاشفۃ القلوب، امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ ترجمہ محمد الیاس عادل، مشتاق بک کارنر، لاہور، 2000ء

74 مکتوبات امام ربانی، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، 1976ء

75 منہاج القاصدین، امام عبد الرحمٰن ابن جوزیؒ ترجمہ محمد سلیمان کیلانی، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، 1985ء

76 مواعظ سعدی، شیخ شرف الدین مصلح سعدیؒ، مشتاق بک کارنر، لاہور، 2006ء

77 موطا امام مالک، حضرت امام مالک بن انسؒ ترجمہ حافظ زبیر علی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2009ء

78 نہج البلاغہ، حضرت علی مرتضیٰؓ ترجمہ سید ذیشان حیدر جوادی، محفوظ بک ایجنسی، کراچی، 1999ء

79 'Preaching of Islam'، W. T.Arnold ترجمہ مولوی عنایت اللہ، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1988ء

80 The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam, Dr. Muhammad Iqbal, Standford University Press, California, 2013

81 http//:www.hadithurdu.com/

82 https//:easyquranwahadees.com/

مصنف کی دیگر کتب

01 کتاب الزہد

02 کتاب الاخلاق

03 اللّٰھم : کتاب الدعا

04 مقاماتِ تصوف: منزل ما کبریاست

05 مقامات: اللہ غایتنا (عربی)

06 ذوقِ بندگی

07 اجتہاد: اسلامی فکر کی عصری تشکیل

08 احوال: ما ئیم ہمیشہ شاد بے ما (جلد اول)

09 احوال: ما ئیم ہمیشہ شاد بے ما (جلد دوئم)

10 نفسِ جبریل

11 ہمارا تعلیمی نظام: ماضی، حال اور مستقبل

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست
(تصوف صرف خدمت خلق کا نام ہے)
(یہ نہ تسبیح ہے، نہ جائے نماز ہے اور نہ ہی گڈری)
(شیخ سعدیؒ)

ظفراللہ خان نے ابتدائی دینی و دنیاوی تعلیم صوفیائے کرام کے شہر ملتان میں حاصل کی۔ وفاق المدارس الدینیہ سے الشہادۃ العالمیہ فی العلوم الاسلامیہ کیا۔ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم ایس سی (بین الاقوامی تعلقات) کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ کچھ عرصہ تک انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں تدریس کے شعبے سے منسلک رہنے کے بعد، سول سروس آف پاکستان کے ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ (1987ء) میں شمولیت اختیار کر لی۔ سٹی یونیورسٹی لندن (1997ء) سے ایل ایل بی کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ یونیورسٹی آف ویسٹ آف انگلینڈ، برسٹل (برطانیہ) سے قانون میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ حاصل کیا اور لنکنز ان (1998ء) سے بارایٹ لاء کرنے کے بعد ملازمت سے استعفیٰ دے کر (2002ء) قانون کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔ ہیگ (ہالینڈ)، تورین (اٹلی)، جنیوا (سوئٹزرلینڈ) اور آکسفورڈ (برطانیہ) سے قانون اور بین الاقوامی تعلقات پر کئی خصوصی کورسز کئے۔ وفاقی سیکریٹری برائے قانون وانصاف اور وزیراعظم پاکستان کے خصوصی معاون/ وفاقی وزیر برائے قانون وانصاف، وزیر برائے حقوق انسانی، وزیر برائے اقتصادی امور، وزیر برائے کابینہ اور وزیر برائے پارلیمانی امور بھی رہے۔ آپ اسلام، قانون اور حقوق انسانی پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

الکریم مارکیٹ۔ اُردو بازار، لاہور فون: 042-37230350